وادی الموت



ایم اے راحت

وہ چیخ فضاء میں جامد ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے رات کے وقت برُج پر جنم لیا۔ اور پھر جہاز کے پورے ڈھانچے' اس کے گلیاروں اور کمروں تک میں پھیلتی چلی گئی۔ پل بھر میں ایسا ہی لگا تھا۔ جیسے محوخواب جہاز اسکائی لارک اچانک بیدارا ہو گیا ہو۔ لوگوں کی آنکھیں پھٹی رہ گئی۔

برج میٹ شہروز نے بھی یہ چیخ سنی۔ اور فوراً نیچے اترنے لگا۔ پہلے تو یہ چیخ اسے سماعت کا دھوکہ لگی۔ لیکن پھر وہ ساکت کھڑا ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ چیخ دوبارہ سنائی دے گی۔

اس بار چیخ زیادہ تیز تھی۔

''بریکرز' آگے بریکرز ہیں۔'' یہ ایک بوڑھے کی آواز تھی۔ جو بار بار سب کو خبردار کر رہی تھی۔

شہروز کو تیسری مرتبہ مطلب سمجھ نہیں آیا اور پھر وہ بھاگنے لگا۔ وہ ایک شخص سے ٹکرایا جو عرشے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے فوراً سیڑھی لگالی۔ اوپر نگرانی کرنے والے رمضو کی حالت غیر تھی۔ اس نے ......شہروز کو دیکھتے ہی ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

''بریکرز۔'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''کہاں......؟'' شہروز گیلے عرشے...... پر پھسلتے پھسلتے بچا۔

''سامنے؟'' رمضو نے گھبراہٹ بھرے لہجے میں جواب دیا۔''اسٹار بورڈ باؤز کے دونوں طرف' آپ پانی اور کھائی کے ٹکراؤ کی آواز سن رہے ہیں ناں؟''

شہروز نے کالی رات میں جھانکا' بغور دیکھا۔ اس دوران رمضو نے کئی بار وہی پکار بلند کی جسے سن کر شہروز بھاگا ہوا آیا تھا۔ اب بے شمار لوگوں کی چیخ پکار سنائی دینے لگی تھی جو ایک

جگہ سے دوسری جگہ دوڑ دوڑ کر جا رہے تھے۔ ان میں سے کئی گالیاں بھی بک رہے تھے۔ کھاڑی اور رکاوٹوں کی ماں بہن ایک کر رہے تھے۔ اور کئی ریلنگ کے قریب کھڑے ہوئے سمندر کو گھور رہے تھے۔

"کچھ نظر آیا؟" رمضو نے پوچھا۔

"ہاں رمضو!" شہروز نے جواب دیا۔ "یہ کھائی اور کھاڑی میرے خدا!" پھر نوکیلی کھائی پر نظر رکھتے ہوئے اس نے سیکنڈ میٹ شاہ ور کو پکارا۔ "شاہ ور!"

"ہاں۔" عقبی عرشے سے سیکنڈ میٹ شاہ ور کی آواز آئی۔ اگرچہ شاہ ور بہت زور سے بولا تھا۔ تاہم ہوا کے دباؤ نے اس کی آواز دھیمی کر دی تھی۔

"کیپٹن کو پیغام دے دو ...... ہمارے آگے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔" شہروز اس وقت تک کھڑا رہا جب تک اس نے کیپٹن کے پیغام سے متعلق شاہ ور کی آواز نہ سن لی۔ اور پھر سامنے جالوں کی قطار کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں پانی قیامت مچا رہا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد کیپٹن منوچہر، شہروز اور شاہ ور کے پاس پہنچ چکا تھا۔ وہ کیونکہ اپنے روشن کمرے سے آیا تھا لہٰذا اس کی آنکھیں ابھی تک اندھیرے کی عادی نہیں ہوئی تھیں۔ خطرے کو دیکھنے میں کپتان کی اس تاخیر سے شاہ ور کو وحشت ہی نہیں بلکہ جھنجلاہٹ بھی ہو رہی تھی۔

اور پھر جب منوچہر کی نظریں خطرے پر پڑی تو وہ تقریباً ہل کر رہ گیا۔

"اف! ...... یہ تو بہت قریب ہے۔"

اس کی آنکھوں ہی سے نہیں اس کے لہجے سے بھی خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر جہاز کے عقبی حصے کی طرف دیکھے بغیر اس نے عملے کو ہدایت دینے کیلئے چلانا شروع کر دیا۔

"تیز چلاؤ......" پھر شہروز کی طرف پلٹا۔ "ریف" پھر خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"کمال ہے کوئی وارننگ بھی نہیں ملی۔" یہ کہتا ہوا وہ پر رمضو تک پہنچ گیا جو ابھی تک اپنی جگہ ثابت قدم کھڑا ہوا تھا۔

شاہ ور نے کپتان کے احکام دوسروں تک پہنچائے۔ لیکن جونہی پتوار گیر کرش نے پتوار سنبھالے اسے ایسا لگا جیسے پتوار ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہ صورتحال دیکھ کر شاہ ور خود دوڑتا

ہوا آیا اور اس نے کرش کو دھکا دے کر ایک طرف کیا اور خود پوری قوت سے وہیل گھما دیا۔ پھر وہ چند سیکنڈ خوف کے عالم میں انتظار کرتے رہے۔ تب ہی منوچہر کی گرج دار آواز سنائی دی۔ اس کی آواز میں ایسا خوف تھا جیسے اس نے اپنے پیارے اور لاڈلے جہاز کی تباہی سامنے دیکھ لی ہو۔

شہروز بھی دل میں وسوسے محسوس کرنے لگا۔ وہ پھرتیلے مگر مشینی انداز میں کیپٹن منوچہر کے احکامات پر عمل کرنے لگا۔ ابتدائی چند لمحوں کی افراتفری کے بعد اب جہاز اسکائی لارک میں نظم و ضبط قائم ہو گیا تھا۔ ہر شخص اپنے کام میں جت گیا۔ لیکن جہاز اتنی تیزی سے پہاڑی سمندری کھائی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اب کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب پانی اچھل اچھل کر اندر جہاز پر آنے لگا تھا۔ اور پھر ایسا لگنے لگا جیسے اسکائی لارک کھاڑی کی طرف نہیں جا رہا۔ بلکہ کھاڑی ...... تنگ کھاڑی خود اس کی طرف لپک رہی ہے۔ شاید یہ پہاڑ کسی زلزلے کی زیر آب تبدیلی کے باعث جہاز کے راستے میں نمودار ہوئی تھی اور اس کا کسی نقشہ میں ذکر نہ تھا۔

جہاز اب ہوا کے زور پر چل رہا تھا۔ بلکہ ہوا کے رحم و کرم پر تھا۔

پھر مرگ نے پہلا بوسہ اسکائی لارک کے ثبت کیا۔ جہاز کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا کر بخار کے مارے مریض کی طرح کانپنے لگا۔ لوگ جان بچانے کیلئے بھاگنے لگے۔ بعض جیالے ریلنگ کی قریب آنے لگے تو شہروز نے دبا کر انہیں پیچھے ہٹا دیا۔

"گرنے والے سامان سے سروں کو بچاؤ۔" اس نے دوسری ہدایت جاری کی۔

روشنی اور کم ہو گئی۔

ایک شخص گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعائیں مانگنے لگا۔

کارپینٹر نبی بخش نے زقند بھری اور اس واحد لانچ میں پہنچ گیا جو دو ہفتے قبل کے خوفناک طوفان کے بعد بچ رہی تھی۔ اس نے برجی سے لانچ کے کور ہٹائے اور دوسروں کو ہدایتیں دینے لگا۔ لوگ اندھیرے میں بھاگتے ہوئے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔

اور پھر دوسری مرتبہ جہاز کو ایسا زوردار جھٹکا لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ جیسے پہیہ گریس پر پھسل گیا ہو۔ اب تک انوار نامی لڑکا بڑی بہادری سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اسٹار

بورڈ کی ریلنگ پر جمے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اور وہ چاروں طرف پھیلے ہوئے پانی کو دیکھے چلا جا رہا تھا۔ لیکن اس دوسرے جھٹکے نے اس کی یہ کیفیت ختم کر دی۔ اس کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ بھاگ نکلا۔ اور وہ لوگوں کے درمیان دوڑنے لگا۔ شہروز نے اس کی چیخیں سن لی تھیں۔

لہٰذا جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچا۔ شہروز نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور اسے تسلی دینے لگا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن نوک زبان میں ایک دو الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں نکلا۔ کیونکہ اس وقت اسکائی لارک کسی چیز سے بہت زوردار آواز میں ٹکرایا۔ ایک لمحے کیلئے شہروز کو یوں لگا جیسے بس خاتمہ قریب ہے اور جہاز گہرے پانی میں بیٹھ جائے گا۔ کیونکہ اب اسے یہ بھی احساس نہ رہا تھا کہ گہرا پانی کہاں ہے؟ اور اتھلا پانی کہاں؟ دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی کھاڑی کا پانی درجنوں فواروں کی طرح بلند ہوا اور اس نے جہاز پر یلغار کر دی۔ ریلنگ پر اب پانی کے سوا کچھ اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ ملاحوں کا سامان ان کے ہاتھوں سے نکل کر پانی میں بہنے لگا تھا۔ جبکہ وہ اسے پانی کی بوچھاڑ سے بچانے کیلئے جدوجہد کر رہے تھے۔

پھر اچانک ہی جہاز بلند ہونے لگا اور بلند ہوتا چلا گیا۔ نیچے پانی کی قوت اور اٹھان انتہائی خطرناک ہو گئی تھی۔ وہ سب بے بسی سے چیخنے لگے۔ تب ہی اچانک نیچے کی قوت کم ہو گئی اور جہاز زوردار آواز کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اب جہاز کی حرکت بھی ختم ہو گئی تھی۔

اس خوفناک دھچکے کے باعث شہروز' انوار سمیت پورٹ کیٹ ہیڈ سے جا ٹکرایا۔ کیپٹن منوچہر چرخی کے آہنی بکل سے ٹکرا گیا۔ رمضو پانی میں تقریباً گر گیا تھا۔ لیکن اسے فوراً نکال لیا گیا۔ اب ہر طرف پانی اور اس کے کھاڑی سے ٹکرانے کی غضب ناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لوگ چلا رہے تھے۔ روشنی کی دعائیں کر رہے تھے۔ وہ سب کے سب چاروں طرف کی تباہی سے خوفزدہ ہو کر ایک جگہ کینوس کے نیچے جمع ہو گئے تھے۔ ہر نئی آنے والی لہر مزید تباہیاں لا رہی تھی۔ ہر جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔ جگہ جگہ سے تختے ٹوٹ گئے تھے۔ کئی مقامات سے ضروری سامان نکل گیا تھا اور جہاز بری طرح کانپ رہا تھا۔

کیپٹن منوچہر بمشکل گھٹنوں کے بل اٹھا اور چرخی سے لگ گیا۔ اس کی پیشانی پر کوئی چیز لگنے کے باعث خون بہہ رہا تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر شہروز' انوار کو چھوڑ کر اس کی طرف لپکا۔

اپنے آدمیوں کا خیال رکھو' شہروز!......'' منوچہر نے کہا۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا۔ چرخی سے سر ٹکرایا تھا اور بس اور ہاں ...... لانچ ...... پتہ نہیں کہ یہ صورتحال کب تک رہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بھی وقت پھسل کر گہرے پانی میں پہنچ جائے ...... خیال رکھو شہروز!...... خیال رکھو......''

''منوچہر کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔

''بہت بہتر جناب!'' شہروز نے فوراً کہا۔ ''انوار' تم کیپٹن منوچہر کے ساتھ ٹھہرو......''

''کیا تم زخمی ہو لڑکے؟'' منوچہر نے تاریکی میں انوار کی طرف دیکھا۔

''نہیں جناب! شکریہ۔'' انور کا دل اس ہمدردی پر بھر آیا۔

شہروز جہاز کے عقبی حصے کی طرف بڑھا۔ راستے میں بے شمار چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ جہاز اگرچہ اب رکا ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی تھرتھراہٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔ شہروز وہ آوازیں بھی سن رہا تھا جو کھاڑی میں ٹوٹے ہوئے تختوں کے ٹکرانے کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھیں۔

''شہروز!'' اس نے اپنے عقب میں کپتان کی تحکمانہ آواز سنی۔ ''حاضری لو۔''

''بہت بہتر جناب!'' وہ عقبی حصے میں ایک جگہ بلندی پر کھڑا ہو گیا۔

''شاہ ور!''

''یس۔''

''کیا تم پچھلے حصے میں ہو؟''

''یس۔''

''کرش!''

''حاضر جناب!''

''اب میں ہر شخص کا نام پکاروں گا۔'' شہروز نے جہاز کا اوپر سے جائزہ لیا۔ ''نام سن کر کچھ ضرور کہنا تا کہ تمہاری موجودگی کا علم ہو سکے۔''

''ٹھیک ہے جناب!'' کسی نے نیچے سے کہا۔

"تم کون ہو؟"

"علی رضا!"

"کیا تم زخمی ہو علی رضا......؟"

"نہیں بس معجزہ ہو گیا۔"

"شاندار حشمت!"

"یس مسٹر شہروز!" یہ حشمت کی آواز ضرور تھی۔ لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ بہت خوفزدہ ہے۔ شہروز ایک لمحہ کیلئے یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید اس کی اپنی آواز میں بھی خوف بھرا ہوا ہو۔

"سکندر خان! اس کی اس آواز پر کوئی جواب نہیں آیا۔ سکندر خان! اسٹیورڈ تھا۔ شہروز نے دوبارہ آواز لگائی۔" سکندر خان!...... بولو خان!...... آواز دو۔"

وہ یہاں موجود ہے جناب!" کسی نے کہا۔ "مگر سمت درست کرنے والے حصے میں دبا ہوا ہے۔"

"اور یہ تمہاری آواز ہے نوید!"

"یس سر!"

"کیا سکندر خان! زخمی ہے؟"

"وہ جو دعائیں مانگ رہا ہے وہ میں سن رہا ہوں۔ جناب!" نوید نے ان حالات میں بھی شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر اسے باہر نکالو۔" شہروز نے حکم دیا۔

"ہم کوشش کر رہے ہیں جناب!"

"تمہارے ساتھ کون ہے؟"

"شمشاد!"

"کوئی، نوید اور شمشاد تک جا کر سکندر خان کو نکالنے میں مدد کرے، حشمت شاباش چلو تم۔"

شہروز نے نقل و حرکت دیکھی اور پھر سمندر کی خفیف کی روشنی میں اسے وہ آگ نظر

آنے لگی جو برج پر لگی تھی۔ وہ خود بھی نیچے جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ انہوں نے سکندر خان کو نکال لیا۔ سکندر خان اپنا بایاں پاؤں تیزی سے رگڑ رہا تھا۔

"تم زیادہ زخمی تو نہیں ہوئے سکندر خان!؟" شہروز نے پوچھا۔

"نہیں خدا کا شکر ہے کہ زندہ بچ گیا۔"

"زیادہ خوش مت ہو سکندر خان میرے بھائی!" نوید کی شوخ آواز آئی۔ "ورنہ آدم خور مچھلیوں کا شکار بننے کے بعد پچھتاؤ گے۔"

"نبی بخش!" شہروز نے زیر لب مسکراتے ہوئے آواز دی۔

"ابھی تک زندہ ہوں۔" نبی بخش بہت باتونی تھا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتا۔ شہروز نے اختر کا نام پکارا۔

"یس سر!" یہ آواز خوفزدہ تھی۔

"کیا خوفزدہ ہو اختر!" کرش نے حیرت سے پکارا۔

"نہیں اختر کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔" میں تو خوب مزے کر رہا ہوں بلکہ یہ سمجھو کہ تفریح کر رہا ہوں۔ لعنت ہو اس دن پر جب میں نے یہ جہاز دیکھا تھا۔"

اسی لمحے نوید نے لقمہ دیا۔ "لڑکے کی فکر کریں جناب! وہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

"انوار موجود ہے۔ شہروز نے نوید کو تسلی دی۔ وہ کپتان کے ساتھ ہے۔ اس نے وہاں دیکھا جہاں اختر کھڑا تھا۔ غالباً اختر کے اندر کا خوف دوسروں کو بھی متاثر کر سکتا تھا۔ لہٰذا اختر کے چند ایسے جملے کہنے کا فیصلہ کیا جو اپنی نوعیت سے دوسروں کو ہنسا سکتے تھے۔ لیکن اس سے قبل ہی کپتان نے اسے آواز سنائی دی۔" میں یہاں موجود ہوں۔"

"کہاں ہو؟"

"یہاں۔"

"تم ٹھیک ہو؟"

"تقریباً۔" اس کی آواز میں نقاہت تھی۔

"ٹھیک ہے جہاں ہو وہیں رہو۔ جب تک میں نہ آ جاؤں کہیں مت جانا۔" یہ کہہ کر اس نے اور زیادہ اونچی آواز میں پکارا۔

"تسنیم!"

لیکن پھر خود ہی اس کا دل بیٹھ گیا۔ اس نے ہونٹ چبا ڈالے۔ وہ خود کو دل ہی دل میں کوسنے لگا۔ تسنیم کو پکار کر زخم ہرے کر دیئے تھے۔ اس لمحے جہاز بھی تھرتھرانے لگا۔ کچھ ایسا لگا جیسے تسنیم شاہ کی موت پر وہ بھی ماتم کر رہا ہو۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ لیکن چند لمحوں بعد جمیل کی ایک متجسس چیخ نے اس کی خاموشی کو توڑا۔ اس چیخ میں تجسس کے ساتھ ساتھ غصہ اور حیرت بھی تھی۔ "ادھر...... ادھر...... دیکھو...... وہ چلایا۔ "دیکھو...... دیکھو صبح ہو رہی ہے۔"

وہ سب کے سب مشرق کی سمت میں دیکھنے لگے جہاں افق پر بہت ہی روشنی پیدا ہو چکی تھی۔ اسکائی لارک کے ملاحوں کیلئے یہ سب سے حسین صبح تھی جو ان کانپتے ہوئے خوفزدہ، دلگیر اور اداس لوگوں کو امید کی ایک نئی روشنی دکھا رہی تھی۔

جمیل مسلسل کچھ کہے جا رہا تھا۔ "دن نکلنے والا ہے...... لعنتی دن...... تم بہت دیر میں نکل رہے ہو اگر جلدی نکل آتے تو تمہارا کیا بگڑتا۔

پھر وہ سب خاموش کھڑے رہے۔ جمیل جذباتی کیفیت میں تھا لہٰذا کپتان خود آگے بڑھا اور اس نے جمیل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"یہ تم ہی ہو نا جمیل!؟" کپتان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"یس سر!" جمیل جذباتی کیفیت سے فوراً ہی نکل آیا۔ اس نے شہروز کو بھی دیکھا اور ان دونوں کے عکس کھڑے ہوئے پانی میں جھلملاتے ہوئے نظر آنے لگے۔

"ہاں...... جمیل!...... تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم ابھی زندہ ہیں۔ ہماری طاقتور سانسیں ہمارے جسموں سے جدا نہیں ہوئی ہیں۔ ہم طوفانوں کے پالے ہیں اور طوفانوں سے سرخرو ہو کر نکلنا ہمارا مقصد ہے۔"

کپتان منوچہر کی آواز اونچی ہونے لگی۔ دراصل وہ سب ہی کو حوصلے کی تلقین کرنا چاہتا تھا۔ "اس بحران سے بھی ہم ضرور نکل جائیں گے۔ لانچ موجود ہے۔ اور ابھی تک جہاز سے بندھی ہوئی ہے' کیوں نبی بخش! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟"

"جی جناب! لانچ ابھی تک موجود ہے۔" نبی بخش نے جواب دیا۔

"تب پھر ہم ختم نہیں ہوں گے۔" منوچہر نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔ اُسے اپنی

آواز بلند رکھنے اور جذبات پر قابو پانے میں بہت دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی آواز کی تھرتھراہٹ دوسرے بھی محسوس کریں "یا تمہیں یاد نہیں بعض دوسرے ملاحوں نے اس سے بھی خوفناک بحرانوں پر قابو پایا ہے...... اب......" وہ شہروز کی طرف پلٹا۔" ہم اس جہاز کو چھوڑ دیں گے۔ لانچ دیکھو لڑکو!...... شاہ ور۔"

لیکن اس سے قبل کہ شاہ ور کچھ کہتا۔ نوید چند قدم آگے آیا۔ "کیپٹن منوچہر میں آپ کے لئے نیک تمناؤں اور خوشیوں کی دعا کرتا ہوں۔"

شہروز کو تو یوں لگا جیسے نوید ہوش و حواس کھو چکا ہو۔ لیکن بہرحال نوید کے چوڑے چہرے پر وہی شوخی تھی۔ اس کی داڑھی بے ہنگم ضرور تھی۔ لیکن آنکھوں میں کسی قسم کی دیوانگی نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر معاً ہی شہروز سب کچھ سمجھ گیا۔ وہ کپتان کی طرف پلٹا جو اس طرح نوید کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اُس نے اسے بہت دُکھ پہنچایا ہو۔ "سر" کسی ناخوشگوار صورتحال کو ٹالنے کیلئے شہروز نے کہا۔ "آج سال نو کا پہلا دن ہے جناب!"

شہروز کی اس وضاحت پر کپتان منوچہر کے ماتھے کی سلوٹیں مٹ گئیں اور وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔ "اوہ...... شکریہ نوید...... شکریہ۔ بات سالِ نو ہی کی نہیں۔ نئی صدی کا آغاز میرے ہاتھوں جہاز کی بربادی دیکھ رہا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ شہروز کی طرف پلٹا۔ "اب ہمارے پاس مناسب وقت ہے۔ شہروز! جہاز غالباً کافی دیر تک اسی طرح ساکت پڑا رہے گا۔ تیاریاں کرو...... تمام لوگوں کو اطلاع کردو۔"

شہروز نے پُرتشویش نظروں سے کپتان کی طرف دیکھا۔

"تم میری فکر مت کرو شہروز پیشانی کا یہ زخم بہت معمولی ہے کچھ دیر بعد ٹھیک ہو جائے گا۔" جہاندیدہ کپتان اس کی تشویش سمجھ گیا تھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں دونوں کی آنکھیں تھکی ہوئی اور بجھی ہوئی تھیں۔ شہروز کچھ نہ بولا۔ کسی کپتان کے لئے جہاز چھوڑنا وطن چھوڑنے کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کا اُسے بخوبی علم تھا لیکن وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں منوچہر کے ماتھے کی چوٹ آگے چل کر خطرناک نہ ہو جائے۔

نیا دن اس طرح طلوع ہوا جیسے کسی نے سُورج کو رسیوں سے باندھ کر اُوپر کھینچ لیا

ہو۔ انہیں علم تھا کہ سورج جلد ہی جہاز کے عین اُوپر پہنچ کر آگ برسانے لگے گا۔

وہ لانچ پر سوار ہونے لگے۔ وہ بھاری دل کے ساتھ جہاز چھوڑ رہے تھے۔ نئی صدی کے پہلے دن نے منوچہر، شہروز اور حشمت کو ایک بہت چھوٹے سے ٹاپو پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ یہ ٹاپو کسی بڑے پتھر سے کچھ ہی بڑا تھا۔ یہاں ناریل کے درخت تھے جو ہوا میں جھول رہے تھے یا پھر جلی ہوئی سوکھی گھاس تھی۔ اس ٹاپو کے قریب مغرب میں ایک بڑا جزیرہ نظر آ رہا تھا۔ شمال میں ایک ساحلی جھیل تھی۔

وہ مسلح تھے۔ منوچہر کی آنکھوں پر دوربین بھی لگی ہوئی تھی۔ اور وہ دوسرے جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کے سر پر ہیٹ نہ تھا۔ جس کی وجہ سے زخم پر جما ہوا خون صاف نظر آ رہا تھا۔ سمندری ہوا کے باعث اُس کے بھورے بال اُڑ رہے تھے۔ وہ اچانک دوربین ہٹا کر شہروز کی طرف پلٹا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں نے دُھواں دیکھا ہے۔ شہروز!'' اُس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''لائیے۔ میں دیکھوں۔'' شہروز نے دوربین لے لی۔ آنکھوں سے شیشے لگا لینے کے بعد اُس نے پورے جزیرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ یہاں سرسبز ڈھلانیں بھی تھیں۔ اور تاریک وادیاں بھی۔ شہروز کا قد منوچہر کے قد سے کچھ کم تھا۔ لیکن منوچہر کے برعکس وہ چوڑا اور طاقتور تھا۔ تیس سالہ اس شخص کی جلد سمندروں کی آب و ہوا کے باعث متاثر ہوئی تھی۔ اور اس کی رنگت بدل گئی تھی۔ اُس نے جہازوں کا سفر اس وقت اختیار کیا تھا۔ جب وہ محض بچہ تھا۔ منوچہر کی طرح وہ بھی پتلون پہنے ہوئے تھا۔ لیکن منوچہر نے ایک غیر ملکی موٹی قمیص بھی پہن رکھی تھی۔ ساتھ ہی جیکٹ بھی تھی۔ جس کے بٹن پیتل کے بنے ہوئے تھے۔ جبکہ شہروز ایک ہلکی سی قمیص میں تھا۔ جس کی آستین اُس نے چڑھا رکھی تھی۔ اُس نے دورانِ سفر چین سے جونکوں کا ہیٹ خریدا تھا وہ اُس وقت بھی اُس کے سر پر تھا۔

دوربین سے دیکھتے ہوئے اس نے اندازہ لگایا کہ یہ جزیرہ تین میل لمبا اور تقریباً ڈیڑھ میل چوڑا ہے۔ زمین کا بیشتر حصہ گھنی جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ جزیرہ کے مشرقی حصے میں گھاٹیاں ہیں۔ آبنائے بھی نظر آ رہی ہیں۔ جن میں سمندر دوڑ رہا ہے۔ اِس مقام پر درجنوں چھوٹے ٹاپو اُبھرے ہوئے ہیں۔ جو جھیل میں بھی نظر آ رہے تھے۔ چونے کے پتھر بھی

نظر آ رہے ہیں۔ جن کو سمندری موجوں اور ہوا نے کاٹ کاٹ کر عجیب و غریب شکلیں دے دی ہیں۔

شہروز کو علاقہ بظاہر بے آباد نظر آیا اور پہلی بار اسے بے بسی کا احساس ہوا۔

''اگرچہ وہاں زندگی کی کوئی علامت نہیں۔ لیکن پھر بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا' سر!'' اس نے دوربین ہٹا کر کہا۔

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔'' منوچہر نے کہا۔ ''لیکن کیا تمہیں دھواں نظر نہیں آیا۔''

''نہیں جناب۔'' شہروز نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

''لیکن میں نے دیکھا تھا۔''

''میں آپ کی بات پر شبہ نہیں کر رہا ہوں جناب!'' شہروز نے جواب دیا۔ ''لیکن مجھے اُس انگریز ملاح کا واقعہ یاد آ گیا ہے جو ایسے ہی جزائر میں بارہ' تیرہ سال تک گھومتا رہا۔''

''اور وہ آدم خوروں کا شکار ہو گیا تھا۔'' منوچہر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔''

''لیکن وہ تو یہاں سے دُور مغرب کے واقعات بتاتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہی وہ جزائر ہیں۔ نقشے پر ترمذی کے قریب جن جزائر کی اُس نے نشاندہی کی ہے۔ وہ یہی ہیں۔''

''تب پھر تمہارا مقصد ہے کہ ہم یہاں سے نکل بھاگیں؟''

''میری تجویز یہ ہی ہے۔''

''جہاز چھوڑنے اور لانچ کے ذریعے سفر کرنے کے منصوبہ پر عملدرآمد کیسے ہوگا؟''

''جہاز چھوڑنے سے پہلے ہمیں اس کے سوا اور کوئی محفوظ علاقہ تلاش کرنا ہوگا۔''

''اور وہ علاقہ کون بتائے گا؟'' منوچہر کے لہجے سے اب چڑچڑاہٹ صاف ظاہر تھی۔

''آس پاس کوئی محفوظ علاقہ ضرور ہونا چاہئے جناب!'' شہروز نے جواب دیا۔

''ہمیں یہ تو علم ہے کہ یہ جزائر یہاں سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ یہاں ایسے جزائر ضرور ہوں گے جو انڈینز سے پاک ہوں۔ ہماری لانچ بہت مضبوط ہے۔ اور اس میں پینے کا پانی بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ لہٰذا ہم ایسے جزائر کی تلاش کرسکتے ہیں۔''

''کیا تمہیں یہ اندازہ ہے کہ یہاں سے پورٹ نیکس تک کا فاصلہ پانچ سوناٹ سے زیادہ ہے؟''

''جی ہاں مجھے اندازہ ہے۔''

''اور ان سمندروں میں آج بھی طوفانی کیفیت ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' شہروز نے بوڑھے زخمی کپتان کے لہجے کی سختی کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب حال ہی میں ہم جس طوفان سے گزرے ہیں۔ اس کو تو کوئی بھی فراموش نہیں کرسکے گا۔ لیکن پھر بھی یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم کھاڑیوں میں پھنس گئے۔''

''جہاز رانی میں ہم سے بھی زیادہ بدقسمت لوگ موجود ہیں۔ شہروز!'' منوچہر نے چڑ کر کہا۔ ''ذرا سوچو کہ اگر ہم کسی لانچ میں ہوتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا؟

پورٹ نیکسن تک کا سفر بہت خطرناک ہوگا اور پھر ...... پھر ...... سامنے والے جزیرے میں پانی بھی موجود ہے۔ زمین گیلی نظر آ رہی ہے۔

''جی ہاں۔ بظاہر ایسا لگ رہا ہے جیسے وہاں وافر مقدار میں پانی موجود ہے۔'' شہروز نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''ٹھیک۔'' اور ہم جہاز کے عرشے سے اس ٹاپو تک اس لئے آئے ہیں کہ یہاں سے حالات کا جائزہ لے کر درست فیصلہ کریں۔'' کپتان نے کہا۔ ''اب دو راہیں ہیں پہلا راستہ یہ کہ لانچ کو ڈیک کردیں اور دوسرا یہ کہ ایسی کوئی جگہ تلاش کی جائے جہاں پانی کے اپنے ذخیرے کو کام میں لائے بغیر جہاز کی مرمت کی جاسکے۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ پانی میٹھا ہوگا وہاں انڈینز ضرور ہوں گے۔'' شہروز نے کہا۔

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارے دشمن بن جائیں۔''

''وہ ہمارے دوست بھی بن سکتے ہیں۔ اور ہمیں ان سے بے اندازہ مدد مل سکتی

ہے۔ وہ ہمیں کھانا' پانی فراہم کریں گے اور پھر جب ہم روانہ ہوں گے تو ہمارے غذائی اور آبی ذخائر جوں کے توں موجود ہوں گے۔''

''آپ نے دھوئیں کا ذکر کیا تھا ناں؟'' شہروز نے پوچھا۔

''ہاں۔'' منوچہر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''تب پھر یہ یقین کریں کہ وہ جنگلی ہیں۔''

''لیکن اس منحوس جگہ پر قیام کا انتخاب میں نے تو نہیں کیا ہے۔'' کپتان کو اب واقعی غصہ آنے لگا تھا۔

''خدانخواستہ اگر ہمارا جہاز ضائع ہوچکا ہوتا تو ہم بھی ڈوب چکے ہوتے یا پھر ڈبکیاں لگا رہے ہوتے۔ اب کم از کم ہم زندہ تو ہیں۔ زیادہ تر لوگ زندہ ہیں۔''

اسی لمحے انہوں نے حشمت کا ہنکارا سنا۔ وہ جزیرے کی طرف پیٹھ کرکے شمال میں اپنے جہاز کی سمت دیکھ رہا تھا۔ دور سے یہ جہاز ایسا خوبصورت کھلونا دکھائی دے رہا تھا جسے کسی شریر بچے نے توڑ پھوڑ دیا ہو۔ اس کی بری حالت تھی۔ عرشے پر تباہی نظر آ رہی تھی اور جہاز سے اس کی زنجیریں' رسیاں اور ایسا ہی دوسرا سامان سمندر میں جھول رہا تھا۔ سمندر میں بھی جہاز کا سامان تیر رہا تھا۔ ''جہاز حرکت کررہا ہے کیپٹن۔'' حشمت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ اس لمحے ایک طوفانی لہر نے جہاز پر ایک مرتبہ پھر چھاپہ مارا اور اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ اس مرتبہ سٹار بورڈ سفید جھاگوں میں چھپ گیا۔

''یہ زیادہ دیر تک اپنی جگہ پر قائم نہیں رہے گا۔'' حشمت نے اپنی رائے دی اور منوچہر نے اپنے ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف رخ کرلیا۔ وہ اپنے پیارے جہاز کو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔



یہ جہاز جس کا نام منوچہر نے خود اسکائی لارک رکھا تھا۔ اس کی اپنی نظروں کے سامنے بنا تھا۔ اس نے لکڑیوں کو کٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور پھر ان کٹی ہوئی لکڑیوں کو جہاز کی شکل اختیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جہاز سازی کے دوران اس نے اپنی نیندیں اور دن کا آرام حرام کرلیا تھا۔ اب اس محبوب کا خاتمہ قریب تھا۔

منوچہر نے جانے کیا سوچ کر سر ہلایا۔ پھر شہروز کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں میٹھے پانی کی ضرورت کا احساس تو اور زیادہ ہوگیا ہوگا۔ شہروز۔''

''جی ہاں۔'' لیکن ابھی ہمیں پانی کی ضرورت زیادہ نہیں۔ ہم لانچ پر کام کرسکتے ہیں۔ جب لانچ سمندر میں سفر کے قابل ہوجائے گی تو ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔ اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرلیں گے جہاں نہ صرف خطرہ نہ ہو بلکہ پانی بھی دستیاب ہو۔''

''لیکن لانچ میں سفر کے دوران جنگلیوں کے حملے کا خطرہ تو رہے گا ناں؟''

''ہم مسلح ہیں۔ بارود ہمارے پاس ہے۔ ہم اپنا دفاع کرسکیں گے۔''

''تمہارے پاس بظاہر ہر اعتراض کا جواب موجود ہے۔'' منوچہر نے چڑ کر کہا۔ اس مرحلے پر شہروز سمجھ گیا کہ کپتان اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرچکا ہے اور یہ کہ اب وہ اس فیصلے کو کبھی نہیں بھولے گا۔ وہ منوچہر کی حس سے واقف تھا۔ وہ خطروں سے کھیلنے والا اچھا کپتان ضرور تھا۔ لیکن اس میں ضد کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شہروز اس کے کارناموں کے بارے میں سوچتا رہا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کپتان نے حشمت سے کہا ''ہم اپنے آدمیوں کے پاس جارہے ہیں، حشمت! تم نگرانی کیلئے یہیں رہو۔'' حشمت مستعد ہوکر کھڑا ہوگیا۔

''اگر تمہیں جزیرے پر دھواں نظر آئے تو ان لوگوں پر کڑی نظر رکھنا جو گھومتے

پھرتے ہوئے ادھر آنکلیں۔ ہر قسم کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسی کسی بھی بات کی فوری اطلاع دینا۔ چلو شہروز۔''

یہ کہہ کر وہ تودے سے اتر گیا۔ شہروز بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اسے یہ حکم ماننا ہی تھا۔

حشمت کی آنکھیں چھوٹی مگر بہت تیز تھیں۔ دونوں جب ٹاپو سے چلے گئے تو وہ ایک سایہ دار جگہ پر بیٹھ گیا تاکہ نگرانی کا کام بہتر طور پر کرسکے۔ اب سورج بالکل اوپر آچکا تھا۔ اور اس کی روشنی میں صنوبر کے درخت بالکل سیدھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے ارادہ بدل دیا اور ان درختوں کے نیچے بیٹھ گیا۔

جزیرہ اب جھیل کے اٹھنے والی گرمی کے باعث تپ رہا تھا۔ جزیروں کے درمیان پانی ساکت اور روشنائی کی طرح نیلا نظر آرہا تھا۔ پانی پر جگہ جگہ زیادہ گہرے نیلے دھبے بھی نظر آرہے تھے جبکہ جھیل کے کناروں پر پرندے شکار کررہے تھے۔ وہ پانی میں غوطہ لگاتے اور پانی سے ابھرنے والی کسی چیز کو جھپٹ لیتے۔ پھر پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے بلند ہوجاتے۔ حشمت اس منظر میں گم ہوگیا اور پھر اسے اس چینی ریشم کا خیال آگیا جو اس نے چین سے اپنی بیوی فرحت کیلئے خریدا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس مرتبہ بچ نکلا اور فرحت تک پہنچ گیا۔ تو وہ اس دنیا کا سب سے خوش قسمت شخص ہوگا۔ اسے یقین تھا کہ شہروز کی یہ رائے درست ہے کہ یہاں آس پاس آدم خوروں کے جزیرے ہیں۔ لیکن کپتان کے سامنے وہ شہروز کی ہاں میں ہاں نہیں ملا سکتا تھا۔

اس نے صنوبر کے ایک درخت سے ٹیک لگالی اور اسی لمحے وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس کی نظر معاً فیروزہ نامی ایک کشتی پر پڑی۔ وہ بہت زور سے چلایا۔ ''کپتان! کشتی! ...... جنگلی کشتی ...... کپتا...... آ...... آ...... ن!''

منوچہر اور شہروز آدھے راستے پر ہی تھے کہ انہوں نے حشمت کی پکار سنی اور پلٹ کر ٹاپو کی طرف دیکھنے لگے ...... اور پھر اس کی طرف دوڑ لگادی۔ سب سے پہلے شہروز ہی اس تک پہنچا تھا۔ حشمت نے کسی سوال کا انتظار کئے بغیر وضاحت شروع کردی۔ ''میں یہاں۔''

اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔ ''بیٹھا ہوا تھا کہ اس پر نظر پڑی ...... دیکھیں۔'' اس نے کشتی کی سمت اشارہ کیا۔

کشتی سبز پانیوں میں کھڑی تھی۔ جو جزیرے کے جنوبی سرے سے تیزی کے ساتھ فیروزہ کی پہاڑیوں کی طرف بہہ رہا تھا۔ یہ ساٹھ فٹ لمبی کشتی تھی۔ اس کے دونوں سرے پلیٹ فارم سے منسلک ہیں۔ جس پر یقیناً لوگ بیٹھے ہوں گے اور ایک سرے پر بادبان لگا ہوا تھا۔

''اور جناب دھواں بھی نظر آیا تھا۔'' حشمت کہتا رہا۔ شہروز وہاں پہنچ چکا تھا۔ ''ادھر وادی میں سے میرا خیال ہے دشمن ایک دوسرے کو پیغام دے رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ دھوئیں کے ذریعے پیغامات کا تبادلہ کرتے ہیں۔

شہروز نے وادی کی طرف دیکھا۔ ''ممکن ہے وہ کھانا پکا رہے ہوں۔'' اس نے حشمت کی تردید براہ راست نہ کی۔

''تب پھر وہ آدم خور ہیں جناب! کسی انسان کو پکار رہے ہیں'' مارے خوف کے حشمت چلا اٹھا۔ ''یہاں سے نکل چلیں جناب! ابھی موقع ہے۔ یہ کہہ کہ وہ وحشت بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''تمہارا کیا خیال ہے شہروز؟'' منوچہر نے حشمت سے نظریں ہٹا کر شہروز سے پوچھا۔ شہروز ٹیلی سکوپ آنکھوں سے لگائے ہوئے تھا۔

''اس کشتی پر پچاس ساٹھ دشمن کے آدمی نظر آرہے ہیں جناب!'' اس نے انکشاف کیا۔ ''پوری طرح مسلح ہیں۔ یہ جنگی دستہ ہے۔ اس کے سوا کچھ اور نہیں۔''

تب پھر انہوں نے جہاز دیکھ لیا ہے۔'' منوچہر کا لہجہ اس بار دھیما تھا جبکہ حشمت پھٹی پھٹی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ کپتان نے دوربین خود لے لی۔

دوربین دور کا منظر قریب لے آئی۔ منوچہر نے بھی ان مسلح افراد کو دیکھا جو چاقوؤں اور خنجروں سے آراستہ تھے جبکہ کشتی کے عرشے پر ہتھیاروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کشتی کا بادبان کسی سخت اور بھوری چیز سے بنایا گیا تھا۔

''اس کشتی کو چلانا بڑی مہارت کا متقاضی ہے۔ شہروز!'' منوچہر نے کہا۔

''جی ہاں لیکن جب یہ پوری رفتار سے سمندر میں چلے گی تو شاید جہاز تک کو پیچھے

چھوڑ جائے گی۔''

''ہاں ایک اور بات بہت واضح ہے کہ اس کشتی سے بچ کر لانچ میں بھاگنا ممکن نہیں۔''

''ابھی اتنا وقت ہے کہ ہم یہاں سے لانچ میں نکل جائیں۔ انہیں اپنی کشتی گہرے پانی میں لانے میں کافی وقت لگ جائے گا اور ہم اس مہلت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

''نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حملے کو دعوت دینا ہوگا۔'' منوچہر نے ایک بار پھر شہروز سے اتفاق نہیں کیا۔ ''ہمیں پتہ نہیں کہ ان کے پاس کس قسم کے ہتھیار ہیں؟''

''ان کے ہتھیار جہنم میں گئے۔'' شہروز نے پہلی مرتبہ تلخ لہجے میں کہا۔ ''ہماری بقاء اپنے ہتھیار استعمال کرنے میں ہے۔ لیکن اگر وہ لڑنے کیلئے یہاں پہنچ ہی گئے ہیں تو پھر ہمیں کوئی راہ نہیں ملے گی۔''

''اگر ان سے لڑائی ہوئی تو ضروری نہیں کہ ہم ہار جائیں۔'' منوچہر نے کہا۔ سمندر میں تو ہم انہیں ہرا ہی سکتے ہیں۔''

''خدا کے واسطے منوچہر!'' شہروز نے کچھ کہنا چاہا لیکن منوچہر نے اسے خاموش رہنے کو کہا۔ وہ کشتی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ لیکن شہروز کو یقین تھا کہ وہ غلطی کر رہا ہے لیکن وہ اس فیصلے کو تبدیل نہیں کرا سکتا تھا۔ اس کی نظریں کشتی پر تھیں اور شہروز پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ انگریز سیاح نے لکھا تھا کہ ان جزائر کے باسی جارح اور غیر دوستانہ انداز رکھتے ہیں۔''

منوچہر نے دوربین ہٹا کر شہروز کو دیکھا۔ ''نہیں شہروز!'' اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ ''ہم یہیں ٹھہریں گے۔ مجھے امید ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے درمیان ہوں گے جو ہمیں مدد فراہم کر سکیں۔ پھر زیادہ کشش اس میٹھے پانی میں ہے جو جزیرے پر موجود ہے۔'' یہ کہہ کر وہ حشمت کی طرف پلٹا۔ ''تم یہیں ٹھہرو...... لڑکے!'' جب یہ کشتی اس مقام تک پہنچے۔'' اس نے ہاتھ سے اس راس کی طرف اشارہ کیا اس جگہ تو بندوق سے ہوا میں فائر کر کے ہمیں خبردار کر دینا۔ خبردار! گولی ہوا میں چلانا ورنہ مسئلہ بن جائے گا۔

''بہت بہتر جناب!'' حشمت نے کہا۔''کیا اس کے بعد میں واپس چلا آؤں؟''

''بالکل۔'' منوچہر نے جواب دیا۔''کیونکہ اگر شہروز کے خدشات درست نکلے تو پھر ہمیں ہر ہاتھ میں بندوق کی ضرورت ہوگی۔

منوچہر کا لہجہ ایسا ہی تھا کہ شہروز کو غصہ آنے لگا جو کپتان کو پسند اور اس کا احترام کرتا تھا۔

''میں تمہیں ایک بات بتاؤں شہروز!'' کپتان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کیلئے دو طریقے نہیں ہوتے۔ تم یا تو غلط ہو سکتے ہو یا درست۔ اگر تم غلط ہو تو خود کو صحیح نہیں کہہ سکتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں غلطی پر نہیں ہوں۔ ویسے یہ ایک جواء ہے جو کوئی بھی جیت سکتا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ اس جوئے میں تم میرے ساتھ ہو۔''

''میں اپنے اشتعال پر معذرت خواہ ہوں جناب!'' شہروز کا لہجہ بہت نرم تھا۔

''نہیں معذرت کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایسے لوگوں سے محبت ہے جو کھل کر بات کرتے ہیں۔ چلو اب لڑکوں تک چلتے ہیں۔''

شہروز نے محسوس کیا کہ چلتے ہوئے کپتان کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔

اسکائی لارک کا عملہ جس جگہ پر اترا تھا اسے تنگ ساحل کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہاں نصف چاند کی شکل میں ریت کی کھائیاں تھیں جبکہ اوپری پہاڑی غاروں کے ساتھ ساتھ صنوبر اور ناریل کے درختوں کی قطاریں سی تھیں۔

جب وہ اتر رہے تھے تو منوچہر شہروز کو اپنا پروگرام بتا رہا تھا۔ اور شہروز کو احساس تھا کہ اگر کسی منصوبے میں کامیابی کی ذرا سی بھی توقع ہے تو وہ یہی منصوبہ ہے۔ ویسے وہ اپنے طور پر ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کیلئے تیار تھا۔ تاہم اس صورتحال پر اسے اطمینان تھا۔ اسے گھر کی طرف سے فکر نہ تھا۔ وہ اپنے شہر میں ایک چلتے ہوئے پھلتے پھولتے کاروبار کا مالک تھا۔ اور اس نے دوسری جہاز رانی کمپنیوں سے ملنے والی بہترین پیشکشوں کے باوجود منوچہر کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ خود منوچہر کو بھی اس پر اندھا دھند اعتماد تھا۔ منوچہر نے شادی نہیں

کی تھی وہ اپنے والد کے مکان میں رہتا تھا۔

شہروز کو اگر فکر تھی تو صرف اس نئے خوف کی جو یہاں اترنے کے بعد اس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگا تھا۔

''اس نے شاہ ور کی طرف دیکھا۔ عملے میں نوید کے سوا کوئی بھی شاہ ور کی طرح تنومند نہیں تھا۔ دونوں کی بھرپور داڑھیاں تھیں لیکن فرق صرف یہ تھا کہ جہاں نوید سے ہر شخص محبت کرتا تھا وہیں لوگ بالعموم شاہ ور کی تعریف نہیں کرتے تھے۔ وہ الگ تھلگ رہتا تھا۔ شاہ ور کے بارے میں منوچہر کا خیال یہ تھا کہ وہ شیطان کی طرح خاموش رہتا ہے۔ اگر اس کے سامنے عورت آ جائے تو اس کی زبان قینچی کی طرح چل پڑے گی۔ ویسے اگر میری رائے چاہتے ہو تو وہ یہ ہے کہ میں اس شخص کو دشمن کے بجائے دوست بنا کر رکھنا پسند کروں گا۔

شہروز نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ طوفان کے بعد شاہ ور اور زیادہ خاموش رہنے لگا ہے۔ اس نے خاموشی سے اپنا کام زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے کر منوچہر سے شکریہ وصول کیا تھا۔ خود شہروز نے بھی اس کے کام کی تعریف کی تھی۔

نبی بخش کی آواز سن کر شہروز کی توجہ شاہ ور کی طرف سے ہٹ گئی۔ اس وقت منوچہر ایک ریشمی رومال سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ اور اس کی پیشانی سے تازہ خون نکل رہا تھا۔''یہاں آپ کیلئے بہت زیادہ گرمی ہے جناب۔'' نبی بخش نے کہا۔

''ہاں گرمی تو ہوگی نبی بخش!'' منوچہر نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور رومال جیب میں رکھ لیا اور عملے کے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔''ہم اس حقیقت سے لاتعلق نہیں رہ سکتے کہ ہم نے راستے میں ایک جنگی کشتی دیکھی ہے جس پر پچاس سے زیادہ جنگجو سوار ہیں۔''

اس اعلان پر دو تین کے سوا کسی نے بے چینی کا اظہار نہیں کیا۔ سکندر خان غالباً ان سب سے یادہ خوفزدہ تھا۔ شاہ ور نے جواب تک پانیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اپنا رخ کپتان کی طرف کر لیا۔

''میں نے ایک منصوبہ بنایا ہے۔'' منوچہر نے کہا''ہم یہیں اس کشتی کا انتظار کریں گے۔ یہ کہہ کر اس نے ردعمل معلوم کرنے کی خاطر لوگوں کی طرف دیکھا۔ صرف سکندر خان کی

آواز سنائی دی جو مشورہ دینے کے بجائے دعائیں مانگ رہا تھا۔ ''لیکن ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کشتی سواروں کا رویہ کیسا ہوگا۔'' کپتان نے اپنی بات جاری رکھی۔'' وہ دوستانہ رویہ بھی رکھ سکتے ہیں اور مزاحمانہ بھی اگر ان کا رویہ دوستانہ ہوا تو ہمیں ان سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔''

''ذرا خاموش تو رہو۔'' رمضو نے سکندر خان سے کہا۔ ''تمہاری آواز کے باعث کپتان کی آواز صاف طور پر سنائی نہیں دے رہی ہے۔''

اس طرح ٹوکے جانے پر سکندر خان کی آواز بند ہوگئی لیکن شہروز دیکھ رہا تھا کہ اس کے ہونٹ مسلسل ہلے جارہے تھے۔

''اس پہاڑی پر دفاع کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔'' منوچہر نے کہا۔ ''میری دعا ہے کہ ہمیں کسی لڑائی بھڑائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن بہرحال ہمیں اس کیلئے تیار رہنا ہوگا۔

''لانچ کا کیا ہوگا؟'' شاہ ور نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''میں بھی اسی طرف آرہا تھا۔'' کپتان نے جواب دیا۔ ''ہم اسے یہاں سے کہیں قریب لنگر انداز کردیں گے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس تک پہنچ سکیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لڑائی کی تیاریاں کررہے ہیں۔ ویسے اگر لڑائی کی نوبت آ بھی جائے تو دماغ پر قابو رکھنا۔ ہمارے پاس اسلحہ اور بارود کی کمی نہیں۔ لیکن اس کا استعمال بہت احتیاط سے کرنا ہوگا۔ گولی چلاؤ تو پھر مارنے کیلئے چلاؤ گے۔''

عملہ یہ تقریر بغور سن رہا تھا۔

منوچہر' شاہ ور کی طرف پلٹا۔ ''ٹھیک ہے۔ اب تم لانچ کو لنگر انداز کرادو۔ تمہیں تین افراد کی ضرورت ہوگی۔ اسے ساحل سے اتنی دور لنگر انداز کرنا کہ ایک تار ساحل پر بھی رہے اور ہاں شہروز! تمہارے آدمیوں میں بہترین نشانہ باز کون ہے۔؟ نوید!''

''لیس سر!''

نوید مسکرانے لگا۔ اس کے سفید دانت چمکنے لگے۔ اس وقت شہروز کو کسی بحری قزاق کی تصویر یاد آگئی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ نوید بحری قزاق نہیں بلکہ بہترین ملاح ہے۔ ٹھنڈے

دماغ کا مالک ہے۔

''لیکن خیال رکھنا نوید!'' کپتان نے اسے بغور دیکھا۔ ''جب تک حکم نہ ملے فائرنگ نہ کرنا۔''

''لیس سر!'' نوید بہت خوش نظر آرہا تھا۔

''شاہ ور!'' کپتان پھر پلٹا۔ ''اسے علی رضا کو دے دو اور تم شمشاد...... تم بھی علی رضا......'' اگر لڑائی کا وقت آئے تو اوسان خطا مت ہونے دینا۔ نوید بندوق دے تو اسے صاف کرکے راستے سے ہٹ جانا تاکہ شمشاد بندوق پھر بھر سکے۔ منوچہر نے پلٹ کر شاہ ور کو دیکھا۔ ''اب تم جاؤ اور جیسے ہی لانچ کا انتظام کردو واپس چلے آنا۔''

شاہ ور نے کچھ نہ کہا۔ بس سمندر کی طرف بڑھ گیا۔ اب نوید' علی رضا اور شمشاد اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

''یہ جمیل! کہاں ہے؟'' منوچہر نے پوچھا۔

''چھوٹی کھاڑی کے پاس جناب!'' نبی بخش نے جواب دیا'' میں نے اس سے کہا کہ......''

''اور انوار!؟''

''وہ جمیل کے ساتھ ہے۔''

''شہروز دونوں کو واپس بلالو۔ انہیں بھی کام سونپا ہے۔''

شہروز اسہال کے شکار جمیل تک پہنچا تو وہ ایک پہاڑی کے سائے میں لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں جبکہ انوار اس کے سر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔

جمیل نے اس کا سایہ محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں۔'' ارے شہروز صاحب!......'' اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''کیا حال ہے تمہارا؟''

''زیادہ بہتر نہیں لیکن پھر بھی چل پھر سکتا ہوں۔'' جمیل نے جواب دیا۔

''گولی چلا سکتے ہو؟''

"پتا نہیں۔" اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"کیا لڑائی کا موقع آسکتا ہے جناب!" انوار نے پوچھا۔

"ہاں اسی سمت ایک جنگی کشتی آتی ہوئی دیکھی گئی ہے جس پر کچھ لوگ سوار ہیں۔" شہروز نے جواب دیا۔

"اللہ ہماری حفاظت کرے۔" جمیل نے کہا۔

"ہاں' لیکن ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتے۔" شہروز نے جواب دیا "کھڑے ہو جاؤ۔ ہمارے پاس ضائع کرنے کیلئے وقت نہیں ہے۔ چل سکتے ہو ناں؟

"جی ہاں مگر یہ بادبان؟" جمیل کا اشارہ اس بادبان کی طرف تھا جس کی دیکھ بھال وہ کررہا تھا۔"

"اوہ ہاں انوار تم جاؤ اور کپتان سے کہو کہ شہروز جمیل کو لے کر آرہا ہے۔ لیکن بادبان لے جانے کیلئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ یہ سنتے ہی انوار دوڑ گیا لیکن جمیل اب بھی نہیں اٹھا۔

"کیا بات ہے جمیل؟ تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو۔" شہروز نے اس کی آنکھیں پڑھ لیں۔

"جی ہاں لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ کس طرح کہوں؟ یہ میرا مسئلہ نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی تم لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا اور میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہ علم ہو جائے کہ یہاں آپ کا ایک دشمن بھی ہے۔"

"تمہاری مراد شاہ ور سے ہے؟"

"جی ہاں۔" جمیل نے اپنی اجاڑ آنکھیں شہروز پر گاڑ دیں۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"کیا اس نے کچھ کہا تھا؟"

"جی ہاں۔ شاید آپ کو وہ گفتگو یاد ہو جو جہاز چھوڑتے ہوئے آپ دونوں کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے کہا تھا کہ اس قاتل کپتان اور اس کے نااہل ساتھی شہروز کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہمیں جنگلیوں کے سامنے ڈال دے۔"

"یہ کس نے سنا تھا؟"

"انوار! نوید! علی رضا! اور شاید کرش! نے بھی۔"

"اور کچھ کہا تھا۔ شاہ ور! نے؟"

"نہیں پھر جب شاہ ور صاحب چلا گیا تو نوید نے کہا کہ ایک ملاح کیلئے ایسی باتیں مناسب نہیں۔ لڑکے شاہ ور صاحب کے خلاف ہیں۔

مرحوم تسنیم کہتا تھا کہ جانے کیوں کسی نے ابھی تک شاہ ور کو سمندر میں اٹھا کر نہیں پھینک دیا۔ لیکن میں بتاؤں جناب! شاہ ور صاحب بہت سخت آدمی ہے' بہت سخت۔" یہ کہہ کر جمیل ہانپنے لگا۔ کیونکہ نقاہت، کے باوجود اتنی لمبی تقریر کرنے سے اس کی حالت غیر ہوگئی تھی۔

"یہ بات تم اپنے تک رکھنا جمیل!" شہروز نے اس سے کہا۔

"میں یہ راز قبر تک ساتھ لے جاؤں گا جناب!"

"نہیں مرنے کی باتیں نہ کرو۔" شہروز نے بڑی شفقت سے اسے تسلی دی۔ جب ہم پورٹ نیکسن پہنچیں گے تو تم ہمارے ساتھ ہوگے۔"

"آپ کی یہ ہی باتیں زندگی کا حوصلہ دیتی ہیں۔" جمیل بے بس انداز میں مسکرا کر بولا۔" لیکن میں پورٹ نیکسن تک سانسوں کا بوجھ برداشت نہیں کرسکوں گا۔ میں تو ختم ہو چکا ہوں جناب! تسنیم اور فرید کی طرح۔"

شہروز' شاہ ور اور اس کی کہی ہوئی بات اور اس کے مضمرات پر غور کرنے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ یہی باتیں جہازیوں کی بغاوت کو جنم دیتی ہیں۔ شاہ ور سے اس کی پہلے بھی منہ ماری ہو چکی تھی۔

"انوار' نبی بخش اور اختر کے ساتھ دوڑتا ہوا واپس آیا تو شہروز کو صرف یہ احساس تھا کہ شاہ ور اس سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے۔

پھر جونہی حشمت نے فائر کر کے انہیں خبردار کیا تو وہ ہوشیار ہوگئے۔ اس وقت سورج سوا نیزے پر تھا اور پہاڑیوں کے پیچھے کور لیتے ہوئے وہ سب پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔ یہاں خشک گھاس پر کیڑے مکوڑوں کی بہتات تھی اور منوچہر اور شہروز ایک ساتھ اور

دوسرے لوگوں کے وسط میں تھے۔ جو ڈھلان کے دونوں طرف پھیل گئے تھے۔ ان کے عقب میں جمیل اور انوار دونوں کے پاس پستول تھے۔ دوسری طرف شاہ ور اور ایک طرف رمضو تھا۔

''جو میں نے کہا اس پر عمل کرنا لڑکے۔'' شہروز نے انوار سے کہا۔ ''نیچے کی طرف گولی چلانا اور دستے کو زیادہ مضبوطی سے پکڑنا ورنہ نشانہ خطا ہو جائے گا۔''

''بہت بہتر جناب!'' انوار پوری طرح سمجھ چکا تھا۔

''اور اس وقت تک میرے ساتھ رہو جب تک میں تمہیں منع نہ کروں۔''

''بہت بہتر جناب!''

''خوفزدہ تو نہیں ہو لڑکے؟''

''ہرگز نہیں...... بالکل نہیں۔''

''ہاں ڈرنا مت انوار!۔ ہم جنگلیوں سے بھری ہوئی کسی بھی کشتی کا صفایا کر سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر شہروز پلٹا تو منوچہر سر ہلا رہا تھا۔ شہروز نے اس سے کچھ کہنا چاہا مگر پھر سوچ کر صرف سر کی خیریت ہی پوچھ کر رہ گیا۔

''ذرا سی غنودگی محسوس ہو رہی ہے بس۔'' منوچہر نے جواب دیا۔ ''بہت زور کی چوٹ لگی تھی لیکن ایک بات تو بتاؤ۔ نوید بلا اجازت فائر تو نہیں کر دے گا۔؟''

''نوید اور اس کے ساتھی لانچ پر مورچہ بند تھے۔''

''نہیں اس کے ساتھ شمشاد بھی ہے اور دونوں ٹھنڈے دماغ کے مالک ہیں۔''

''اس کے پاس فاضل بندوق ہے؟''

''جی ہاں! چھوٹی توپ بھی ہے۔''

''اور باقی اسلحہ شاہ ور کے پاس ہے؟''

''بالکل۔ اسی کے پاس ہے۔''

اتنا اسلحہ مقابلے کیلئے کافی ہے۔'' منوچہر نے کہا۔ ''اگر حملہ ہوا تو ہم نہتے نہیں ہوں گے۔''

''شہروز نے کچھ نہیں کہا جبکہ منوچہر نے رومال سے ایک بار پھر پسینہ پونچھا۔ شہروز

کی نظریں لانچ پر جمی ہوئی تھیں اور وہاں نوید گن کے پیچھے بیٹھا ہوا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی نظریں یقیناً اس مقام پر تھیں جہاں سے جنگلیوں کی کشتی نمودار ہو سکتی تھی۔

شہروز نے انوار کو جمیل سے کچھ کہتے ہوئے سنا اور پھر اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ وہ پکڑے گئے تو انوار کی موت کی ذمہ داری اس پر عائد ہو گی کیونکہ اس نے انوار کو جہاز پر ملاح کی حیثیت سے رکھا تھا۔



اچانک ہی جنگلیوں کی کشتی نمودار ہوئی تو وہ سب اپنی اپنی جگہ پر چوکس ہو کر بیٹھ گئے۔ ہتھیاروں پر پہنچ کر انگلیاں لبلبوں پر جم گئیں' آنکھیں سکڑ گئیں تا کہ تیز دھوپ میں وہ کشتیوں کو واضح طور پر دیکھ سکیں۔ انہوں نے جنگلیوں کی کشتی کی طرف حیرت سے دیکھا اور پھر اشارے شروع ہو گئے۔ جنگلی لانچ کی طرف اشارے کر کے پرجوش انداز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ ہر سر لانچ کی طرف گھوم گیا تھا۔

لیکن اسی لمحے کشتی ایک طرف بہہ گئی۔ پانی کا بہاؤ بہت زیادہ تھا۔ پھر اس کے بادبان اتر گئے' چپو حرکت میں آئے اور دھوپ میں چمکنے لگے ...... اور لانچ پر ...... نوید کے دانت چمکنے لگے اور وہ زبان اور دانتوں کی مدد سے سیٹی بجانے لگا۔

کشتی بہت آہستہ آہستہ مڑی اور نوید نے گن کی نال کا رخ اس کی طرف کر لیا۔

''خاتون' علی رضا'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔ ''ذرا دیکھو! اگر میں فائر کروں تو یہ جنگل کی آگ ثابت ہوگی۔''

جنگلیوں کی جسامت دیکھ کر ان سب ہی کو حیرت ہوئی تھی۔ جنگلی تقریباً ننگے تھے انہوں نے بھورے کپڑے کے لنگوٹ باندھ رکھے تھے۔ کشتی کے وسط میں ایسے افراد بیٹھے ہوئے تھے جو بظاہر سردار نظر آ رہے تھے۔ ان کی کمر تک وہ لنگوٹ نما کپڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ سب کے سب مختلف نوعیت کے نیکلس اور بازو بند پہنے ہوئے تھے۔ بعض نے اپنے جسم پر رنگ بھی کیا ہوا تھا۔ اور کئی نے سبز پتے بازوؤں پر باندھے ہوئے تھے۔ بعض کا جسم راکھ ملنے کی وجہ سے بھورا ہو رہا تھا لیکن ان میں سب سے اچھوتی بات ان کے بالوں کا انداز تھی۔ اور بیشتر کے بال وگوں سے بھی زیادہ گھنے اور سخت لگ رہے تھے' جو گنجے تھے ان کی چندیا بھی

چمک رہی تھی۔

ان لوگوں میں عجیب سی استقامت کی جھلک تھی۔ وہ پوری طرح مسلح تھے۔ کشتی کے عرشے پر ہتھیاروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا تو دوسری طرف نیزوں اور تیروں کی کھیپ پڑی ہوئی تھی۔

سرداروں سے ذرا ہٹ کر ایسا شخص بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی نہ صرف سب تعظیم کر رہے تھے بلکہ جو زیادہ سجا بنا ہوا بھی تھا۔ ایک نوجوان کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل تھی جو جنگجوؤں کے گھیرے میں آگے کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت چاقو نظر آ رہا تھا۔

ملاح یہ سب دیکھ کر حیرت زدہ بھی تھے اور ہوشیار بھی۔ شہروز نے منوچہر کی طرف دیکھا مگر کپتان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہ تھے۔ شہروز کو علم تھا کہ کپتان نے اگر اس وقت عملے کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی تو یہ کوشش لاحاصل ہوگی کیونکہ کپتان کا لہجہ اس کے لفظوں کا مظہر نہیں ہوگا۔

ملاح یہ سب دیکھ کر حیرت زدہ بھی تھے اور ہوشیار بھی۔ شہروز نے منوچہر کی طرف دیکھا مگر کپتان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہ تھے۔ شہروز کو علم تھا کہ کپتان نے اگر اس وقت عملے کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی تو یہ کوشش لاحاصل ہوگی۔ کیونکہ کپتان کا لہجہ اس کے لفظوں کا مظہر نہیں ہوگا۔

کشتی اب بغیر کسی کوشش کے چل رہی تھی۔ اور ایک درجن سے زیادہ چپو چمک رہے تھے۔ جنگلیوں کی نظریں لانچ پر تھیں اور وہ ہتھیار لہرا رہے تھے۔

''ممکن ہے یہ لوگ لانچ میں ہی زیادہ دلچسپی لیں شہروز۔'' منوچہر نے کہا۔ ساتھ ہی سر کو جنبش دی تا کہ کشتی نظروں کے سامنے رہے۔

اگر ان کی نظریں ہم پر نہ پڑیں تو ان کی ساری توجہ اور دلچسپی لانچ تک محدود رہے گی۔ جناب'' شہروز نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن اس ماحول میں نوید کو ٹھنڈے دماغ سے کام لینا ہوگا۔'' منوچہر کو زیادہ فکر یہ ہی تھی کہ نوید بے ضرورت فائر نہ کر دے اور ہاں ...... میں نے ابھی اختر کی سرگوشی سنی تھی کیا دوسرے بھی یہ ہی سوچتے ہیں کہ ہم مقابلہ کا آغاز خود کریں؟''

"جی ہاں......"

"شاہ ور بھی۔"

"میرا خیال ہے وہ بھی یہ ہی سوچتا ہے۔" شہروز کے اس جواب پر منوچہر نے مزید کچھ نہیں کہا۔

کشتی جلدی ہی کھاڑی میں پہنچ گئی اور پھر بہت روانی کے ساتھ لانچ کی طرف بڑھنے لگی۔ منوچہر نے نوید کو پہلو بدلتے ہوئے دیکھا کیونکہ کشتی اب چھوٹی توپ کے نشانے پر آ چکی تھی۔

"فائر مت کرنا نوید!" منوچہر نے سرگوشی کی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سرگوشی نوید تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"آپ اس کی جگہ خود کو رکھ کر سوچیں جناب!" شہروز نے نوید کا دفاع کیا۔ "ویسے خود دیکھ لیں وہ کتنے صبر سے کام لے رہا ہے۔"

"تمہیں منصوبہ یاد ہے ناں ...... شہروز!" منوچہر نے کھوکھلے لہجے میں کہا۔ "اب میں خود ان کے پاس جاؤں گا' جونہی ان کی نظریں مجھ پر پڑیں گی وہ لانچ کا راستہ بدل کر میری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ میں وہاں ہوں گا۔ اس دوران تم یہاں کمان کرو گے۔" منوچہر کے لہجے میں اب بڑا اضطراب تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ "لیکن خدا کیلئے اس وقت تک فائر کا آرڈر مت دینا جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ میں پوری طرح پھنس چکا ہوں لیکن جب فائر کا موقع آئے تو ذرا بھی نہ ہچکچانا۔"

شہروز نے منوچہر کی طرف دیکھا کیونکہ اب اس کا لہجہ بہت مختلف لگ رہا تھا پھر ایک ایسی بات ہوئی جس کے باعث شہروز کشتی بھول گیا۔ منوچہر آدھا کھڑا ہوا تھا کہ اس کو درخت کا سہارا لینا پڑا۔ وہ درخت پر جھک سا گیا۔ شہروز نے اس کی آنکھیں بند ہوتی ہوئی دیکھیں۔

"کیا ہوا جناب!؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" شہروز نے گھبرا کر پوچھا۔ لیکن لہجہ پست ہی رکھا تھا تاکہ دوسرے کپتان کی کیفیت نہ سمجھ سکیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔" منوچہر نے بمشکل کہا۔ "بس میرا سر چکرا گیا تھا میں بالکل ٹھیک

ہو جاؤں گا۔"

"کیا اب بھی درد ہو رہا ہے......؟"

"بہت زیادہ لیکن ختم ہو جائے گا۔" "آپ کی جگہ میں چلا جاتا ہوں۔" شہروز نے پیشکش کی۔

"نہیں ...... نہیں۔" منوچہر نے تیزی سے کہا۔ "یہ کام میرا ہے تمہارا نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا لیکن اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ اب بھی درخت کا سہارا لئے ہوئے تھا۔ "میرا خیال ہے کہ اتنی تیز دھوپ کی وجہ سے درد ہوا ہے۔ بہت تیز دھوپ ہے۔"

"بہتر یہ ہی ہے کہ آپ مجھے جانے دیں۔"

"ہرگز نہیں۔" منوچہر کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ "لگتا ہے کہ مغز پر کوئی ضربیں مار رہا ہے' عجیب سی کیفیت ہے لیکن تم فکر نہ کرو۔ شہروز! بچ بورن ہارف کی بھی فکر نہ کرو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ سے آنکھوں کے سامنے چھجا سا بنا لیا۔ "لیور ڈوک کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔"

"بچ بورن' ہارف۔" شہروز سن ہو گیا۔

تمہیں شیخ کریم تو یاد ہو گا۔ شہر کی سڑکوں پر گھومتا ہے۔ شراب پی کر ایک بار ایک سلاخ سے کام کر رہا تھا کہ پوری سلاخ اس کے جسم میں اتر گئی۔"

شہروز پوری طرح بوکھلا گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں کپتان کی یہ ہذیانی باتیں کوئی سن تو نہیں رہا۔ اختر اور انوار نے باتیں سن لی تھیں اور وہ منہ پھاڑے انہیں گھور رہے تھے۔ کرش ان کے قریب تھا لیکن اس نے کچھ نہیں سنا تھا اس کی نظریں تو کشتی پر جمی ہوئی تھیں' پسینہ اس کے جسم پر نالیوں کی طرح بہہ رہا تھا۔

"شہروز!" منوچہر نے سر سیدھا کرنے کی کوشش کی۔ "اب میں جا رہا ہوں۔ جلد معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر اس نے سختی سے اپنی آنکھیں بند کیں' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "یہ بہت ہوشیاری کا کھیل ہے شہروز! کیپٹن ...... کیپٹن نان اور اب میں۔"

"خدا کے واسطے جناب! آپ مجھے جانے دیں۔" میں آپ سے کم عمر ہوں آپ نہ جائیں۔"

"تم میری جگہ لے لو گے؟" منوچہر نے بڑی حقارت سے کہا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" شہروز نے فوراً وضاحت پیش کی۔

"ہونا بھی نہیں چاہیے۔" منوچہر نے جھوم کر کہا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں مر جاؤں۔"

"ہرگز نہیں۔" شہروز اب گھبرا چکا تھا۔ "بات صرف یہ ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ...... سر کی چوٹ آپ کو پریشان کر رہی ہے۔"

"ہاں ...... میرے ...... سر ...... پر چوٹ لگی تھی۔" منوچہر کا لہجہ اب تاڑی پیئے ہوئے ملاح کی طرح ہو گیا تھا۔

"بس ...... اب میں چلا ......" منوچہر نے اچانک کہا۔ ایک قدم آگے بڑھایا اس کا منہ فوراً ہی کھل گیا۔ اس نے ایک لمبی سانس لی اور پھر منہ بھر کر الٹی کر دی۔

کشتی اب لانچ کے قریب پہنچنے لگی تھی۔ اس لمحے شاہ ور ان کی طرف دوڑتا ہوا آیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے منوچہر کو دیکھتے ہوئے شہروز سے پوچھا۔

"کپتان بیمار ہے۔" شہروز نے جواب دیا مگر اسی لمحہ منوچہر ایک بار پھر کوشش کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں شاہ ور پر تھیں۔ "میں اب ٹھیک ہوں۔ شکریہ شاہ ور۔" اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے میں نے جو کچھ کھایا تھا اس میں خرابی تھی۔ لیکن تمہیں اپنی جگہ چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔

"آپ تو پہلے پڑ گئے ہیں جناب!" شاہ ور نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" منوچہر نے رومال سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے جنگلیوں کی طرف آپ نہ جائیں مجھے جانے دیں۔" شہروز نے ایک بار پھر پیشکش کی۔

"جی ہاں ...... یا مجھے جانے کی اجازت دیں۔" شاہ ور نے بھی ہاں میں ہاں ملائی ...... "اگر آپ علیل ہیں تو آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔

"میں نے کہا ناں ...... کہ میں جاؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے منوچہر درختوں کی آڑ سے نکل کر آگے بڑھنے لگا۔ "آپ کی بندوق جناب!" شاہ ور نے زمین پر پڑی ہوئی بندوق ہاتھ میں لے لی اور پھر اچانک ہی سرخ سرخ آنکھوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"صرف ضرورت پڑنے پر فائر کرنا۔ اور جب تک میں پن چکی کے قریب سے نہ گزر جاؤں فائر ہرگز نہیں کرنا۔" یہ کہہ کر اس نے دوبارہ قدم اٹھائے۔

"میرے خدا!" شاہ ور حیرت زدہ رہ گیا۔ "یہاں تو کوئی پن چکی نہیں۔ کپتان شاید پاگل ہو گیا ہے۔"

"نہیں بس سر پر چوٹ لگی ہے۔" شہروز کا انداز مدافعانہ تھا۔ "شاید اس باعث ایسی باتیں کر رہا ہے۔

کشتی اب بھی لانچ کی طرف دوڑ رہی تھی۔ لیکن جنگلیوں نے منوچہر کو دیکھ لیا تھا۔ اور اب ان کی نظریں لانچ کے بجائے اس یکہ وتنہا شخص پر تھیں جو انہیں اچانک ہی ساحل پر نظر آیا تھا۔

"بہتر یہ ہو گا کہ تم اپنی جگہ واپس چلے جاؤ شاہ ور!" شہروز نے کہا اور اس کی ہدایت پر شاہ ور چند لمحوں تک پیچ وتاب کھاتا رہا۔ پھر ہنکارا بھر کر چلا گیا۔

منوچہر کی حکمت عملی درست نکلی کیونکہ اسے دیکھتے ہی کشتی کا رخ بدلنے لگا تھا۔ شہروز نے کشتی پر سردار کو ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ پتوار چلانے والوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی کشتی کا رخ بدلنے لگا۔

"نشانہ لے کر چوکس بیٹھے رہو۔" شہروز نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

اب منوچہر بندوق ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے قدم بڑھا رہا تھا۔ وہ ساحل پر کافی دور چلا گیا تھا۔ اس نے یہ ہوشیاری کی تھی کہ وہ نوید کے نشانے کی راہ میں نہیں آیا تھا پھر اسے کشتی پر موجود افراد کی باتوں کی آواز آنے لگی۔ وہ کوئی اجنبی زبان بول رہے تھے۔ اور وہ

سوچ رہا تھا کہ اس کی حکمت عملی کامیاب ہورہی ہے۔۔

سکندر خان! شاہ ور کے قریب تھا اور اب وہ با آواز بلند دعائیں مانگ رہا تھا۔ شاہ ور نے جو شہروز کے حکم پر پہلے ہی پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اپنی ساری جھلاہٹ سکندر خان پر اتار دی تھی۔ "خاموش بیٹھے رہو۔ بزدل آدمی' بندوق سنبھالو۔"

سکندر خان نے کانپتے ہاتھوں سے بندوق اٹھالی۔

کشتی جونہی ساحل کے قریب پہنچی۔ شہروز نے منوچہر کا جسم اکڑتے ہوئے دیکھا پھر کشتی ساحل سے لگ گئی۔ کئی افراد کشتی سے کودے اور انہوں نے کشتی کو مزید آگے کھینچ لیا جبکہ باقی پانی میں کود کر کھڑے ہوگئے۔ جب ان سب نے پوزیشن سنبھال لی تو سردار اٹھا۔ اس کے ہاتھ میں عجیب سی ساخت کا خنجر تھا۔ وہ بہت موٹا آدمی تھا۔ اور اس نے سایہ نما سکرٹ پہن رکھا تھا۔ چار افراد تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے سردار کو اٹھا لیا۔ پھر انہوں نے موٹے سردار کو بڑی احتیاط سے ساحل پر رکھنے کے انداز میں اتار دیا۔

پہاڑی پر جو ملاح کو اب پسینہ آچکا تھا۔ اور خود شہروز بھی بندوق سے ہاتھ اٹھا کر بار بار اپنی ہتھیلیاں صاف کررہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر پسینہ صاف کر کے نشانہ لیا۔ اس نے سردار کے سینے کا نشانہ لیا تھا۔

ترمذی کے جنگلی اپنے سردار کے پیچھے ساحل پر پہنچ گئے۔ بیشتر ابھی تک پانی میں چل رہے تھے۔ مگر اب منوچہر اور سردار کے درمیان بمشکل بیس قدموں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ سردار کے عقب میں اس کے آدمیوں نے نصف دائرے کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ان کے چکنے اور سیاہ چہرے چمک رہے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کررہے تھے۔ اور ان کے سفید دانتوں کی چمک شہروز تک پہنچ رہی تھی۔ سردار اور نصف دائرے کے درمیان وہ نوجوان کھڑا ہوگیا۔ جس کو شہروز نے کشتی میں دیکھا تھا۔

اس وقت شہروز چاہتا تھا کہ فائرنگ شروع کرادے۔ اس طرح معاملہ یہیں ختم ہوسکتا تھا۔ لیکن اس کو بہرحال منوچہر کے حکم کی پابندی کرنا تھی۔ لہٰذا لبلبی پر اس کی انگلی حرکت میں نہیں آئی۔

ادھر منوچہر بھی اپنے دل کی دھڑکنوں کی آواز سن رہا تھا۔ سورج چمک رہا تھا۔ اور

اس کی چمک اس کے دماغ میں اتری جارہی تھی۔ اور اسے ایک بار متلی کا احساس ہونے لگا تھا۔

جنگلی منوچہر کو دیکھتے رہے۔ ان کے چاقو قدرے بلند ہوگئے۔ کمانوں میں تیر چڑھا لئے گئے۔ ان کے نزدیک اگر یہ شخص دیوتا ثابت ہوجاتا تو انہیں حیرت نہ ہوتی۔ اگر شیطان نکلتا تب بھی اچھا نہ ہوتا۔

منوچہر کو ان نیم مسلح افراد کے کردار کا علم نہ تھا۔ نہ ہی اسے یہ اندازہ تھا کہ انہوں نے خنجر اور چاقو اس انداز میں کس وجہ سے بلند کئے ہیں۔ لیکن اس کی چھٹی حس کام کررہی تھی۔ اس نے سردار کو اپنا وزن ایک پیر سے دوسرے پیر پر منتقل کرتے ہوئے دیکھا تو خود پہل کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ساتھ ہی جیب سے سگار کیس نکال لیا۔ جو اسے انگلینڈ میں کسی نے تحفے میں دیا تھا۔ وہ سگار کیس کھول کر مزید آگے بڑھا اور اسے سردار کے سامنے کردیا۔

سردار نے خنجر تیزی سے اوپر اٹھایا۔ لیکن منوچہر کے کانپتے ہاتھ دیکھ کر وہ پرسکون ہوگیا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس اجنبی کے پاس ایک ڈنڈے کے سوا کچھ اور نہیں۔ لیکن پھر بھی وہ سگار کیس لینے سے ہچکچاتا رہا۔ اس نے پھر منوچہر کو گھورا۔ منوچہر سمجھ گیا کہ سردار کیس لینے کا متمنی ہے۔ لہٰذا اس نے ہاتھ مزید آگے بڑھا دیئے۔ پھر بہت آہستہ آہستہ سردار کا خالی ہاتھ آگے بڑھا۔ اس نے سگا کیس لے لیا۔

شہروز نے دیکھا کہ سردار نے سگار کیس کا معائنہ کرنے کیلئے سر کافی جھکا لیا ہے۔ کیس دھوپ کی وجہ سے چمک رہا تھا۔ اور اس کا عکس سردار کے چہرے پر بھی نظر آرہا تھا۔ اس کے بعد سردار نے سر اٹھایا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے منوچہر کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر اپنے لوگوں سے کچھ کہا۔ جو ایک لمحہ توقف کے بعد آگے بڑھے۔ اور انہوں نے منوچہر کو گھیر لیا اور اب وہ غالباً خوشی سے چلا رہے تھے۔ اچھل اچھل کر منوچہر کے گرد ناچ رہے تھے اور بعض اس کا لباس بھی چھو کر دیکھ رہے تھے۔

یہ صورتحال دیکھ کر پہاڑی پر موجود ملاح بھی سکون کا سانس لینے لگے۔ کشیدگی معاً اس کے پور پور سے نکل گئی۔ شہروز لاشعوری طور پر مسکرانے لگا۔ بندوق پر اس کی گرفت ڈھیلی

ہوگئی۔ نوید اپنے مورچے سے ہٹ گیا۔ اس نے علی رضا اور شمشاد سے کہا۔ "لگتا ہے ہم تفریح کیلئے یہاں آئے ہیں۔"

منوچہر کانپ رہا تھا۔ لیکن اس نے جنگلیوں کے اس ہجوم میں سے شہروز کو آواز دی۔

"اپنے لوگوں کو واپس بلالو...... شہروز!" اس کے لہجے میں بڑا غرور تھا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ یہ لوگ میری حکمت عملی کا شکار ہوجائیں گے۔"

شہروز بھی مسکرانے لگا۔ اسے خوشی تھی کہ اس کے کپتان کی ترکیب کامیاب ہورہی ہے۔ وہ بڑے فخریہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کر شاہ ور تک گیا۔ "چلو ہم دونوں اپنے آدمیوں کی قیادت کریں گے۔" اس نے کہا پھر وہ ملاحوں کی طرف پلٹا "چلو لڑکو! حالات ٹھیک نہیں۔"

وہ جونہی ساحل پر پہنچے تو انہیں بھی گھیر لیا گیا۔ جنگلی انہیں سونگھنے بھی لگے۔ انہوں نے بہت سوں کی ٹوپیاں کھینچ لیں۔ شاہ ور کی ڈاڑھی کو ایک آدمی چھیڑنے لگا۔ کئی ملاحوں کی چرمی بیلٹ کو کھینچ کھینچ کر دیکھنے لگے۔ وہ چیخ و پکار بھی کررہے تھے۔ شہروز نے معاً ہی یہ دیکھا کہ جنگلیوں میں سے کئی کی پوری انگلیاں نہیں، بیشتر کی چھوٹی انگلیاں غائب تھیں، بعض دو دو انگلیوں سے محروم تھے۔ ان کے جسموں پر زخموں کے نشانات نظر آرہے تھے۔ ان میں سے ایک تیز مگر خوشگوار بو آرہی تھی۔

سردار کی نظریں ابھی تک سگار کیس پر تھیں۔ وہ ریت پر بیٹھ کر سگار کیس کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ شہروز نے دیکھا کہ اس کے بیٹھتے ہیں باقی جنگلی اس سے قدرے دور ہوگئے شاید یہ بھی احترام کا ایک انداز تھا۔ منوچہر بھی اس کے قریب بیٹھ گیا اب جنگلی سردار کا چاقو ان دونوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ شہروز یہ دیکھ کر قدرے پریشان ہوگیا کہ چاقو کو انسانی دانتوں کی قطاروں سے سجایا گیا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اس چاقو کو سجانے کیلئے کتنے آدمی مارے گئے ہوں گے۔

سگار کیس کو یونہی الٹتے پلٹتے ہوئے اس کا ہاتھ اوپنر پر پڑا اور کیس ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ جنگلی سردار نے خوفزدہ ہوکر چیخ مارتے ہوئے اپنا چاقو اٹھالیا۔ لیکن منوچہر نے فوراً ہی کیس لے کر اس کے بے ضرر ہونے کا مظاہرہ کیا۔ اس نے ایک سگار نکال کر سلگا لیا۔ اب

سردار اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اسی حیرت کے باعث وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ اسے منوچہر کے منہ سے دھواں نکلتے دیکھ کر حیرت ہورہی تھی۔

دھوئیں کا غبار دیکھتے ہی جنگلیوں میں ہلچل مچ گئی۔ لیکن بعض جو زیادہ بہادر اور متجسس تھے ان کے قریب آگئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ملاح بے ساختہ طور پر ہنسنے لگے تھے۔

تب ہی جنگلیوں کو احساس ہوا کہ نووارد یقیناً دیوتا ہیں۔ کیونکہ صرف دیوتا ہی آگ کھا سکتا ہے۔ ایک گھنٹے تک یہی دوستانہ کیفیت برقرار رہی۔ لیکن پھر انوار کی وجہ سے ہنگامے نے جنم لیا۔

انوار بھی تجسس کا مرکز تھا۔ جنگلی اسے کھینچ رہے تھے۔ دھکا دے رہے تھے اور کھیل رہے تھے۔ انوار بھی اس صورتحال سے لطف اندوز ہورہا تھا لیکن جب ایک عظیم الجثہ جنگلی نے اس کی قمیص اتارنے کی کوشش کی تو وہ جھلا اٹھا۔ رمضو نے ان لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کیلئے تمباکو چبانے کا مظاہرہ شروع کردیا اور تھوڑا تمباکو اس جنگلی کو بھی دیا۔ جس نے انوار کو چھوڑ دیا۔ لیکن تمباکو اس کے منہ کو کاٹ گیا جس پر اس نے تمباکو کو تھوک دیا لیکن ایک اور جنگلی اسے اٹھا کر چبانے لگا۔ اب انوار دور کھڑا ہوا اپنی قمیص پتلون میں ڈالتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

اسی لمحے کسی نے اس چاقو پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر چیخ اٹھا۔ اور اس نے اپنا چاقو دبوچ لیا۔ لیکن وہ جنگلی دھینگا مشتی پر اتر آیا جو چاقو لینا چاہتا تھا۔ انوار نے اس کے بازو پر مکا مارا اس ضرب کا اس شخص پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ لیکن اس کی چیخ نے شہروز کا ردعمل اور ملاحوں کی چیخ و پکار سن کر ایک قدم پیچھے ہٹا اور پھر اس نے اپنے چاقو سے انوار پر حملہ کردیا۔ انوار خطرہ محسوس کرتے ہی اپنی جگہ سے اچھلا، ساتھ ہی شہروز نے اسے کھینچ کر اپنے عقب میں کرلیا۔ حملہ آور کو وار خالی جانے کے باعث جھٹکا سا لگا اور وہ اپنے ہی جھونک میں شہروز کے سامنے گھٹنوں کے بل گر گیا۔ اب وہ شہروز کے پستول کی نال میں جھانک رہا تھا۔

یہ صورتحال خطرناک تھی۔ لہٰذا منوچہر اپنی جگہ سے اٹھا۔ جنگلی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ لبلبی دبانے کی دیر ہے اور اس کا چہرہ بارود سے اڑ جائے گا۔ اس کے چہرے پر خوفناک سی مسکراہٹ

تھی۔ ایک ہی سیکنڈ میں ہر بندوق تیار ہوگئی اور لانچ میں نوید ایک بار پھر اپنے مورچے میں جم گیا۔ لیکن وہ گالیاں بھی دے رہا تھا۔ کیونکہ اب اس کی فائرنگ کی زد میں عملہ بھی آ سکتا تھا۔

''شہروز!'' منوچہر نے آواز دی۔ ''لڑکا زخمی تو نہیں ہوا؟''

''نہیں۔'' لیکن زخمی نہ ہونے کی وجہ صرف خوش قسمتی اور اس کی پھرتی ہے جناب!'' شہروز نے جنگلی کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

منوچہر نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ دراصل ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے ان جنگلیوں کو طیش آ جائے۔ لیکن وہ کسی کمزوری کا مظاہرہ کرنے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ اس نے سردار کی طرف دیکھا۔ لیکن سردار کے چہرے پر محض لاتعلقی کے تاثرات تھے۔ اس کے انداز سے برتری کی جھلک بھی نظر آ رہی تھی۔

تب ہی سردار نے پلٹ کر کشتی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ چاقو پر پہنچ گئے تھے۔ اس کے انداز سے ملاحوں میں غصہ پیدا ہونے لگا۔ وہ جنگلی کیلئے سزا کے منتظر تھے۔ لیکن سردار تو چاقو پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ پھر اچانک ہی سردار نے ایک زور دار قہقہہ لگایا جس کے باعث منوچہر خوفزدہ ہوگیا۔ اسے معاً ہی یہ احساس ہوا تھا کہ سردار کا یہ قہقہہ دراصل کوئی اشارہ ہے۔ ہر شخص سردار کی طرف دیکھنے لگا تھا اور پھر وہ جنگلی بھی اٹھنے لگا۔ جس نے انوار پر حملہ کیا تھا۔

''اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔'' شہروز نے غرا کر کہا۔ اس کا حکم تو جنگلی کو سمجھ میں نہ آیا لیکن لہجہ ایسا تھا کہ جنگلی اپنی جگہ پر ساکت ہوگیا۔

''ٹھیک ہے۔ شہروز! ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوا۔'' منوچہر نے معاملہ ایک دفعہ پھر رفع دفع کرنے کی خاطر کہا۔

''یہ محض اتفاق ہے۔ کپتان!؟'' اختر نے دانت پیس کر جواب دیا۔

''ہاں ...... لیکن فکر مت کرو...... میں ان جنگلیوں کو آگ کی ایک جھلک دکھا دیتا ہوں جس سے یہ کھیل رہے ہیں۔'' منوچہر نے پرعزم لہجے میں کہا۔ ''میں بندوق چلاؤں گا لیکن اس کا مطلب لڑائی کا آغاز ہرگز نہیں ہوگا۔ ان لوگوں پر یہ ظاہر نہ ہونے دو کہ ہم خوفزدہ ہیں اور شہروز اور شہروز' خدا کے واسطے اس جنگلی کو گولی مت مارنا۔''

منوچہر' سردار کی طرف پلٹا اب بندوق اس نے پھر سنبھال لی تھی۔ اس نے بندوق

سیدھی کر کے اپنی طرف اشارہ کیا اور پھر مرنے کا انداز اختیار کیا۔ لیکن اس پر سردار ہنس پڑا اور اس کے ہنستے ہی باقی تمام جنگلی بھی ہنس پڑے۔ سردار نے مزید کچھ کہا جس پر جنگلی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے اور منوچہر گھبرا کر کسی ہدف کو تلاش کرنے لگا۔ سردار اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا لیکن اب اس کا انداز مختلف تھا لیکن اس کا چاقو اٹھا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں سگار کیس تھا۔

تب ہی منوچہر کو ایک ٹیلے پر تاز بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اگرچہ اس وقت منوچہر کو چکر آ رہے تھے مگر اس نے بڑی ہمت کر کے بندوق سیدھی کی۔ نشانہ لیا اور پھر گولی چلا دی۔

منوچہر کو دھکا لگا مگر نشانہ بالکل درست بیٹھا۔ گولی تاز کے لگی وہ پھڑپھڑائی اور پھر گر گئی۔

یہ دیکھ کر سردار کا چہرہ نیلا پڑ گیا۔ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سگار کیس حتیٰ کہ چاقو بھی اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی آنکھیں منوچہر پر جمی رہیں پھر وہ آہستگی سے اٹھ کر کشتی کی طرف الٹے' پیروں چلنے لگا۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ جنگلی بے حد خوفزدہ تھے' وہ بھاگنے لگے۔ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے تھے اور بھاگ رہے تھے۔ شہروز کے سامنے والا جنگلی کانپ رہا تھا۔ اور جس جگہ وہ بیٹھا ہوا تھا وہ جگہ گیلی ہو چکی تھی۔ پھر وہ بھی کشتی کی طرف بھاگ نکلا۔

جنگلیوں کیلئے بندوق زمینی چیز ثابت نہ ہوئی۔ وہ اس شخص کو دیوتا تسلیم کر چکے تھے۔ جس کے ہاتھ میں موجود ڈنڈے نے تاز کی موت اگلی تھی۔ وہ انہیں ان سب کو دیوتا سمجھ کر ان سے ڈر کر بھاگ گئے تھے۔

شہروز انہیں بھاگتا ہوا دیکھ رہا تھا کہ اچانک اسے رمضو کی آوز سنائی دی۔ ''کپتان کو دیکھیں جناب! وہ گر گیا ہے۔''

شہروز بہت تیزی سے گھوما۔ منوچہر بندوق سمیت گرا تھا اور اب بندوق اس کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ ریت میں تھا۔ شہروز کے ساتھ ساتھ رمضو بھی منوچہر تک پہنچا۔ دونوں نے مل کر بوڑھے کپتان کو اٹھا کر بٹھایا۔ منوچہر کی آنکھیں بند تھیں اور ریت پسینے سے گیلے چہرے و گردن سے چپک گئی تھی۔ داڑھی بھی ریت سے بھری ہوئی تھی اور منہ کھلا ہوا تھا۔

''میرے خدا! کپتان کا چہرہ تو دیکھیں جناب!'' رمضو نے بھرائی ہوئی آواز میں

کہا۔

''اسے پانی کی ضرورت ہے۔'' شاہ ور نے قریب آ کر کہا۔

''جاؤ لانچ سے لے آؤ۔'' شہروز نے شاہ ور سے کہا۔ شاہ ور لانچ تک جانے کیلئے پلٹا تو شہروز نے مزید کہا۔ ''نوید سے کہنا کہ لانچ کو ساحل سے لگا دے۔ شمشاد اور علی رضا سے کہنا کہ پتوار اور چپو ٹھیک سے کر کے رکھیں۔''

''مگر کپتان کے چہرے کو کیا ہوا جناب!؟'' رمضو پر تشویش انداز میں بولا۔

''شاید فالج کا اثر ہے۔'' رمضو نے کہا۔ جو یہ صورتحال دیکھ کر بھاگتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس دوران مزید لوگ وہاں پہنچ گئے۔ وہ سب چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ لیکن شہروز ان تمام باتوں سے بے نیاز دوسرے امور پر بھی توجہ دے رہا تھا۔

''کرش!'' اس نے کہا ذرا نظر رکھو کو جنگلیوں کی کیا مصروفیات ہیں۔ کیا انہوں نے کپتان کو گرتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟ نہیں۔ تم سب مت جاؤ۔'' تقریباً تمام افراد جنگلیوں پر نظر رکھنے کیلئے جانے لگے تو اس نے انہیں روک لیا۔ ''کرش کافی ہے۔''

کرش جلد ہی واپس آ گیا۔ ''ان میں سے بعض لوگ اسی طرف دیکھ رہے ہیں اور بعض کشتی پر ہیں۔ وہ بہت خوفزدہ نظر آ رہے ہیں۔ جناب!''

''میرا خیال ہے کہ وہ لانچ کے قریب سے گزرتے ہوئے خوفزدہ ہیں۔'' نبی بخش نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

پھر اسی دوان شاہ ور پانی کا ایک ڈول لے آیا۔ چنانچہ شہروز نے منوچہر کو اس قدر اوپر اٹھایا کہ وہ اس کے سہارے بیٹھ گیا۔ شاہ ور نے پانی اس کے منہ سے لگایا۔ چند گھونٹ پانی منوچہر کے منہ میں گیا اور کچھ سینے اور داڑھی پر گر گیا۔ تاہم منوچہر نے پانی کا لمس محسوس ہوتے ہی آنکھیں کھول دیں۔

''اوہ.....'' کپتان نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا؟''

''آپ بالکل پرسکون رہیں۔ چند منٹ میں ٹھیک ہو جائیں گے۔'' شہروز نے نرم لہجے میں اسے مشورہ دیا۔

''کیا جنگلی اب بھی آس پاس موجود ہیں؟'' منوچہر نے مشورے کو نظر انداز کرتے

ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں......لیکن بہت خوفزدہ ہیں' کشتی پر موجود ہیں۔''

''ہمیں ان تک جانا چاہئے شہروز۔ انہیں اس طرح جانے نہیں دینا چاہئے۔ ارے ہاں میں نے ایک پرندے کو نشانہ بنایا تھا۔''

شہروز نے پہلی بار بغور دیکھا کہ منوچہر کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ دایاں حصہ اوپر کھینچ گیا تھا جبکہ آنکھ کا پپوٹا نیچے تھا۔ جس کے باعث آنکھ کا سرخ ڈیلا صاف نظر آ رہا تھا۔

''انہیں یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ شہروز'' ......منوچہر نے پھر کہا۔ ساتھ ہی کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ شاہ ور اور شہروز دونوں نے اسے سہارا دیا۔ ''تم ہی بتاؤ شہروز اب ہم یہ بتانے کیلئے کیا کریں کہ ہم ان کے دشمن نہیں ہیں' دوست ہیں۔''

تقریباً ایک گھنٹے کے اشاروں اور خاموش کوششوں کے بعد کشتی میں موجود جنگجو جنگلیوں کو یقین ہو گیا کہ اجنبی دیوتا ان پر جادو کی چھڑی کا استعمال نہیں کریں گے' تو وہ خوفزدہ انداز میں کشتی سے واپس ساحل کی طرف آنے لگے۔ شہروز خود سردار کو لینے کیلئے گیا۔ اور اس نے اسے بھی منوچہر کے قریب بٹھا دیا۔ اب ملاح جنگلیوں کے درمیان آزادانہ نقل و حرکت کر رہے تھے۔ اپنے چاقو' تمباکو' رسیاں' سکے' پائپ اور ہر وہ چیز دکھا رہے تھے۔ جو ان کی جیبوں میں موجود تھی۔ ساتھ ہی وہ بھی جنگلیوں کے خوبصورت اور سجے ہوئے چاقوؤں کا معائنہ کر رہے تھے۔ جن پر مونگے بھی لگے ہوئے تھے اور سیپیاں بھی۔ جنگلی ان چاقوؤں کو واہ کا کہہ رہے تھے۔ ملاحوں کو زیادہ حیرت کشتی کی ساخت پر تھی۔ اور شاہ ور کا کہنا تھا کہ ایسی کشتی جدید دنیا میں دستیاب اوزاروں کی مدد کے بغیر نہیں بن سکتی۔

لیکن اگر اسکائی لارک کے ملاحوں کو علم ہو جاتا کہ یہ کشتی پچاس جنگجوؤں کی لاشوں کے اوپر سے سمندر میں اتاری گئی ہے اور یہ کہ اس کے بننے سے قبل اتنے ہی افراد کو جنگلیوں نے چٹ کیا ہے' تو انہیں اور زیادہ حیرت ہوتی۔

''میرا خیال ہے کہ ان افراد کو خوفزدہ ہی رکھا جائے تو یہ شرافت کے جامے میں رہیں گے۔'' رمضو نے اپنی رائے دی۔ اس کا کہنا بظاہر درست تھا۔ لیکن پہلی ملاقات میں

شرافت اور مسکراہٹ کے باوجود جنگلیوں کا انداز جارحانہ ہوگیا تھا۔ اور انہوں نے انوار سے کھینچا تانی شروع کردی تھی۔ خود شہروز نے بھی اس صورتحال سے ایک ایسا سبق سیکھا تھا جس کو وہ فراموش نہ کرنے کا عزم کرچکا تھا۔

پھر بھی انہیں یہ احساس دلانا چاہئے کہ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ اگر انہوں نے ہمارا احترام کیا تو ہم بھی ان کا احترام کریں گے۔'' منوچہر نے کہا۔ شہروز نے ایک بار پھر شعبدہ بازی کی ضرورت محسوس کی تو کپتان سے کہا کہ وہ ایک بار پھر اپنا محدب شیشہ نکالے۔ انوار کو خشک گھاس وغیرہ جمع کرنے کیلئے بھیج دیا گیا۔ گھاس آگئی تو کپتان نے شیشہ گھاس کے اوپر رکھ دیا۔ جونہی گھاس سے دھواں اٹھا تو جنگلی آسا آسا کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ کپتان نے پھونک مار کر شعلہ بنایا اور جونہی شعلہ نمودار ہوا جنگلی چیخیں مارنے لگے۔

شہروز نے اشارے سے پانی مانگا تو دو جنگلی بھاگ کر کشتی سے پانی لے آئے جو ملاحوں نے دل بھر کر پیا۔ دوپہر کے بعد وہ سب اس جزیرے کی طرف روانہ ہوگئے۔ جو انہیں پہاڑی سے نظر آرہا تھا۔ منوچہر کے ساتھ جمیل اور انوار بھی کشتی پر گئے۔ لانچ دیگر ملاحوں کو لے کر روانہ ہوئی۔ لیکن لانچ کشتی کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی لہٰذا منوچہر سردار کو مختلف شعبے دکھاتا رہا تاکہ کشتی کی رفتار کم رہے اور لانچ ان کے ساتھ ساتھ چلتی رہے۔

وہ ایسے پانیوں سے گزرے جہاں سے تہہ نظر آرہی تھی۔ پھر گہرے پانیوں سے گزرنا ہوا جہاں چمکدار مچھلیاں نظر آرہی تھیں۔ انہیں شارکوں کا ایک جوڑا بھی نظر آیا۔ جو برق رفتاری سے گزر گیا۔ انہیں راستے میں حسین مناظر بھی نظر آئے تھے۔

پھر جزیرہ قریب آنے لگا۔ یہ جزیرہ ایک محفوظ کھاڑی کے قریب تھا۔ اس کی ریت دور ہی سے چمک رہی تھی۔ پس منظر میں جزیرے کی چڑھائی نظر آرہی تھی۔ جہاں سبزہ ہی سبزہ تھا اور درخت دھوپ میں چمک رہے تھے۔ یہاں کا پانی ہلکا سبز تھا۔ ''ہم یہاں کب تک رہیں گے جناب!؟'' اختر نے پوچھا۔ وہ لانچ کے اگلے حصے میں تھا۔ ساتھ ہی شاہ ور تھا۔ شہروز نے پہلے اختر اور پھر شاہ ور کو دیکھا۔ شاید وہ یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ یہ سوال اختر نے کس سے کیا ہے۔ شاہ ور نے کوئی جواب نہ دیا لہٰذا جواب شہروز ہی کو دینا پڑا۔

''جب تک [illegible] مرمت کا کام مکمل نہیں ہو جاتا اور اس کا انحصار خود ہم پر ہے۔'' اگرچہ

سوال بہت مہذبانہ تھا اور شہروز نے بھی کوشش کی تھی کہ جواب میں اس کا لہجہ بھی شائستہ رہے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اگرچہ اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن شاید شہروز اختر سے خوفزدہ تھا۔ اختر پستہ قامت مگر طاقتور شخص تھا۔ اس کے جبڑے مضبوط تھے۔ اور اس کی آنکھیں بار بار یہی بتاتی تھیں کہ وہ خطرناک دشمن ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ بہرحال ذہین تھا۔ شہروز کے نزدیک ملاحوں میں سکندر خان اور کرش شامل تھے۔ لیکن اختر ایسا شخص تھا جو اپنے تاثرات چھپانے میں ناکام رہتا تھا۔ وہ منہ پھٹ بھی تھا۔

''میرا اب بھی یہ ہی خیال ہے کہ ہم ٹھیک نہیں کر رہے ہیں۔'' اختر نے ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پتوار چلاتے ہوئے ادھر ادھر نہیں دیکھتا تھا۔

ہر شخص کو اپنی رائے قائم کرنے کا حق ہے۔ اختر!'' شہروز نے جواب دیا۔ ''لیکن کسی کو کپتان کے فیصلے پر اعتراض کا حق نہیں۔ ہمارا حکم ماننا ہے۔ ویسے بھی کپتان منوچہر دنیا کے بہترین ناخداؤں میں سے ایک ہے۔''

''درست۔'' نوید نے فوراً تائید کی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ لیکن اس نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ پانچ منٹ تک وہ اسی طرح پتوار چلاتے رہے۔ پھر نوید نے رک کر اپنی پتوار پانی سے کھینچ لی۔ منہ اٹھا کر سونگھا اور اپنی پتوار پر دوبارہ جھک گیا۔

''تمہاری سونگھنے کی صلاحیت بہت اچھی ہے۔ نوید!'' شہروز نے کہا۔

''جی ہاں بہت اچھی خوشبو آرہی ہے۔''

''کیا آپ کی مراد اس کھانے سے ہے جو جنگلی تیار کر رہے ہیں؟'' کرش نے پوچھا۔

''نہیں اس کی مراد زمین کی مہک سے ہے۔'' نوید نے ہنس کر جواب دیا۔

''مجھے تو گیلی مٹی کی بو آرہی ہے۔'' کرش بولا۔

''ہم نے جب پہاڑی سے جزیرے کو دیکھا تو یہی بو محسوس کی تھی ناں؟'' حشمت نے فوراً شہروز کی طرف دیکھا۔ ''کپتن نے یہ ہی کہا تھا۔''

''ہاں۔'' شہروز نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''لیکن مرطوب مقامات پر بخار کی وباء بھی ہوتی ہے۔'' اختر نے منہ بنا کر کہا۔ اس

باراس نے ناک کی سیدھ میں دیکھنے کے بجائے جزیرے کی طرف دیکھا تھا۔ ایسے مقامات پر مکھی مچھروں کی بھی بہتات ہوتی ہے۔"

"اگلے چپوار۔" اسی لمحے شاہ ور نے حکم دیا "آگے پہاڑی ہے' آہستہ...... آرام سے۔"

لانچ آہستہ آہستہ کنارے پر پیلی ریت کے قریب رکنے لگی۔ پھر شہروز کے اشارے پر چپواروں کی طاقتور حرکت نے لانچ کو کنارے اور پھر خشکی پر چڑھا دیا۔ شہروز نے آگے دیکھا منوچہر کشتی میں نظر آ رہا تھا اور جونہی دونوں کی نظریں ٹکرائیں شہروز کانپ سا گیا۔ اس نے کپتان کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایسے بیمار شخص کا تھا جو گھنٹوں میں برسوں کا بوڑھا ہو گیا تھا۔

پھر اچانک ہی ایک ہنگامہ سا ہو گیا۔ ملاح جو یہ کہہ رہے تھے کہ جزیرے پر کوئی نہیں ہوگا۔ اس وقت ششدر رہ گئے جب معاً ہی عورتیں' بچے' بوڑھے لانچ کی طرف اشارے کرتے اور چیختے ہوئے نمودار ہوئے پھر بہت سے خوف کی وجہ سے لانچ سے دور ہی اتر گئے۔ لیکن چند جو زیادہ بہادر تھے آگے کشتی تک چلے آئے۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کو پکارا اور انہیں جواب ملا کہ آنے والے دیوتا ہیں۔

"سوبوسبو۔" ایک چیخ سنائی دی اور پھر لوگ خوف اور خوشی کے ملے جلے جذبوں کے ساتھ زور زور سے باتیں کرنے لگے۔ ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے ہوئے سردار اترا۔ وہ غالباً لوگوں کو خاموش رہنے کیلئے کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے انہیں بتایا کہ یہ دیوتا انہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ "اگرچہ یہ بجلی کی کڑک ساتھ لائے ہیں......" اس کا اشارہ بندوق کی آواز کی طرف تھا۔

"لیکن ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کی جادوئی چھڑی بہت فاصلے سے بھی کسی کو بھی ہلاک کر سکتی ہے۔"

اسکائی لارک کے ملاحوں نے یہاں کی عورتوں کو دیکھا۔ مردوں کو دیکھا۔ ان کا تعلق شاید جنگجو طبقہ سے نہیں تھا۔ چند عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں گھاس کے تنکوں کا سکرٹ نما سایہ پہنے ہوئے تھیں۔ بعض سائے تقریباً سفید تھے اور بعض رنگدار عورتوں نے بھی مردوں کی طرح بال بنائے ہوئے تھے۔ کئی عورتوں کی رنگت پختہ سیاہ تھی بلکہ سانولی تھی۔ عورتوں کی

اکثریت نے اپنے جسموں پر رنگ کیا ہوا تھا۔ اور سب ہی سیپیوں' مچھلی کے دانتوں یا ہڈی کے زیورات پہنے ہوئے تھیں۔ یہ زیورات دھوپ میں چمک رہے تھے۔ اسی طرح ان عورتوں کی آبنوسی جلد بھی چمک رہی تھی۔ کئی عورتوں کے کانوں میں چھید تھے جن میں سیپیاں نظر آ رہی تھیں۔ بعض کی لویں اتنی بڑی تھیں کہ ان پر ایک پوری سیپی چپکی یا لگی ہوئی تھی۔ بوڑھی عورتوں میں سے زیادہ تر کے دانت نہیں تھے۔

لیکن انہوں نے کوئی ایسا رنگ ملا تھا کہ ان کے منہ نیلے ہو رہے تھے۔ شہروز نے یہاں بھی ایک خاص بات نوٹ کی کہ بیشتر عورتوں کی ایک یا دو انگلیاں غائب تھیں۔ دس گیارہ سال کے بچے اور بچیاں لباس کے تکلفات سے بالکل آزاد ہیں۔

تاہم ملاحوں کی اس خاموشی کو حشمت نے توڑا۔ "بڑے عجیب لوگ ہیں۔" عورتیں خوبصورت بھی ہوں گی۔

"ہوشیار علی رضا!" نوید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن ان عورتوں کو بری نیت سے دیکھنے والے یقیناً کسی بڑی دیگ میں پکتے ہوں گے۔"

"ہوں......" علی رضا نے ہنکارا بھرا۔ "ویسے ملاحوں میں سب سے وجیہہ میں ہی ہوں۔"

"تب پھر غور سے دیکھ کر فیصلہ کر لو کہ کون سی عورت تمہیں پسند ہے۔" نوید نے کہا۔

"وہ والی......" اس نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "یا اس کے پیچھے والی' ویسے دونوں ہی حسین ہیں۔"

"نہیں سامنے والی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" نبی بخش نے بھی لقمہ دیا۔ "اس کیلئے تو میرے دل کے دروازے تک کھلے ہوئے ہیں' کیا شاندار لڑکی ہے۔"

"آہ...... آخر ملاحوں کے خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو رہے ہیں۔" نوید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"ویسے بعض لڑکیاں تو بہت ہی حسین ہیں۔" اختر نے بھی ٹانگ اڑائی۔

"ارے تم بھی اختر!" نوید نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم تو اس جزیرے پر قدم رکھنا ہی نہیں چاہتے تھے تم بھی حسن پرست ہو گئے ناں۔"

اختر بس کسمسا کر رہ گیا۔ ”کاش! ان عورتوں کو اپنے رنگ اتارنے کے فائدوں کا علم ہوجائے۔“ حشمت نے بڑی حسرت سے کہا۔ وہ یونہی باتیں کرتے رہے جس میں کرش وغیرہ بھی شریک ہوگئے۔ ان کی حیرت زدہ کیفیت ختم ہوگئی اور شہروز ان کے تبصرے سنتا رہا۔ وہ بھی مسکراتا رہا۔ ویسے وہ خود بھی مناظر فطرت کے علاوہ ان مناظر حسن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ساتھی اس احساس کے باعث اور زیادہ لطف اندوز ہو رہے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں۔ اور یہ کہ زندہ رہنے کی امید ابھی ختم نہیں ہوئی اور پھر جلد ہی تمام افراد ایک بار پھر اس سارے حسن' ساری خوبصورتی کو فراموش کر کے بقا کے بارے میں سوچنے لگیں گے۔“

اچانک ہی منوچہر اس کی طرف آیا۔ ”لڑکے بہت خوش نظر آ رہے ہیں شہروز! کاش یہ ہمیشہ ایسے ہی خوش رہیں۔“ اس نے کہا۔

”جی ہاں میں بھی یہ ہی دعا کر رہا ہوں۔“

”ویسے میں ان میں سے غیر معمولی طور پر حسین عورتوں سے خوفزدہ ہوں۔ شہروز یہ لڑکیاں کسی اور نسل کی لگ رہی ہیں۔ ان کا رنگ بھی قدرے صاف ہے۔ بال گھنگریالے اور سخت نہیں ہیں بلکہ سیدھے اور ریشمی ہیں۔“

”جی ہاں...... میں نے بھی یہ بات نوٹ کی ہے۔“

”اور اس لڑکی کو دیکھو جو اس بوڑھے کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے' دونوں کا رنگ سانولا ہے' پختہ نہیں۔“

شہروز نے اس سمت میں دیکھا۔ جہاں منوچہر اشارہ کر رہا تھا۔ وہ لڑکی دوسری عورتوں کی نسبت زیادہ بلند قامت تھی اور تیل کی مالش کے بعد اس کا جسم چمک رہا تھا۔ یہ ایک بھرپور جسم تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی اور شوخ تھیں۔ دانت موتیوں کی طرح تھے اور لبوں کی اندرونی سرخی بھی نظر آ رہی تھی۔ اس کے شانوں پر گہرے سیاہ بال پڑے ہوئے تھے اور پھر نیچے اس کی کمر چوم رہے تھے۔ وہ روایتی زیورات سے بے نیاز تھی اور اس نے کانوں میں صرف پھول لگا رکھے تھے۔ اس نے جو سایہ پہن رکھا تھا وہ بھی دوسری عورتوں سے مختلف تھا۔ اس میں ریشم جیسی چمک تھی۔

شہروز اس لڑکی کو دیکھ کر واقعی ششدر رہ گیا۔ اس کی زندگی میں کئی عورتیں آئی تھیں۔ لیکن یہ لڑکی اس کا دل کھینچ رہی تھی۔ وہاں اور بھی خوبصورت لڑکیاں موجود تھیں۔ لیکن اس لڑکی میں جو وقار اور تمکنت تھی وہ دوسروں میں مفقود تھی۔

اچانک ہی وہ بقا اور پورٹ نیکسن پہنچنے کا مقصد فراموش کر گیا۔ تب ہی اس لڑکی نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں تو شہروز کو احساس ہوا کہ وہ کس قدر محویت سے لڑکی کو دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ سوچ کر جھینپ سا گیا کہ یہ لڑکی اس کے اس انداز کا کیا مطلب نکالے گی۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ لیکن اب پسینہ اس کی پیشانی پر صاف چمک رہا تھا۔ اسے پل بھر کیلئے احساس ہوا تھا کہ اس نے کسی پری کو دیکھ لیا ہے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ دوسری عورتیں زیورات کی وجہ سے اتنی برہنہ نظر نہیں آ رہیں۔ جتنی یہ لڑکی نظر آ رہی تھی کیونکہ اس نے زیورات کا تکلف ہی نہیں کیا تھا۔ منہ پھیرنے کے باوجود وہ اس کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر یہ سوچیں اس نہج پر پہنچ گئیں کہ کیا یہ لڑکی شادی شدہ ہے؟ وہ عمر رسیدہ شخص کون ہے؟ جو اس کے ساتھ کھڑا ہے کیا اس کا باپ ہے؟

پھر اس عالم میں جب منوچہر کی آواز آئی تو شہروز کو ایسا لگا جیسے یہ آواز بہت دور سے آ رہی ہو۔

”جی...... کیا کہا آپ نے؟“ شہروز بوکھلا گیا۔ ”میں کہہ رہا ہوں سردار ہمیں ساتھ چلنے کو کہہ رہا ہے۔“ منوچہر نے اپنی بات دہرائی۔

”لانچ کا کیا ہوگا؟“ شاہ ور نے پوچھا۔ یہ سوال اس نے شہروز سے نہیں منوچہر سے کیا تھا۔ تب ہی شہروز کو احساس ہوا کہ لڑکی میں کھوئے ہونے کے باعث وہ منوچہر اور شاہ ور کے درمیان ہونے والی گفتگو کو نہیں سن سکا۔

”وہ ہمیں کہاں لے جانا چاہتا ہے؟“ شہروز نے پوچھا۔

”شکر ہے تمہیں ہوش تو آیا۔“ منوچہر کو غالباً اس کی وارفتگی کا احساس ہوگیا تھا پھر وہ شاہ ور کی طرف پلٹا۔

”لانچ کی حفاظت کیلئے یہاں کسی کو چھوڑنا ہوگا' شاہ ور!“ اس نے کہا۔

”شاید تم بھی یہ ہی کہنا چاہتے تھے۔“

''جی ہاں...... بالکل۔''

''تب پھر ہم دو لڑکوں کو یہاں چھوڑیں گے۔ علی رضا...... حشمت تم دونوں لانچ کی حفاظت کرو گے۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہو تو صرف ہوا میں فائر کرنا آواز سنتے ہی ہم تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے۔

''میں بھی یہیں رکنا چاہتا ہوں جناب!'' جمیل نے کہا۔

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔'' کپتان نے کہا ''لیکن تم لوگ ادھر ادھر مٹر گشت نہیں کرو گے۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ سردار نے بھی جو اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا قدم اٹھائے۔ منوچہر اور سردار کے بعد شہروز اور انوار بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔ شاہ ور اکیلا تھا اور اس کے بعد دوسرے لوگ ایک ساتھ قدم اٹھا رہے تھے۔ ان سب کے پیچھے نوجوان سردار اور دوسرے چھوٹے سرداروں کی قیادت میں جنگلی آگے بڑھ رہے تھے۔ شہروز یہ سوچ رہا تھا کہ کیا شاہ ور نے اسے لڑکی کو گھورتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟

''کیا یہ آدم خور ہیں، جناب!؟'' انوار نے اچانک ہی اس سے پوچھ لیا۔

''سنا تو یہ ہی ہے۔'' شہروز نے مختصراً جواب دیا۔

''کیا یہ بہت سوں کو کھا چکے ہیں؟''

''ایک کتاب میں لکھا ہے کہ یہ سب سے زیادہ وحشت ناک آدم خور ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ یہ سچ کر کانپ سا گیا کہ کیا وہ لڑکی بھی آدم خور ہوگی؟



ساحل پر آگے جا کر جنگل تھا اور اس میں ایک راستہ نظر آ رہا تھا۔ اس راستہ پر درختوں کی ٹہنیاں جھکی ہوئی تھیں۔ یہاں خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ ان درختوں اور جھاڑیوں میں کوئی پرندہ نہیں تھا۔ راستہ ختم ہوتے ہی اچانک ایک مکان سامنے آ گیا۔ یہ بڑی عمارت تھی اس کے چاروں طرف گھاس تھی۔ اس عمارت کو بوایوگائی'' یعنی استقبالیہ کہا جاتا تھا۔ یہاں اجنبیوں کو رکھا جاتا تھا اور اس میں اسکائی لارک کے ملاحوں کی کل تعداد سے چار گنا زیادہ افراد سما سکتے تھے۔

منوچہر عمارت کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''میرا خیال ہے کہ عمارت ساحل سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔'' اس نے شہروز سے کہا۔

''جی ہاں...... بمشکل دس پندرہ منٹ کا فاصلہ ہوگا۔'' شہروز کے اس جواب کے ساتھ ہی وہ عمارت میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے عمارت کا معائنہ کیا۔ اس کی دیواروں کو چھو کر دیکھا جو سرخ رنگ کی تھیں۔ چھتیں لکڑی کے بھاری ستونوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ فرش پر ناریل کی چھال کا قالین تھا۔ عمارت کے دونوں طرف بلند پلیٹ فارم تھے۔ جن کا استعمال سونے کیلئے ہوتا تھا۔ قریب ہی ایک اور بڑا کمرہ نظر آیا۔ اسے غالباً باورچی خانے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہاں ایک بڑا تندور تھا۔ ایک طرف الماری نما خلاء میں مٹی کے درجنوں برتن رکھے ہوئے تھے۔ کچھ لکڑی کے برتن بھی نظر آ رہے تھے۔

منوچہر نے سردار کے سامنے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر سردار کے اشارے پر وہ باورچی خانے سے باہر آ گئے۔ سردار اب انہیں ایک اور راستے پر لے جا رہا تھا۔ یہاں پانچ سو گز دور ایک اور مکان نظر آیا۔ یہ اگرچہ چھوٹا مکان تھا لیکن اس کی تعمیر میں زیادہ نفاست سے کام لیا گیا

تھا۔ اس کے اندر سجاوٹ بھی بے مثال تھی اور یہ ایک بلند پلیٹ فارم پر تھا۔ یہاں صرف منوچہر اور شہروز کو اندر داخل ہونے کیلئے کہا گیا۔ ان کے ساتھ نوجوان سردار بھی اندر داخل ہوا۔

اندر پہنچتے ہی ان دونوں کو احساس ہوگیا کہ یہ مکان بلند منصب لوگوں کیلئے مخصوص ہے۔ فرش پر کسی چیز کا بنا ہوا ایسا قالین تھا۔ جس کی موٹائی چھ سے آٹھ انچ تھی۔ یہ قالین حیرت انگیز طور پر نرم بھی تھا۔ سونے کیلئے مخصوص پلیٹ فارم بھی ننگے نہ تھے۔ یہاں حسن اور خنکی کا احساس بہت واضح تھا۔

سردار نے اشارے سے کہا کہ یہاں منوچہر اور شہروز رہیں گے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"کیوں، ٹھیک ہے؟" منوچہر نے شہروز کی طرف دیکھا۔ "مگر اس طرح ہم باقی لوگوں سے الگ ہوجائیں گے۔" شہروز نے اپنی رائے دی۔ "ہاں یہ بات تو ہے۔"

"لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ یہ جو چاہتے ہیں وہ انہیں کرنے دیں۔ بشرطیکہ ان میں ہمارا نقصان نہ ہو۔ میرا خیال ہے یہ ہمیں ملاحوں کا سردار سمجھ رہے ہیں۔"

"ویسے یہ بہت چالاک لوگ ہیں۔ انہوں نے ہمیں کتنی جلدی اپنے لوگوں سے الگ کردیا ہے۔" شہروز نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بڑے مکان میں شاہ ور لوگوں کا کمانڈر ہوگا۔"

شہروز نے اندازہ لگا لیا کہ شاہ ور پر منوچہر کو اعتماد نہیں ہے۔ منوچہر کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے شہروز سے کہا۔ "اس شخص کا نام کیا ہوسکتا ہے؟

"میرا خیال ہے ہم اسے "والے" کہہ سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"ساحل پر بعض لوگ اسے جس نام سے پکار رہے تھے وہ "والے" سے شروع ہوتا ہے۔ شاید اس کا نام یارک ہے۔"

اسی لمحے سردار اچھل پڑا۔ اس نے شاید اپنی زبان کا لفظ سن لیا تھا۔ اس نے ہلکی سی چیخ ماری اور پھر اپنی طرف اشارہ کر کے بولا "یو...... یارک۔" "یو...... یارک" شہروز نے مسکرا کر نام دہرایا۔

"یو...... یارک......" سردار نے کئی بار سر ہلایا۔ اس پر شہروز نے اپنی انگلی کا اشارہ کر کے اپنا نام لیا لیکن کئی بار کی کوشش کے باوجود اس کا نام نہ دہرا سکا لیکن پھر کئی بار کوششوں کے بعد اسے "شاہ روز" کہنے میں کامیاب ہوگیا۔

ولونوادادا' سردار نے نوجوان سردار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "نوادادا" اس کا اشارہ چھوٹے سردار کی طرف تھا۔

"لیکن نو کا مطلب کیا ہے؟" منوچہر نے شہروز سے پوچھا۔ "شاید اسے ہاں کیلئے استعمال کرتے ہیں۔"

"کمال ہے۔ تم تو بہت جلد ان کی زبان سیکھ جاؤ گے۔" منوچہر بہت خوش ہو رہا تھا۔ "ذرا اس جزیرہ کا نام تو دریافت کرنے کی کوشش کرو۔"

شہروز نے زمین اور پھر چاروں طرف کئی بار اشارہ کیا اور سردار پہلے تو حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ لیکن چند کوششوں میں شہروز یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ جزیرہ کا نام "اولیویا" ہے۔ اس کے بعد اس نے انہیں منوچہر کا نام سکھانے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے زیادہ دلچسپی نہ لی۔ انہوں نے منوچہر کو صرف چیف یعنی بڑا سردار ہی کہنے پر اصرار کیا۔

"یارک کے چہرے پر خوشی دیکھ کر شہروز کو ایسا لگا جیسے منوچہر کا منصوبہ اور حکمت عملی کامیاب رہی ہے۔ لیکن اس کی چھٹی حس اسے بار بار خبردار کر رہی تھی۔ اس کے برعکس غالباً منوچہر کے سر پر اب کوئی بوجھ نہ تھا۔ اور اس کے ستے ہوئے چہرے پر خوشی کے آثار بہت نمایاں تھے۔ اس کا منہ اگرچہ اب بھی قدرے ٹیڑھا تھا لیکن ذہنی کیفیت اعتدال پر آچکی تھی۔

یارک ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کی ناک پھیلی ہوئی تھی اور چہرہ چپٹا تھا۔ ہونٹ موٹے موٹے تھے۔

"میں اب لیٹ کر آنکھیں بند کرلینا چاہتا ہوں شہروز۔" منوچہر نے اچانک ہی کہا۔ "آرام کرنے کو جی چاہ رہا ہے روشنی ویسے بھی بری لگ رہی ہے"،

"آپ لیٹ جائیں اور باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"نہیں۔" کپتان نے اچانک ہی اپنا ارادہ بدل دیا۔ ابھی آرام کا وقت نہیں آیا۔

آؤ، ذرا لڑکوں سے مل کر ان نئے انتظامات کے بارے میں گفتگو کر لیں۔"

پھر وہ دونوں باہر چلے آئے۔ "سنو شہروز!" منوچہر نے انتہائی دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہم یہاں ضرورت سے ایک سیکنڈ بھی زیادہ نہیں رکیں گے۔ لانچ تیار ہوتے ہی ہمارا رخ فیکسن کی طرف ہو گا۔ لیکن جب تک ہم یہاں ہیں ان جنگلیوں سے کسی قسم کی دشمنی مول لینا مناسب نہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے پاس بندوقیں ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہماری تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ہم انہیں محض اپنے رویے سے ہی زیر کر رہے ہیں۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کی عورتوں سے دور رہا جائے۔" منوچہر نے یہ کہہ کر شہروز کو بغور دیکھا اور پھر مزید کہا۔ "یہی واحد طریقہ ہے" اور یہی بات اس نے دوسرے ملاحوں سے بھی کہی۔

"لیکن اگر وہ عورتوں کے مسئلے پر کسی منفی ردعمل کا مظاہرہ نہ کریں تب؟" یہ سوال پوچھنے والا اختر تھا۔

"ممکن ہے عورتیں برا نہ مانیں اختر! لیکن مرد ضرور مانیں گے۔ اور ان کی اس مسئلے پر ناراضگی ہی ہنگامہ اور لڑائی کو جنم دے سکتی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ ہم اسکائی لارک میں نہیں' ہمارا جہاز ختم ہو چکا تھا۔ لانچ طویل سفر کے قابل نہیں۔ شاہ ور! تم اس عمارت میں ان لوگوں کی کمان کرو گے اور اگر کوئی عورتوں کے بارے میں اس حکم کے منافی کرے تو فوراً رپورٹ کرو گے۔"

"ٹھیک ہے جناب!" شاہ ور نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اور حکم عدولی کرنے والے کو کوڑے مارے جائیں۔" منوچہر نے ایک بار دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا۔ جس پر کئی ملاحوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نوید مسکرا دیا وہ عجیب سرشت کا مالک تھا۔ اور اس کی یہ مسکراہٹ اس کے ٹھوس کردار کا آئینہ دار تھی یا شاید وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کوڑے کھانے میں کتنا مزا آتا ہے۔

"لانچ کی نگرانی کیلئے تمہیں ایک لنگر کی ضرورت ہو گی۔ شاہ ور۔" منوچہر نے کہا۔ نگرانی کیلئے ضرورت رات کو ہوتی ہے۔ نگرانی کرنے والے مسلح ہوں گے باقی لوگ لانچ کو خالی کرنے کا کام سرانجام دیں گے اور سارا سامان اس بڑی عمارت میں لایا جائے گا۔

شاہ ور سر ہلاتا رہا۔

"کل تہوار کا دن ہے۔" غالباً منوچہر کو علم تھا کہ کل عید کا روز ہے۔ "کل ہم آرام کریں گے لیکن یہ خیال رکھیں گے کہ ہم اپنے جہاز پر نہیں۔"

یوں ملاح شاہ ور کی کمان میں چلے گئے۔ یہ بات واضح تھی کہ عورتوں سے متعلق پابندی پر کئی ملاح معترض تھے۔

پھر یارک نے منوچہر کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچ لیا۔ وہ اسے ایک طرف لے جا رہا تھا اور شہروز اس کے پیچھے پیچھے اس کے دوسرے ساتھی کے ساتھ چل رہا تھا۔ نصف راستے پر پہنچ کر شہروز کو احساس ہوا کہ وہ انہیں گاؤں کی سمت لے جا رہا ہے۔

یہ گاؤں ایک خلیج میں واقع تھا۔ اور اس کے مکانات ایک قطار میں نہیں بلکہ الگ الگ اور بکھرے ہوئے تھے۔

اگرچہ وہ ساحل سے گاؤں کے حجم کا اندازہ نہیں لگا سکے تھے۔ لیکن یہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا تھا کہ گاؤں ہلال نما ساحلی پٹی پر پھیلا ہوا ہے۔ ان پر اب درجنوں آنکھیں جمی ہوئی تھیں۔ کئی لوگ بند دروازوں کی جھریوں سے جھانک رہے تھے' کچھ درختوں کے پیچھے سے' بعض گھبرا کر راستے سے ہٹ گئے تھے۔ کچھ نے چہرے چھپا لئے تھے۔ اور کچھ ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔

وہ تندوروں کے قریب سے گزرے جن میں آگ سلگ رہی تھی۔ اور عجیب سی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ ایسی جگہ سے گزرے جہاں بڑے بڑے برتنوں میں ناریل کا تیل نکالا جا رہا تھا۔ پھر انہیں چند نئے مکانات نظر آئے۔ ان کے ساتھ ساتھ ہی پرانے مکانات تھے۔ بعض مکانات کی مرمت بھی ہو رہی تھی۔ کئی مکان ایسے تھے جن کی چھتیں گری ہوئی تھیں۔ یہ ان بچوں کے مکانات تھے جو یتیم و لاوارث تھے۔ اور ان مکانوں کو ان بچوں کے جوان ہونے کا انتظار تھا تب ہی ان کی از سر نو تعمیر ممکن تھی۔

پھر وہ گاؤں کے وسط میں ایک چوک پر پہنچے جسے "لالا" کہا جاتا تھا۔

یہاں انہیں معبد کی پہلی جھلک نظر آئی جو شاکالا کہلاتا تھا۔ یعنی دیوتاؤں کا گھر "لالا" سے گزر کر وہ شاکالا تک پہنچے۔ جس کی گنبد نما سمت پندرہ فٹ بلند تھی۔ اس میں زینہ

بھی تھا۔ نچلے حصے میں کئی مقدس پتھر تھے۔ ایک بڑے پتھر کو انتہائی خوبصورتی اور ریشمی کپڑے سے سجایا گیا تھا۔

معبد کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ ہر دیوار میں کھڑکیاں تھیں۔

شہروز اور منوچہر معبد کے سامنے کچھ دیر تک کھڑے رہے۔ جو کسی عفریت کی مانند آسمان کی طرف منہ اٹھائے ہوئے تھا۔

شہروز نے یارک کی طرف دیکھا جو منوچہر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ معبد کی بنیادوں کے قریب ایک درخت تھا۔ جس میں آڑو جیسے پھل لٹک رہے تھے۔ یارک نے اپنے مہمانوں کو نہیں بتایا کہ اس درخت سے ٹپکنے والا گوند دراصل وہ زہر ہوتا ہے جس میں وہ اپنے نیزے اور تیر بجھا کر زہر آلود کرتے ہیں۔

یہاں سے وہ ایک نہر نما نالا عبور کر کے دوسری طرف پہنچے۔ اس میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی بھرا ہوا تھا اور دور ساحل کے ساتھ ساتھ ان گنت چھوٹی چھوٹی کشتیاں نظر آ رہی تھیں۔

یارک کے گھر کی طرف جاتے ہوئے انہیں بہت سے پھل دینے والے درخت بھی نظر آئے۔

یارک کے گھر کو دیکھ کر انہیں اتنی ہی حیرت ہوئی جتنی معبد کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ وہ پہلے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ جو درختوں سے بھرا ہوا تھا اور جن کے پتے ہوا کے دوش پر تالیاں بجا رہے تھے۔ یہاں سمندر کی گڑگڑاہٹ بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

وہ یارک کی سرکردگی میں اندر داخل ہوئے۔ اس مکان کی چھتیں مسطح تھیں اور دیواریں خوبصورت' اندر انتہائی خوشگوار خنکی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہاں انہوں نے وہ دس ستون دیکھے جن پر عمارت کھڑی ہوئی تھی' تمام ستون سیاہ رنگ کی چھال میں ملفوف تھے' فرش پر جو قالین تھے۔ وہ انتہائی نفاست سے بنے گئے تھے اور ان میں پیر دھنس رہے تھے۔ اندر کی سجاوٹ بھی دیدنی تھی۔"

جب وہ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے تو یارک کے چہرے پر طمانیت تھی اور کیوں نہ ہوتی...... دیوتا اس کے گھر آئے تھے پھر اچانک کئی جنگجو اندر داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں تین

فٹ لمبا لکڑی کا ایک بڑا پیالا تھا جس کو انہوں نے یارک اور مہمانوں کے سامنے کچھ فاصلے پر رکھ دیا۔ شہروز پیالے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا یہ پیالا لکڑی کے ایک ہی ٹکڑے سے بنایا گیا تھا اور اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آ رہا تھا۔

جلد ہی مکان جنگجوؤں سے بھرنے لگا۔ اگرچہ وہ غیر مسلح تھے۔ لیکن انہوں نے حالت جنگ کا حلیہ بنا رکھا تھا۔ مکان میں داخل ہونے سے قبل وہ گھٹنوں کے بل جھکتے اور پھر ایک طرف ہو جاتے۔ غالباً ان کو یارک کے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت یا پھر جرأت نہ تھی۔ وہ تقریباً پچاس تھے اور سب کے سب پیالے سے دور بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ افراد پیالے سے پیچھے نصف دائرہ کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہرے یارک اور مہمانوں کی طرف تھے۔

انہی میں سے ایک گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اپنے سردار اور مہمانوں تک پہنچا اور اس نے ناریل کے خولوں سے بنے ہوئے پیالے ان کے سامنے رکھ دیئے۔ ان پیالوں پر خوبصورتی سے پالش کی گئی تھی جبکہ اندرونی حصہ چمک رہا تھا۔ تب ہی چھ نوجوان عورتیں اندر داخل ہوئیں اور تیزی سے پیالے کے بائیں طرف سر جھکا کر بیٹھ گئیں۔

"واہ، شہروز! منوچہر نے مسکرا کر کہا۔ "تمہارے تو مزے آ گئے۔ خود میرے بوڑھے خون میں کڑھی جیسا اُبال محسوس ہو رہا ہے۔"

"شہروز مسکرا کر خاموش رہا۔"

یہ عورتیں دوسری عورتوں کے برعکس سبز پتوں کا لباس پہنے ہوئی تھیں جو ان کے گھٹنوں تک تھے۔ ان کی کلائیوں پر تازہ پھول بندھے ہوئے تھے' ان عورتوں کی رنگت سیاہ شہد کی مانند تھی اور جسم کے تمام حصے تیل کی وجہ سے چمک رہے تھے۔

کسی نے ہر لڑکی کو تازہ نکالی گئی جڑیں تھما دیں اور لڑکیاں ان جڑوں کو چبانے لگیں۔ وہ جڑ کا ایک حصہ گنے کی طرح توڑتیں' اسے چبا کر گیند سی بناتیں اور پھر پیالے میں جمع کرتی جاتیں۔

"کیا ہمیں یہ رس پینا ہوگا۔ شہروز؟ منوچہر کے چہرے پر تشویش کے سائے دوڑ رہے تھے۔

"ایسا ہی لگتا ہے۔ جناب!" شہروز نے اگرچہ جواب مسکرا کر دیا تھا لیکن اسے خود یہ سوچ کر کراہت محسوس ہو رہی تھی اسے پھر وہی لڑکی نظر آ گئی جو ساحل پر نظر آئی تھی۔ وہ چشم تصور میں اس لڑکی کو انسانی ٹانگ بھنبھوڑتے دیکھنے لگا۔ اس نے گھبرا کر سامنے موجود مردوں اور عورتوں کو دیکھ کر سوچا کہ کیا یہ لوگ انسانی گوشت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

اب مطلوبہ گیندیں پیالے کے اندر ڈالی جا چکی تھی پھر ایک لحیم شحیم شخص نے پیالے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس طرح ہلایا کہ تمام گیندیں ایک بڑی گیند میں بدل گئیں۔

ساتھ ہی ایک دور بیٹھے ہوئے بوڑھے نے آہستہ سے کچھ کہا جس پر ایک شخص چھ فٹ لمبا بانس لے کر اندر آیا جس کے بالائی حصے پر سبز گھاس لگی ہوئی تھی اس نے پیالے میں بانس ڈال کر ہلانا شروع کر دیا اور پیالے کے اندر کا رس حیرت انگیز طور پر کھوکھلے بانس میں جانے لگا۔

پورے مکان میں سناٹا تھا اور صرف بانس ہلانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

شہروز یہ سوچ کر ہی اعصابی کشیدگی محسوس کرنے لگا کہ وہ بھی اس رسم میں شریک ہے۔ اس نے منوچہر کی طرف دیکھا جو بانس ہلانے والے کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

اچانک ہی پیالے سے دور بیٹھے ہوئے افراد نے آہستہ آہستہ تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ یہ تالیاں بتدریج تیز ہوتی گئیں اور پھر سب ہی گانے لگے۔ تاہم پیالے کے قریب موجود افراد خاموش رہے۔

اسی شور میں ایک شخص جو پھولوں سے لدا ہوا تھا اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک پیالا تھا جو اس نے بانس والے کے سامنے کر دیا' بانس اٹھا کر اس پیالے میں اسے ٹپکا دیا گیا۔

پھولوں سے لدے ہوئے شخص نے ایک گز کے فاصلے سے یہ پیالا یارک کی طرف بڑھایا۔

گیت کی آواز اور بلند ہو گئی۔ ساتھ ہی پیالا ہاتھ میں لیئے ہوئے ایک شخص نے رقص شروع کر دیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد یارک اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کا جسم بھی تھرک رہا تھا'

تھرکتے تھرکتے وہ بیٹھنے لگا اور پھر اس نے پیالا لے کر منوچہر کو پیش کر دیا۔

منوچہر کو یہ مشروب پینا تھا اس نے جبر کر کے اس کا ایک گھونٹ لیا۔ پھر معاً ہی خاموشی چھا گئی۔ لیکن جونہی منوچہر نے مشروب ختم کیا رقص پھر شروع ہو گیا۔

مشروب اسی انداز میں ایک شخص نے یارک کو اور پھر شہروز کو پیش کیا۔

شہروز نے مسکراتے ہوئے مشروب پی لیا۔ لیکن یہ وہ جانتا تھا کہ وہ مشروب پیتے ہوئے کتنی کراہت محسوس کر رہا تھا۔

دوسری صبح خنک اور حسین تھی، جنوب مشرق سے آنے والی خنک ہوائیں اس دھند کو ختم کر رہی تھیں جو جزیرے پر چھائی ہوئی تھی۔

صبح کی ہلکی روشنی پھوٹتے ہی شہروز کی آنکھ کھل گئی۔ ایک لمحہ تک تو وہ یہ ہی سوچتا رہا کہ کہاں ہے۔ لیکن پھر اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ اس نے منوچہر کے پلیٹ فارم کی طرف دیکھا وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ دراصل منوچہر رات بھر بے چینی کے سے عالم میں سوتا رہا تھا۔ شہروز نے اٹھ کر ایک کھڑکی کھولی اور اس کی روشنی میں کپتان کا بغور جائزہ لیا اور پھر اسے جگانے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ منوچہر اب بھی کراہ رہا تھا۔

سورج ابھی تک طلوع نہیں ہوا تھا۔ لیکن آسمان سے روشنی آ رہی تھی مشرق میں افق پر نیلا اور سرخ رنگ نظر آ رہا تھا۔ شہروز خاموشی سے بڑی عمارت کی طرف چلا آیا۔ جہاں جمیل کے سوا تمام افراد بیدار ہو چکے تھے اور کئی نے نہانے کیلئے ساحل کا رخ کیا تھا۔ شہروز نے جمیل کو جگا کر کچھ دوائیں دیں اور پھر انوار کے بارے میں کچھ ہدایات دے کر اپنے مکان کی طرف واپس آ گیا۔ جہاں اب منوچہر بھی بیدار ہو چکا تھا۔

"لڑکوں کا کیا حال ہے۔ شہروز؟" منوچہر نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ بعض ساحل پر نہا رہے ہیں"

"اور جمیل......؟"

"میں اسے دوائیں دے آیا ہوں۔ آپ کا سر درد اب کیسا ہے۔"

"درد تو اب بھی ہو رہا ہے۔" منوچہر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ نیند سے بھی افاقہ نہیں ہوا"

"آپ کو سوتے رہنا چاہئے تھا۔"

"تمہارا پروگرام کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اس جزیرے کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کریں۔ لیکن اس طرح کے ان دشمنوں کو برا نہ لگے۔"

"درست لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔"

"میں بھی یہ ہی چاہتا ہوں۔ میں انوار کو ساتھ لے جاؤں گا۔" وہ یہ ہی باتیں کر رہے تھے کہ انوار آ گیا۔

"انہوں نے اپنا کھانا بھیجا ہے کہ اگر ہم تین سال تک بھی سفر کرتے رہے تو ہمیں کھانے کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ جناب!" انوار نے پر جوش انداز میں کہا۔

"اچھا......" منوچہر ہنس پڑا۔ "کیا کیا ہے کھانے میں؟"

"سبزیاں، پتوں میں لپٹی ہوئی مچھلیاں اور گوشت۔"

"آہ شہروز خدا ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔" منوچہر نے طمانیت بھرے انداز میں کہا۔

"جی ہاں"

شہروز نے اس کا دل رکھنے کی خاطر کہا۔

"انوار میں اور تم جزیرے کا جائزہ لینے کیلئے چلیں گے۔ شاہ ور سے نمکین گوشت اور بسکٹ لے آؤ تاکہ اگر ہمیں بھوک لگے تو ہم کھا سکیں۔"

"کیا تمہارے پاس پستول ہے۔" شہروز نے پوچھا۔

"شاہ ور صاحب! نے لے لیا جناب۔"

"تب پھر اس سے پستول واپس لے لو اور کچھ گولیاں بھی اور وہاں اس سے کہنا کہ کپتان کیلئے کھانا بھیج دے۔"



انہوں نے مکان کے عقب والا راستہ اختیار کیا جو بظاہر آمدورفت کیلئے بہت کم استعمال ہوتا تھا۔ پھر جلد ہی وہ ایک ایسے بلند مقام پر پہنچ گئے جہاں گھاس نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ صرف ناریل کے درخت تھے۔ شہروز کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ جزیرہ ہر جگہ سے مختلف ہے۔ یہاں کے بعض حصے گیلے تھے اور بعض بالکل خشک بلندی سے انہوں نے اس مقام کی سمت دیکھا۔ جو ہریالی کے باعث سبز قالین کی طرح نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔ لیکن پھر جزیرے کے مغربی حصے میں ایک بلند جگہ شہروز رک گیا اب سورج بلند ہو چکا تھا۔ گرمی شروع ہو چکی تھی اور وہ کھانے کیلئے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے تھے۔ یہاں مچھر بھی تھے۔

"کیا جنگلیوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ مچھروں کو بھگانے کیلئے دھویں والی آگ کیسے سلگائی جاتی ہے اور کھڑکیاں کس طرح بند کی جاتی ہیں؟" شہروز نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"وہ آئے تھے۔" انوار نے جواب دیا۔ "لیکن ہمارے لوگوں کو آگ سے ڈر لگنے لگا اور انہوں نے بانس بھی ہٹا دیئے۔"

"کس کے حکم سے؟" شہروز کو جانے کیوں غصہ آ گیا۔

"شاہ ور صاحب نے حکم دیا تھا۔ انوار نے کہا۔" انہوں نے اختر کی مدد سے آگ بجھا دی تھی پھر مچھر آ گئے اور ان کی وجہ سے نوید کو غصہ آ گیا۔ اس نے لالٹین جلالی۔ اس پر بھی شاہ ور صاحب نے اعتراض کیا۔ لیکن رمضو نے نوید کی حمایت کی۔

اس کے بعد علی رضا اور حشمت بھی مچھروں کی وجہ سے بیدار ہو چکے تھے اور ان سب لوگوں نے مل کر الاؤ پھر جلا لیا اور کھڑکیاں بند کر لیں۔"

"کیا شاہ ور نے کپتان کے بارے میں بھی کچھ کہا تھا۔؟"

"جی ہاں......" انوار یہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"بتاؤ کیا کہا تھا؟" شہروز کے اصرار پر انوار بولا۔

"اس نے کہا تھا کہ...... کپتان غداری کا مرتکب ہوا ہے۔" انوار نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔"اور......اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر یہاں سے نکلنے اور مہذب دنیا میں پہنچنے کا موقع مل گیا تو وہ کپتان پر جہاز کو تباہ کرانے کا مقدمہ چلوائے گا۔ کیا ایسا ممکن ہے۔ صاحب!"

"نہیں اس کے برعکس خود شاہ ور پر جہازیوں میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کے الزام میں مقدمہ چل سکتا ہے اور تمہیں علم ہے کہ اس الزام کی کیا سزا ہے۔ انوار! صرف اور صرف پھانسی! اور کوئی خاص بات"

"آج صبح جب میں نمکین بسکٹ اور گوشت لینے گیا تو شاہ ور صاحب نے پہلے تو صاف انکار کر دیا وہ پستول بھی نہیں دے رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ رسد سنبھال کر رکھی جائے۔ لیکن جب میں نے اصرار کیا تو انہوں نے غصے میں کہا جو چاہو لے لو...... پھر جب میں یہ سامان لے کر نکلا تو اختر نے بھی میرا راستہ روکا۔ اور اس سے میری باقاعدہ تکرار ہو گئی میں بھی غصے میں آ گیا میں نے اسے راستے سے ہٹانے کیلئے گولی مارنے کی دھمکی دی اس پر شاہ ور صاحب نے آگے بڑھ کر اختر کو کھینچا اور خبردار کیا کہ اگر اختر نے ہاتھ اٹھایا تو وہ اس کو سزا دیں گے اس پر اختر نے کہا آپ نے تو ہتھیاروں کے بارے میں...... وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ شاہ ور صاحب نے اسے تھپڑ مار دیا اور اختر کے منہ سے خون نکلنے لگا۔

پھر شاہ ور صاحب میری طرف پلٹے انہوں نے کہا کہ جاؤ کپتان سے کہنا کہ ان کا کھانا بھجوا دوں گا۔ میں چل دیا۔ لیکن میں نے شاہ ور صاحب کی وہ بات سن لی جو وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"کیا مروانا چاہتے ہو۔ تم اتنے منہ پھٹ کیوں ہو۔ کوئی بات ہضم نہیں کر سکتے۔"

"آخر اب تمام باتوں کا کیا مطلب ہے۔ شہروز صاحب؟" انور نے سب کچھ بتا کر پوچھا۔

"یہ واقعہ کسی اور نے بھی دیکھا انوار؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔ زیادہ تر لوگ آنے والے کھانے کو دیکھ رہے تھے یا ساحل پر تھے اور کھانا باورچی خانے میں تھا لیکن شاید جمیل نے کچھ دیکھا یا سنا ہو وہ اندر ہی لیٹا تھا۔

شاہ ور کی اس حرکت پر شہروز بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ اسے خدشہ تھا کہ شاہ ور جہازیوں میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ اس کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟ یہ سوال بڑا اہم تھا۔ بظاہر اختر تو اس کے ساتھ ہی تھا ممکن ہے کہ دوسرے بھی اس کے ہمنوا ہوں۔

"ممکن ہے۔ شاہ ور کی ان کی حرکتوں اور اختر کے اقدام کا کوئی خاص مقصد نہ ہو انوار لہذا میں اس بارے میں زیادہ نہیں سوچوں گا۔" اس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"اختر کی فکر مت کرو...... وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ تم نے شاہ ور کی تنبیہ تو خود سن لی ہے میرا خیال ہے شاہ ور تمہیں پسند کرتا ہے۔"

چند لمحوں کے بعد وہ جزیرے کے بارے میں مزید معلومات جمع کرنے کیلئے اٹھ گئے وہ بلندی پر ہی چلتے رہے اس باران کا رخ جنوب کی سمت تھا اور شہروز خاموشی سے ہر چیز کی تفصیل ذہن نشین کر رہا تھا۔ اس نے انوار کو بھی تمام باتیں ذہن نشین کر لینے کی ہدایت کی تھی۔

"صاحب" انوار اچانک ہی ایک جگہ پہنچ کر اچھل پڑا۔ "دیکھیں وہی کشتی نظر آ رہی ہے جو ہمیں جزیرہ تک لائی تھی۔

شہروز نے دیکھا کہ کشتی تیزی سے جھیل میں سفر کر رہی ہے۔ "یہ تو ذرا بڑی کشتی ہے" اس نے کہا۔

"پارک والی"

"یہ کہنا مشکل ہے۔" شہروز نے جواب دیا۔ "ممکن ہے کہ اس کے پاس ایک سے زیادہ کشتیاں ہوں۔ ہم نے گاؤں میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں تو دیکھی ہیں۔ لیکن اتنی بڑی کشتی ہمیں کہیں نظر نہیں آئی تھی۔"

"تب پھر یہ کشتی کسی اور جزیرے کی ہوگی جناب! انور کی اس بات پر شہروز نے

کوئی جواب نہیں دیا لیکن اسے یقین تھا کہ اس قسم کی کشتی سمندر میں بھی سفر کر سکتی ہے وہ اسے اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کشتی ناریل کے درختوں میں اوجھل نہ ہو گئی پھر شہروز نے مغرب کی سمت جانے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ اب دھوپ کی شدت کے باعث چلنا مشکل ہونے لگا تھا۔

تیس منٹ بعد وہ صاف ستھرے راستے پر پہنچ گئے تھے اور اس پر چلتے چلتے اچانک ساحل پر آ پہنچے۔ یہاں ساحل ڈھلان کی شکل میں سمندر میں اتر رہا تھا اور اس جگہ وہ انوار کے اصرار پر تیرنے کیلئے تیار ہو گیا انہوں نے کپڑے اتار کر راستے کے قریب ساحل پر ہی چھوڑ دیئے۔ پستول اور گولیاں کپڑوں کے اوپر ہی رکھ دیں اور پہلے انوار نے غوطہ لگایا یہاں اسے خوش رنگ مچھلیاں نظر آ رہی تھیں۔

پھر دونوں کمر کمر تک پانی میں چلے آئے۔ یہاں اچانک ہی ان کی نظریں مچھلیوں کے ایسے جوڑے پر پڑیں جو آتشی رنگ کا تھا۔ انوار انہی کی طرف بڑھ گیا لیکن ایک مچھلی نے اسے کاٹ لیا۔ انوار اب ہنس بھی رہا تھا اور خوفزدہ بھی تھا اس نے ہنستے ہوئے پانی سے ہاتھ اٹھایا جس سے دو جگہ پر خون کے قطرے ٹپک رہے تھے پھر اسے ایک آبی سانپ نظر آیا۔ جس کی رنگت پیلی اور بھوری تھی تب ہی وہ ایک بے ضرر سی شارک مچھلی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور وہ پیچھے چلا آیا۔ جہاں اس نے شہروز کو ان باتوں کی تفصیل بتائی۔

شہروز ہنس کر خاموش ہو گیا۔ دونوں پانی سے نکل آئے۔ انوار سیپیاں ڈھونڈنے لگا اور شہروز شاہ ور کے بارے میں سوچتا رہا۔ لیکن وہ بھی جلد ہی واپس آیا۔ اس کے ہاتھوں میں سیپیاں نہیں تھیں بلکہ مٹھی بند تھی اس نے مٹھی شہروز کے سامنے کھول دی۔

''یہ کیا ہے...... انوار؟''

''پتہ نہیں جناب!'' شاید لکڑی کا برادہ ہے۔ ساحل پر ایک درخت کے نیچے ملا ہے۔'' انوار نے کہا۔ شہروز نے اسے بغور دیکھا۔ برادے میں ریت اور مٹی ملی ہوئی تھی۔

''چلو مجھے وہ جگہ دکھا دو...... جہاں سے تم نے اسے اٹھایا تھا۔''

''وہ درخت زیادہ بڑا نہ تھا۔ اس کے پتے بھی چھوٹے چھوٹے تھے اس نے وہاں پڑا ہوا برادہ اٹھا کر دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر رگڑا ہلکی سی رگڑ کے ساتھ ہی برادہ گرم ہو گیا

اور اس سے خوشبو پھوٹنے لگی۔

''اوہ...... یہ صندل ہے'' شہروز نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ اور پھر درخت کی ایک ننگی شاخ کو سونگھنے لگا۔

''انوار۔'' شہروز بہت جوش میں تھا اور پھر اس نے درخت کے گرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ پہلے تو انوار اسے دیکھتا رہا اور ہنستا رہا۔ لیکن پھر وہ بھی رقص میں شامل ہو گیا۔ ''یہ تو خزانہ ہے۔ انوار خزانہ۔'' شہروز نے کہا۔ ''سب سے قیمتی لکڑی ہے یہ۔'' اسے یہ بھی احساس تھا کہ جنگلیوں کے جسم سے صندل کی خوشبو آتی ہے۔

کپڑے پہنتے ہوئے بھی وہ صندل کی لکڑی کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ درخت کاٹ کر ساتھ لے جانا بعد کی بات ہے فی الحال تو انہیں اپنی بقا کی فکر کرنی چاہئے وہ اداس سا ہو گیا۔ پورٹ نیکسن یہاں سے بہت دور تھی۔ لانچ کی مرمت کرنی تھی اس مشن میں شاہ ور کا کردار پہلے ہی مشکوک ہو گیا تھا پھر لانچ کے ذریعے سمندر میں پہنچنے کے بعد انہیں ایسا جہاز تلاش کرنا تھا جو ان کی مدد کر سکے۔

''انوار!'' اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''لکڑی کے بارے میں تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے کپتان کو تو میں خود مطلع کر دوں گا۔ لیکن ملاحوں کو یہ بات معلوم نہیں ہونی چاہئے۔''

پھر وہ واپس چل دیئے۔ حالانکہ سورج پوری شدت سے چمک رہا تھا۔ لیکن پگڈنڈی پر درختوں کا سایہ تھا۔

وہ پگڈنڈی پر یہ سوچے بغیر چلنے لگے کہ یہ کہاں لے جائے گی

تب ہی کہیں آگے سے انہیں ایک آواز سنائی دی۔ وہ فوراً رک گئے یہ آواز نہ تو بلند تھی اور نہ دور۔

''یہ تو کسی عورت کی آواز تھی۔ جناب'' انوار نے سرگوشی کی لیکن شہروز نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ساکت کھڑا رہا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ آواز دوبارہ سنائی دی تو وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔

''ہاں...... ممکن ہے کسی عورت کی آواز ہو۔'' لیکن اسی لمحے ایسا لگا جیسے بند آوازوں کی کھڑکی کھل گئی ہو اب انہیں چیخ سنائی دی تھی اور اس کے بعد گھاس میں دھینگا مشتی سی محسوس

ہونے لگی۔

شہروز نے اپنا پستول نکال لیا اور انوار کو ساتھ لے کر ایک ایسی جگہ کی طرف دوڑ گیا جہاں وہ چھپ سکتے تھے۔ یہاں گھاس بہت گھنی تھی وہ انوار کو گھاس میں دھکیل کر ایک گرے ہوئے درخت کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ اس نے دوسرا پستول بھی نکال کر بھر لیا اور پھر سیدھے ہاتھ میں پستول لے کر کسی نقل و حرکت یا واقعہ کا انتظار کرنے لگا۔

یہ جنگل کا سب سے گھنا حصہ تھا۔ یہاں ہوا بھی بھاری تھی۔ زمین کی مہک آ رہی تھی اور ارد گرد مچھروں کا انبار تھا۔

پھر ٹہنیاں ٹوٹنے کی آواز آئی اور اس کے بعد عورت کی دوسری چیخ سنائی دی۔ ایک ہی لمحہ بعد قدرے دور گھنی جھاڑیوں کی دیوار ٹوٹی اور ایک لڑکی بھاگتی ہوئی نمودار ہوئی وہ روتی ہوئی پگڈنڈی پر آ گری۔ پھر اٹھی اور کسی خوف کے باعث بھاگنے لگی۔ اس کی گردن اور شانوں پر خون نظر آ رہا تھا۔ شانوں کے نیچے کے ایک حصہ پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔

یہ وہی لڑکی تھی جس کو شہروز نے ساحل پر دیکھا تھا۔

اس کا جسم سن سا ہو گیا۔

لڑکی کے پیچھے کوئی اور بھی تھا۔

شہروز نے اپنے اندر نفرت اور عداوت کا ایک عجیب سا جذبہ محسوس کیا۔ یہ لڑکی......

وہ لڑکی کا خون دیکھ کر دیوانہ ہو گیا اور اس نے گولی چلا دی۔

اور جنگل اس کی آواز سے گونج اٹھا۔

گولی جونہی چلی اس آدمی نے بھی شہروز کو دیکھ لیا اس کے چہرے پر خوف تھا اور اس سے قبل کہ وہ کوئی اور قدم اٹھاتا گولی اس کی ناک کے اوپر لگی۔

لڑکی ایک اور چیخ مار کر گر پڑی۔ لیکن شہروز نے اسے گرتے ہوئے نہیں دیکھا کیونکہ وہ تو دوسرا پستول نکال کر دوسرے آدمی کو دیکھ رہا تھا جو پہلے آدمی کے عقب سے نمودار ہوا تھا اس آدمی نے چیخ کر کچھ کہا لیکن دوسری گولی اسے بھی چاٹ گئی۔ تیسرا آدمی یہ صورتحال دیکھ کر کریہہ انداز میں چلایا اور پلٹ گیا۔

''انوار!'' اپنا پستول دو۔ شہروز نے تیزی سے کہا۔ ''اور میرے پستول دوبارہ بھر

دو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے انوار کا پستول کھینچ کر پگڈنڈی کی طرف دوڑ لگا دی۔

''صاحب۔'' انوار یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کے پستول میں گولی نہیں۔ لیکن شہروز نے اس کی آواز نہ سنی اور وہ لڑکی کے قریب سے گزرتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں تیسرا آدمی غائب ہوا تھا۔

انوار نے شہروز کا پہلا پستول لوڈ کیا اور اس کے پیچھے دوڑ گیا۔ اس نے شہروز کو جنگل سے نکلتے ہی جا لیا۔ ''یہ لیں صاحب۔''

''دوسرا پستول کہاں ہے؟''

میں اس خیال سے یہ پستول بھرتے ہی ادھر آ گیا کہ شاید میرا پستول فائر نہ کر سکے۔

''چلو کوئی بات نہیں۔'' شہروز مسکرانے لگا۔ ''لیکن جاؤ اور دوسرا پستول بھی بھر لو۔ پتہ نہیں یہاں کتنے جنگلی موجود ہیں''

لڑکی کروٹ لئے لیٹی ہوئی تھی اس کے بائیں شانے پر اوپر ایک گومڑا ابھرا ہوا تھا جس کی کھال پھٹ گئی تھی اس کے قریب ہی وہ چاقو پڑا ہوا تھا جس سے اسے زخمی کیا تھا۔ شہروز نے بڑی احتیاط سے اسے سیدھا کیا۔ جسم پر بہنے والا خون گردن کے زخم سے نکل رہا تھا اور یہ زخم کسی نیزے سے لگا تھا۔ پھر شہروز نے گرے ہوئے جنگجوؤں کا معائنہ کیا ایک کے گولی سینے میں لگی تھی اور دوسرے کا چہرہ مسخ ہو گیا تھا لیکن اس میں سانس باقی تھی۔

شہروز وہاں سے ہٹ کر لڑکی کو دیکھنے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ قبیلے کی تمام عورتوں میں سے یہی ایک ایسی کیوں نکلی جس کو اس نے بچایا ہے وہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ تب ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے تو ایسا لگا جیسے اسے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے لیکن پھر اس نے شہروز کو دیکھ کر زوردار چیخ ماری۔ اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن شہروز نے اسے پکڑ لیا اور اسے اشاروں سے تسلی دینے لگا اس نے اشاروں سے لاشیں دکھائیں اور پھر اپنی طرف اشارہ کیا لڑکی پہلے تو وحشت ناک انداز میں دیکھتی رہی اور پھر سمجھ گئی کہ اس شخص نے اسے جنگلیوں سے بچایا ہے لہٰذا معاً ہی اس کا خوف ختم ہو گیا اور اس نے ہاتھ پیر مارنا بھی بند کر دیئے۔

شہروز مسکرانے لگا۔ اس نے مرنے والوں کے چاقو اور تیر اٹھائے جس کے بعد وہ گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے ان کے آگے آگے انوار چل رہا تھا۔ لڑکی غالباً نقاہت کے باعث ان کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی لہٰذا انہوں نے بھی قدم سست کر دیئے اس وقت شہروز یہ سوچ رہا تھا کہ صندل کی دریافت پر شاہ ور کا ردعمل کیا ہوگا اور یہ کہ مرنے والے جنگلی کون ہو سکتے ہیں وہ کشتی کس کی تھی جو انہیں جھیل میں تیزی سے جاتی ہوئی نظر آئی تھی کیا وہ حملہ آور تھے اور کیا یہ لوگ جزیرے پر حملے کرتے رہتے ہیں۔؟ اسے ان سوالوں کا جواب درکار تھا۔

گاؤں کے قریب پہنچ کر لڑکی نے پہلی مرتبہ اسے مسکرا کر دیکھا۔ یہ مسکراہٹ بھرپور تھی لیکن فوراً ہی لڑکی پگڈنڈی کی طرف دیکھنے لگی اب وہ لڑکی کے پیچھے چلتے ہوئے اس کی ریشمی سیاہ زلفیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسے چھو کر دیکھے۔ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے ......اور پھر وہ خود کو لعنت ملامت کرنے لگا۔

''صندل ووڈ'' منوچہر حیرت سے چلایا۔ ''یہ تو بہت قیمتی ہوتی ہے ایک ٹن کے ستر پاؤنڈ مل سکتے ہیں۔''

''صفائی کے بعد اسی (80) پاؤنڈ ملیں گے۔ جناب'' شہروز نے ہنس کر کہا۔ ''مہذب دنیا میں تو اس کی قیمت اور زیادہ ہوگی۔''

''لیکن کیا صرف ایک ہی درخت نظر آیا ہے؟''

''جی ہاں۔ تاہم انوار کا کہنا ہے کہ اس نے واپسی پر ایک اور زیادہ بڑا درخت دیکھا تھا۔''

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا اور وہ اپنے مکان میں صورتحال پر تبادلہ خیال کر رہے تھے اس سے قبل منوچہر، شہروز اور انوار کے ساتھ لڑکی کے ہمراہ یارک کے مکان پر گیا تھا وہاں فوراً ہی ایک بڑی تعداد نے انہیں گھیر لیا تھا۔ راستے میں بھی لوگوں نے انہیں دیکھ کر نعرے لگائے تھے اور لڑکی دائیں بائیں دیکھے بغیر پرغرور انداز میں چلتی رہی تھی انہوں نے کشتی کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ اور شہروز کا خیال تھا کہ ملاحوں کے نقشے کے مطابق قریب ہی ایک جزیرہ ہے جس کا نام مونامہ ہے اس نے جن لوگوں کو مارا تھا ان کی رنگت قدرے صاف بھی تھی۔

اور اب وہ شاہ ور کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ منوچہر کو صبح کے اس واقعہ کے بارے میں مطلع کرنا چاہتا تھا جو انوار نے بیان کیا تھا۔ لیکن کپتان کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

پھر خود منوچہر ہی نے موضوع بدل دیا۔

''قتل کا یہ واقعہ زیادہ مناسب نہیں تھا۔ شہروز! لیکن میرا خیال ہے کہ اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا''

''یارک بھی برہم نظر نہیں آتا تھا''

''شاید لڑکی بھی کسی گرے پڑے خاندان سے تعلق نہیں رکھتی'' منوچہر نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''تم نے دیکھا کہ لڑکی کے بیان کے بعد وہ لوگ کتنے خوش تھے اور پھر انہوں نے ان ہتھیاروں میں بھی کتنی دلچسپی لی۔ جو تم نے مرنے والوں سے حاصل کئے تھے۔

رات کو کھانا کھاتے ہوئے وہ ملاحوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک انہیں بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ شہروز نے اٹھ کر کھڑکی سے دیکھا اور وہ ششدر رہ گیا درختوں کے نیچے اسے کئی مشعلیں نظر آئی تھیں۔'' ''گاؤں والے آرہے ہیں۔'' اس نے منوچہر کو مطلع کیا۔

''اس وقت؟'' منوچہر نے لقمہ روک لیا۔ ''مگر کیوں؟''

پتا نہیں...... ان کی قیادت یارک کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کے کئی محافظ بھی ہوں گے۔''

وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو مشعل بردار دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ پھر یارک نظر آیا جس نے کیلوں کے پتوں میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ جونہی وہ قریب آیا۔ جنگجو فرش پر ساکت بیٹھ گئے۔

یارک کے محافظ نے کچھ کہنا شروع کیا۔ لیکن اس کا رخ منوچہر کی بجائے شہروز کی طرف تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شہروز کا شکریہ ادا کر رہا ہے اور کیلوں میں ملفوف چیز لڑکی کی جان بچانے کا انعام ہے۔ محافظ کی تقریر کے دوران کئی بارکلیم کا نام بھی لیا گیا جب بھی یہ نام لیا جاتا بیٹھے ہوئے جنگلی تالیاں بجانے لگے۔

پھر محافظ نے کیلوں کے پتوں میں ملفوف تحفہ شہروز کو پیش کیا۔

"تم بھی شکریہ ادا کردو" منوچہر نے مسکرا کر کہا۔

شہروز نے جو کچھ بھی کہا۔ وہ کسی کے پلے نہیں پڑا۔ لیکن بہر حال وہ مفہوم سمجھ گئے۔ اور سر ہلانے لگے کچھ دیر بعد یہ جلوس جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔

تحفہ کئی پتوں میں ملفوف تھا۔ لہذا اسے کھولنے کے دوران اس کا تجسس بڑھتا چلا گیا اندر کوئی گرم چیز تھی اور جونہی تحفہ سامنے آیا۔ شہروز چیخ اٹھا۔

یہ کسی کا بھنا ہوا سالم ہاتھ تھا۔

دونوں تیزی سے بیت الخلاء کی طرف بھاگے، اور الٹیاں کرنے لگے۔

جب ان کی حالت بہتر ہوئی تو شہروز انوار کے ساتھ تحفہ لے کر جنگل کی سمت میں چلا گیا وہ اسے دفن کر کے جان چھڑانا چاہتا تھا واپسی پر کسی نے بھی کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔

اس روز شہروز کو ٹھیک سے نیند بھی نہیں آئی اور جب آئی تو وہ ایک خواب دیکھ کر شاید خوف کی شدت سے بیدار ہو گیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ساحل والی لڑکی اس سے راز و نیاز کر رہی ہے اور محبتوں کے پھول نچھاور کر رہی ہے۔ معاً لڑکی کو یہ خیال آتا ہے کہ اس کا محبوب بھوکا ہے۔ لہذا وہ فوراً اٹھتی ہے اور ایک انسانی ٹانگ بھوننے لگتی ہے۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد شہروز جب بیدار ہوا تو اس کا پورا جسم پسینے میں تر تھا۔ جسم میں کپکپاہٹ تھی اور اسے متلی سی ہو رہی تھی وہ گھبرا کر مکان سے نکلا اور کھلی فضاء میں سانس لینے کیلئے ساحل کی طرف دوڑ گیا۔

اس واقعہ نے جہاں جنگلیوں کی نظر میں شہروز اور اس کے ساتھیوں کی قدر و منزلت بڑھا دی تھی وہیں جہاز کے عملے کی نظروں میں جنگلی اور گر گئے تھے۔

شہروز ساحل پر تھا کہ عملے کے لوگ لانچ کی مرمت کرنے کیلئے ساحل پر آ گئے وہ انوار سے انسانی ہاتھ والا واقعہ سن چکے تھے۔ ان کی کیفیت عجیب سی تھی۔ لیکن وہ زیادہ عزم کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ تاکہ لانچ جلد از جلد سفر کے قابل ہو سکے اور وہ آدم خوروں کے اس جزیرے کو جلد از جلد چھوڑ کر مہذب دنیا میں واپس جا سکیں۔

کرش نے بادبان بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ وہ ایک ایسا بادبان بنانا چاہتا تھا جو شدید طوفان میں بھی کام آ سکے لہذا اس کا کام بڑھ گیا تھا۔

اگرچہ کام تیزی سے ہو رہا تھا۔ لیکن پورا دن شہروز کی طبیعت عجیب سی اور ناخوشگوار رہی خود منوچہر بھی غیر معمولی طور پر خاموش تھا پورے دن اس نے چند جملوں سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ شہروز کو یہ احساس تھا کہ کپتان بھی بہت بے چین ہے یا تو اس کے زخموں میں تکلیف ہو رہی ہے۔ یا پھر بھنا ہوا ہاتھ اس کے بھی اعصاب پر سوار ہے۔ خود شہروز کو بھی اس کے بارے میں حیرت تھی کہ انسانی ہاتھ اور وہ لڑکی دونوں کس طرح اس کے اعصاب پر سوار ہوئے ہیں۔

پھر اس کے بعد شہروز اور منوچہر کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بھی کپتان کے ذہنی انتشار کا مظہر تھی۔ منوچہر نے رات کے کھانے کے بعد اچانک ہی یہ تجویز پیش کی کہ وہ واپسی کے سفر کے لئے سمندروں کے پُرسکون ہونے کا انتظار کر سکتے ہیں۔ "جتنی تاخیر سے سفر شروع کریں گے راستے میں اتنا ہی کم خراب موسم ملے گا۔ شہروز۔" اس نے کہا۔

شہروز اس تجویز پر عمل کے تصور ہی سے ششدر رہ گیا۔ "کیا آپ سنجیدہ ہیں جناب!؟" اس نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"کیا میں کبھی غیر سنجیدہ ہوا ہوں۔" منوچہر برہم ہو گیا۔

"معاف کیجئے گا میں آپ کو غصہ دلانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن آپ کی اس تجویز سے میں حیرت زدہ ہو گیا ہوں۔"

"ہاں غلطی میری ہی تھی۔ میں نے اچانک ہی یہ تجویز پیش کر دی۔ لیکن بہر حال یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں جتنی دیر ہو گی۔ جنگلیوں سے ہمارے تعلقات اتنے ہی خراب ہوں گے۔ شاید آپ نے آج عملے کے احساسات کا مشاہدہ نہیں کیا۔ کل کے تحفہ کی اطلاع ملنے کے بعد وہ جنگلیوں سے نفرت کرنے لگے ہیں۔"

"ہاں میں نے بھی یہ ہی محسوس کیا ہے۔" کپتان نے کہا۔

"میری رائے یہ ہی ہے۔ کہ ہم جلد از جلد لانچ کی مرمت اور روانگی کے پروگرام پر قائم رہیں۔ شہروز نے کہا۔ اور جب کپتان خاموش رہا۔ تو اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ "اگر ہم یہاں دیر تک رہے۔ تو مجھے خدشہ ہے کہ جنگلیوں سے جھڑپیں شروع ہو جائیں گی۔"

منوچہر ٹہلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اور غالباً اسی غور و خوض کے باعث اچانک اس کے سر میں درد شروع ہو گیا۔

''شہروز اس نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔ ''اگر بڑی عمارت سے سر درد کی گولیاں لا دو تو میں بڑا مشکور ہوں گا۔''

شہروز بھی غالباً یہی چاہتا تھا۔ کہ وہ اس وقت یہاں سے ہٹ جائے لہٰذا اس نے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی تاخیر نہ کی۔ ویسے بھی پہلا موقع تھا کہ کپتان نے اس سے کوئی ذاتی درخواست کی تھی۔

تین روز بعد شہروز کو لڑکی کے اشاروں کی شکل میں پہلی بار وارننگ ملی۔ لڑکی کا باپ وہ ہی تھا جو ساحل پر اس کے ساتھ کھڑا ہوا نظر آیا تھا۔ اور یہ بات انہیں اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی کہ وہ سردار ہے۔ لیکن اب اس نے جنگوں میں حصہ لینا ترک کر دیا ہے۔ لوگ اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے گھر آتے تھے اور اس سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا کرتے تھے۔ اسی باعث لڑکی کو دو اہم باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔ اور وہ جزیرے کی پہلی شخصیت تھی جس نے اس ضمن میں شہروز سے رابطہ کیا تھا۔

اور رابطہ کا یہ طریقہ بڑا پراسرار تھا۔

سہ پہر کو زوردار بارش ہو چکی تھی۔ اس بارش کے باوجود اسکائی لارک کا عملہ اپنے کام میں جتا رہا تھا۔ لانچ کی مرمت اتنی تیزی سے جاری تھی۔ کہ خود شہروز کو حیرت ہو رہی تھی۔ مرمت کے اس کام کے دوران جنگلی لوگ ساحل پر کھڑے بیٹھے یا لیٹے ہوئے انہیں دیکھتے رہتے تھے۔ اور جوش و خروش سے ان اوزاروں کے بارے میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ جو عملہ مرمت کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ انہیں کلہاڑیوں کی دھار دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ جو مضبوط ترین لکڑی کو بھی کاٹ رہی تھیں۔

منوچہر کی حالت بھی اس روز بہتر تھی۔ اگر چہ وہ اب بھی دوائیں کھا رہا تھا۔ اور اس کے سر میں درد بھی ہوتا تھا۔ لیکن مرمت کے کام میں اسکی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ اس نے شاید یہ

تسلیم کر لیا تھا۔ کہ یہاں سے جلد از جلد واپسی ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ جمیل کی حالت مزید ابتر ہو گئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ زندہ تھا۔ اور یہی اس کے بارے میں مثبت پہلو تھا۔ عموماً سکندر اس کے قریب بیٹھا قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔

اس شام شہروز' جمیل کے پاس نہیں رُکا۔ کیونکہ بڑھئی کو ایک کمپاس کی ضرورت تھی۔ جو منوچہر کے ذاتی سامان میں رکھا ہوا تھا۔ لہٰذا شہروز' بنی بخش بڑھئی کی درخواست پر کمپاس لینے بڑی عمارت سے چھوٹی عمارت آ گیا۔ ابھی شام کی روشنی زندہ تھی۔ لہٰذا اندھیرا نہ ہوا تھا۔ اور وہ مکان میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ اچانک اس نے کسی پرندے کی آواز سنی

وہ ٹھٹک گیا...... کیونکہ اس نے جزیرہ میں اب تک ایسی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ یہ آواز پھر آئی اور ایسا لگا جیسے کسی نے سیٹی بجانے کی کوشش کی ہو۔ وہ چند لمحوں تک ساکت رہا۔ لیکن پھر جب یہ آواز نہ آئی تو اندر چلا آیا۔ اس نے کمپاس نکالنے کے لئے سامان کھولنا شروع کر دیا...... لیکن عین اسی وقت وہ آواز پھر آئی۔

شہروز کے ہاتھ رُک گئے۔ اور وہ بہت غور سے آواز سننے لگا۔ اب آواز تواتر کے ساتھ آ رہی تھی۔ لہٰذا وہ کمپاس وہیں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ اس نے سمت کا اندازہ کر کے مکان کے عقبی حصے کی طرف قدم اٹھا دیئے۔ یہاں سے وہ پگڈنڈی پر پہنچ گیا۔ تب ہی اسے یہ احساس ہوا کہ وہ غیر مسلح ہے۔ وہ واپس جا کر پستول لینا چاہتا تھا۔ کہ آواز پھر آئی اور اس بار اتنی قریب سے آئی تھی کہ اس نے پستول لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ تاہم اس نے چاقو نکال کر پیٹی میں اڑس لیا۔ وہ آگے بڑھا تو وہ اسے اچانک ہی نظر آ گئی۔

وہ اس سے صرف سات فٹ دور کھڑی تھی۔ ان کی آنکھیں ملیں تو اس نے پہچان لیا۔ وہ اچانک پلٹی پلٹنے سے قبل اس نے شہروز کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور چل دی۔

شہروز سو گز چلا تھا کہ وہ اسے پھر نظر آئی۔ جس جگہ جھاڑیاں کم تھیں۔ وہ وہیں کھڑی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے جوں ہی شہروز کو دیکھا۔ وہ پگڈنڈی سے ہٹ گئی۔ اور اس بار شہروز نے ذرا تیز قدم اٹھائے تا کہ اسے جا لے۔ وہ ایک سبزہ زار سے گزر کر ڈھلوان پر

پہنچا۔ یہاں ریت ہی ریت تھی۔ اور اس جگہ کو چاروں طرف سے گھنے درختوں نے گھیر لیا تھا۔ ان درختوں پر پیلے رنگ کے پھول لدے ہوئے تھے۔ وہ وہیں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کسی درخت کو ٹوٹی ہوئی ٹہنی تھی۔ اور اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ شاید خوف اسے جکڑے ہوئے تھا۔

شہروز اس کے قریب پہنچ گیا اور اس نے لڑکی کے نیم وا لبوں کے پیچھے ہموار اور خوبصورت موتی جیسے دانتوں کی قطار دیکھی۔ آنکھیں فراخ اور خوبصورت تھیں۔ جن میں خوف کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ اور اس کا جسم صندل کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر شہروز نے اسے اپنا نام بتایا اور وہ مسکرا دی۔ اور اس نے اس طرح ایک طرف سر کو جھٹکا جیسے وہ کوئی پرندہ ہو۔ پھر اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا......شینا!"

"شینا!"

"لو۔ شینا!" وہ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر کھل سی گئی۔ وہ اب اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ جس طرح پہلی بار اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔ شہروز اس وقت یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ شینا آدم خور بھی ہو سکتی ہے۔ اسے صرف یہ احساس تھا کہ شینا ایک نوجوان سردار سے منسوب ہوگی۔ کیونکہ یہاں کی رسم یہ ہی تھی۔ کہ سردار کی بیٹی سردار کے بیٹے سے شادی کرتی ہے۔

ادھر شینا کے جذبات بھی برانگیختہ تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بادلوں سے اترنے والا یہ دیوتا کیا اسے حاصل کرے گا۔ اسے احساس تھا کہ اس شخص نے اسے مرنے سے بچایا ہے۔ اور وہ چاہتی تھی کہ اس پر پہلا حق اسی کا ہو۔ لیکن یہ ناممکن تھا۔ وہ اس کے لیے صرف اتنا کر سکتی تھی کہ اسے خطرے سے آگاہ کر دے۔ لہٰذا وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اور شہروز نے بھی اس کی تقلید کی۔

شینا کی آنکھیں چمک رہی ہیں۔ صندل کی مہک شہروز کو بے چین کیئے دے رہی

تھی۔ لیکن اس لڑکی کو اس مہک کا احساس نہ تھا۔

شینا نے ہاتھ مار کر ریت برابر کی اور ٹہنی سے ریت پر کچھ بنانے لگی۔ پہلے اس نے چند سیدھی لکیریں کھینچیں اور پھر انہیں اس طرح ملا دیا۔ کہ وہ انسانی شکل اختیار کر گئیں۔ شینا نے اس شکل کے اوپر شہروز جیسا پیٹ بنایا۔ اب جو شکل بنی وہ کسی ایسے شخص کی تھی جو لیٹا ہوا تھا۔

"شہروز کچھ نہ سمجھا۔"

"شوانی......" شینا نے کچھ کہا۔ لیکن جب شہروز نہ سمجھ سکا تو اس نے بڑے مکان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے۔ پھر اپنے پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھ کر" آہ......" کی آواز نکالی۔

تب ہی شہروز سمجھ گیا کہ یہ تصویر جمیل کی ہے۔ جو بڑے مکان میں بیمار پڑا ہوا ہے۔"

شینا نے جمیل کی تصویر سے ایک فٹ دور مزید تصویریں بنائیں۔ لیکن ان تصویروں پر پیٹ نہیں تھا۔ ان تصویروں میں بال دراز تھے۔ بعض تصویروں میں انداز نسوانی تھا۔ وہ اسے مرد اور عورت کے درمیان ہونے والے الفاظ بتاتی جا رہی تھی۔ پھر اس نے ایک ٹہنی سے جمیل کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے ایک لکیر کھینچی اور دوسری تصویروں کو اس سے ملا دیا۔

شہروز سمجھ گیا کہ وہ بتانا چاہتی ہے کہ اس قبیلے کے بعض افراد بھی جمیل کی طرح بیمار ہیں۔

اچانک ہی وہ خوفزدہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔ شہروز نے بھی ہلکی سی آواز سن لی تھی جس کے باعث شینا خوفزدہ ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں اب خوف کی شدت کے باعث چمک رہی تھیں۔ اس نے ادھر ادھر کسی خوفزدہ جانور کی طرح دیکھا۔ وہ اسے تسلی دینے کیلئے آگے بڑھا لیکن وہ بھاگ نکلی۔

شہروز نے ایک بار غور سے شبیہوں کی طرف دیکھا...... وہ دیر تک ان پر جھکا رہا اور

پھر معاً اس کے ذہن میں ایک زوردار جھماکا ہوا۔

شاید وہ یہ بتانے آئی تھی کہ گاؤں والے جمیل کو بیماری کا سبب سمجھ رہے ہیں۔ وہ اٹھ کر چھوٹے مکان کی سمت بڑھ گیا۔

منوچہر یہیں بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔

''ارے تم کہاں چلے گئے تھے۔ شہروز؟ میں تو تمہاری تلاش میں لڑکوں کو بھیجنے والا تھا۔'' اس نے بڑی بے قراری کے عالم میں کہا۔

شہروز نے اسے تمام تفصیلات بتا دیں۔

''منوچہر کی رائے یہ تھی کہ جنگلی شاید کل رات لاشوں کا گوشت کھا کر بیمار ہوئے ہیں۔ ممکن ہے...... تم نے اس سے اشاروں کا غلط مطلب نکالا ہو۔'' اس نے کہا۔

''میں بے وقوف نہیں ہوں جناب!......''

''میں نے تو یہ نہیں کہا...... لیکن تم ان کی زبان نہیں سمجھ سکتے لہٰذا غلط مطلب بھی اخذ کر سکتے ہو۔''

''اس نے بہت وضاحت سے لکیریں بنائی تھیں۔''

''تب پھر وہ انسانی گوشت کھا کر بیمار ہوئے ہیں۔''

''نہیں۔ وہ آدم خور نہیں' ان کے معدے انسانی گوشت کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ وہ یہی کہہ رہی تھی کہ ان کو جمیل کی بیماری لگی ہے۔''

''لیکن اس نے تو جمیل کو نہیں دیکھا۔ نہ ہی اسے یہ علم ہے کہ وہ بیمار ہے۔''

''یارک۔ اور محافظ' جمیل کو دیکھ چکے ہیں۔''

''سنو...... شہروز...... یہ سب لایعنی گفتگو ہے۔ اگر یہ کوئی وبائی مرض ہے تو تم پھر اس کا شکار کیوں نہیں ہوئے۔''

''میں کسی بات کی وضاحت نہیں کر سکتا صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ لوگ بیمار ہیں۔''

''لیکن کیا یہاں لوگ پہلے بیمار نہیں ہوتے تھے۔'' منوچہر نے جھلا کر کہا۔

''میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے آدمیوں اور عورتوں کو جمیل کی بیماری لگی ہے۔ جناب!''

شہروز نے جھلاہٹ کے باوجود بہت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔

''شینا...... وہی لڑکی۔''

''جہنم میں گئی وہ لڑکی۔''

تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ اس انتباہ کو درگزر کر رہے ہیں۔''

''میں اسے انتباہ سمجھتا ہی نہیں۔'' منوچہر نے جواب دیا۔

''یہ جنگلی بیمار ہوتے ہی رہتے ہوں گے۔ نہیں۔ شہروز! تم لڑکی کے احمقانہ اشاروں کی بنا پر مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے۔ ہم جمیل کے ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی بیمار نہیں ہوا...... ویسے بھی اگر ایسا ہی ہے جیسا بقول تمہارے لڑکی نے بتایا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''ہم یہاں سے جا سکتے ہیں۔''

''یعنی...... یعنی مرمت...... لانچ کی مرمت ہوئے بغیر......'' منوچہر نے منہ بگاڑ کر کہا۔

''جی ہاں...... اگر ہمیں خطرہ ہے تو پھر بغیر مرمت کی ہوئی لانچ میں سفر کا خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''شہروز۔'' منوچہر کا لہجہ سخت تھا۔ ''کان کھول کر سن لو ہم لانچ کی مرمت سے قبل یہاں سے نہیں جائیں گے۔'' منوچہر کو اس بار غصہ آ گیا تھا۔ اور پھر وہ بولا تو اس کی آواز چیخنے کی آواز سے بھی زیادہ بلند تھی۔ ''تم نے سنا شہروز! میں یہ بات بار بار نہیں دہراؤں گا۔ میں کپتان ہوں اور مجھے علم ہے کہ روانگی کیلئے کون سا وقت مناسب ہے کون سا نہیں اب اگر تم نے زیادہ بکواس کی تو میں تمہیں قید رکھنے کا حکم دوں گا۔ دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔'' شہروز کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ پیر پٹختا ہوا پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا لیکن ابھی وہ

چوکھٹ ہی پر تھا کہ اسے منوچہر کی آواز پھر سنائی دی۔ ''شہروز......'' یہ عجیب سی فریادی چیخ تھی۔ تم سمجھ گئے ناں......؟''

''کیا؟'' شہروز نے پلٹ کر پوچھا۔

''یہی کہ ہم نہیں جائیں گے۔''

''لیکن اگر لڑکی کا اشارہ درست ہوا تو پھر؟''

''تب پھر اللہ ہی ہماری مدد کرے گا۔'' یہ کہتے ہی منوچہر رونے لگا۔ اس نے ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا...... اور ٹوٹا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ اور شہروز اس ٹوٹے پھوٹے شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

منوچہر کو پرسکون ہوتے ہوتے شام ہوگئی۔ شہروز نے لالٹین جلا کر ایک طرف رکھی اور منوچہر کو سونے والے پلیٹ فارم پر لٹا دیا۔ اس نے کپتان کو ذرا سی برانڈی دی تھی جس کے باعث اعصابی طور سے کشیدہ منوچہر کی حالت قدرے بہتر ہوگئی تھی۔ لیکن بہرحال منوچہر کا رویہ شہروز کو کھٹک گیا کیونکہ صورتحال اب یہ تھی کہ منوچہر ایک گھنٹے پہلے کی بات بھول جاتا تھا۔ اس وقت بڑی محبت اور دوستانہ انداز میں شہروز کو دیکھ رہا تھا جبکہ چند گھنٹے قبل اسی شہروز کو وہ بری طرح ڈانٹ پلا چکا تھا۔

منوچہر سو گیا تو شہروز، جمیل کو دوائیں دینے کیلئے بڑی عمارت میں چلا گیا۔ وہاں انوار، جمیل کے قریب ہی سو رہا تھا۔ رمضو اور نوید دونوں باہر تھے جبکہ شاہ ور اور باقی افراد ساحل پر دن بھر کی گرمی کے بعد خنک ہواؤں کا لطف لے رہے تھے۔

شہروز جب باہر نکلا تو نوید نے اس سے جمیل کی کیفیت معلوم کی۔

''اس کی حالت مسلسل بہتر ہو رہی ہے۔ نوید۔'' شہروز نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''لگتا ایسا ہی ہے۔'' نوید نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ ''لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں جنگلی بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔

''کیا مطلب؟''

وہ جمیل کو دیکھنے کیلئے آتے ہیں۔ کیا کپتان نے آپ کو اس بارے میں نہیں بتایا جناب؟''

''نہیں کیا ہوا؟'' شہروز نے تیزی سے پوچھا۔

''تم بتاؤ رمضو۔ تم بھی تو وہاں موجود تھے۔'' نوید نے رمضو سے کہا جو حیرت سے شہروز کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ اس شام کی بات ہے جب آپ کپاس لینے گئے تھے۔'' رمضو نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ کپتان یہاں آیا تھا اور پھر جنگلی بھی کھانا لے کر آ گئے۔ وہ ہر شام آتے ہیں لیکن اس شام ان کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ کھانا باورچی خانے میں لے گئے۔ اور سکندر خان سے کچھ کہنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ نکلے تو دوسرے بھی آ گئے۔ ان میں سے دو بہت اہم لگتے تھے پھر اجازت لئے بغیر وہ جمیل والے کمرے میں چلے گئے۔ اور اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ کپتان کو اس پر بہت حیرت ہوئی اور اس کے بعد وہ لوگ واپس گاؤں چلے گئے۔''

رمضو کے اس بیان نے لڑکی شینا کے انتباہ کی تصدیق کر دی تھی۔ لیکن منوچہر نے اس واقعہ کے باوجود شہروز کی بات کو نظرانداز کر دیا۔ سوال یہ تھا کہ اس پورے واقعے کے بارے میں شاہ ور کا کیا خیال ہے۔



اگلی صبح شہروز نے کپتان کو پوری طرح تروتازہ پایا۔ اس کے چہرے کا ٹیڑھا پن بھی ختم ہو گیا تھا۔ ناشتہ کرتے ہوئے شہروز اس نتیجے پر پہنچا کہ منوچہر کا کل کا رویہ دراصل شدید ذہنی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ منوچہر کو اس قسم کے دباؤ سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

ناشتہ ختم ہو چکا تھا اور انوار ابھی تک برتن اٹھانے کے لئے نہیں آیا تھا۔ شہروز کسی کام میں لگ گیا کہ اچانک کھڑکی کے قریب کھڑے ہوئے کپتان نے اسے مطلع کیا کہ نوجوان سردار محافظ آرہا ہے اور تب ہی شہروز کو یقین ہو گیا کہ اب نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔

محافظ کا انداز اگرچہ شریفانہ ثابت ہوا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بدلے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر پہلی جیسی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اس نے گاؤں کی طرف اشارہ کیا اور یارک کا نام لیا۔ یہ واضح تھا کہ انہیں سردار یارک نے طلب کیا ہے۔

یارک نے بھی سرد انداز میں ان کا خیر مقدم کیا۔ بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہا بلکہ فوراً ہی چوک کے قریب بنے ہوئے ایک مکان میں لے گیا۔ اب ان کے ساتھ محافظ کے علاوہ اور کئی سردار بھی تھے۔ سب کی زبانیں بند تھیں۔ وہ خاموشی سے چل رہے تھے۔ یارک انہیں جس مکان میں لایا وہ کافی بڑا تھا۔ اس کے دروازے پر رک کر یارک نے پہلے با آواز بلند کچھ کہا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ ساتھ ہی اس نے منوچہر اور شہروز کو بھی آجانے کا اشارہ کیا۔ اندر دیوار کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی لیٹا ہوا نظر آیا۔ یارک نے بڑے نرم لہجے میں اس سے کچھ بات کی اور اس بوڑھے کو دیکھتے ہی شہروز نے اندازہ لگایا کہ یہ بوڑھا بھی اسہال کا شکار ہے پھر

یارک نے انہیں بوڑھے کے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ شہروز بوڑھے کے قریب کھڑا ہو گیا جبکہ منوچہر اس بیمار شخص پر جھک گیا۔

بوڑھے کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ بہت دبلا پتلا ہو رہا تھا۔ جلد بالکل خشک نظر آرہی تھی اور اس کے بستر کے قریب قے کی باقیات پڑی ہوئی تھیں۔ ہونٹ سفید پڑ چکے تھے۔ بوڑھے نے ان دونوں کو غور سے دیکھا اور پھر چند الفاظ ادا کئے۔

''اس کی بات تو پلے پڑے گی نہیں۔ اب تم کیا کہتے ہو۔؟'' منوچہر نے شہروز سے پوچھا۔

''وہی...... یہ شخص بھی جمیل کی طرح علیل ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم اسے دوا دے سکتے ہیں۔'' منوچہر نے جواب دیا۔ ''تم اشاروں کی مدد سے اس کو سمجھاؤ کہ ہم دوائی لے کر واپس آئیں گے۔''

شہروز نے شینا سے جو الفاظ سیکھے تھے۔ ان کی اور اشاروں کی مدد سے اس نے یارک کو بتایا کہ وہ کچھ دیر بعد واپس آئیں گے جب وہ وہاں سے چلے تو جنگلی انہیں بغور دیکھ رہے تھے۔

ایک گھنٹے بعد وہ واپس آئے تو بوڑھے مریض کے ساتھ عورتیں بھی موجود تھیں اور جب انہوں نے بوڑھے کو دوا پلائی تو وہ دور بیٹھی ہوئی انہیں مشکوک انداز میں گھورے جا رہی تھیں۔

بوڑھا دوائی پی کر اداس انداز میں مسکرانے لگا۔

دونوں باہر نکلے تو محافظ دوسروں کے ساتھ ان کا منتظر تھا۔ وہ انہیں ایک اور مکان میں لے گیا۔ جہاں مزید دو مریض موجود تھے۔ اس طرح صبح انہوں نے دس مریضوں کو دوا پلائی۔ ان میں سے کئی مریض ایسے بھی تھے جو دوا پیتے ہوئے خوف کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔

لیکن بیماری اتنی تیزی سے پھیلنے کے باعث جہازی پریشان ہو گئے کہ جو صحت مند تھے وہ بھی بیمار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جلد ہی پھلوں کے باغات ویران ہو گئے اور مچھلیاں پکڑنے کے جال خالی کرنے والا کوئی نہ رہا۔ گاؤں میں مکھیاں بھنبھنانے لگیں اور پھر لوگ

مرنے لگے۔ وہ اپنی ہی گندگی میں دم توڑ رہے تھے۔ شہروز کو اس صورتحال پر اتنی پریشانی تھی کہ وہ راتوں کو بھی جاگنے لگا۔ وہ بیماروں کے سُتے ہوئے چہرے دیکھتا اور بیدار ہو جاتا پھر گاؤں میں آشوب چشم کی وباء بھی پھیل گئی' جوڑوں کا درد شروع ہو گیا۔ اب حاملہ عورتیں بھی مردہ بچوں کو جنم دے رہی تھیں اور جن کے بچے زندہ پیدا ہو رہے تھے۔ ان کے پاس پلانے کے لئے دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔

یوں عورتوں نے خالص جنگلی انداز میں اسقاط کرانے شروع کر دیئے۔ ایک بوڑھی عورت جس کے دانت نہ تھے کمر جھکی ہوئی تھی اور چہرے پر درجنوں جھریاں تھیں۔ انہیں سمندر میں لے جا کر ان کی مدد کرتی تھی۔

ایک روز محض اتفاقاً شہروز نے یہ منظر خود بھی دیکھا تو وہ خوفزدہ ہو کر واپس بھاگ آیا۔

ایک روز اگرچہ زوردار بارش ہوئی تھی لیکن حبس بڑھ گیا تھا۔ اس روز شہروز کو خاص طور سے یہ احساس ہوا تھا۔ کہ وہ ایک جال میں پھنس رہے ہیں اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ان حالات کے بارے میں شاہ ور کی کیا رائے ہے۔

حبس کے باوجود لانچ کی مرمت کا کام جاری تھا۔ لیکن ملاح خاموش تھے۔ وہ صرف کام کے متعلق دو تین باتیں کر کے ایک بار پھر کام میں جُت جاتے ہے۔ ان میں غصہ بھی تھا اور خود شہروز کو کپتان منوچہر پر غصہ آ رہا تھا۔ اسی عالم میں ایک اوزار ٹوٹنے پر شاہ ور نے حشمت کو ایک تھپڑ مار دیا اور اگر عین اس وقت شہروز وہاں نہ پہنچ جاتا تو بات بڑھ جاتی۔ پھر چند گھنٹوں کے بعد ہی خود شاہ ور نے حشمت سے کہتے ہوئے معذرت کر لی کہ اس خبیث جزیرے نے سب کے اعصاب پراگندہ کر دیئے ہیں۔

شام ہوتے ہوئے بارش رک گئی لیکن حبس برقرار رہا اور جب شہروز چھوٹے مکان میں پہنچا تو منوچہر اس کا باہر انتظار کر رہا تھا۔

"شہروز۔" اس نے نرم لہجے میں کہا "شاید لڑکی تمہیں بلا رہی ہے میں کتنی بار ایک مخصوص آواز سن چکا ہوں۔"

تب ہی شینا کی وہی مخصوص آواز سنائی دی جو شہروز کو کسی اجنبی پرندے کی چہکار لگتی

تھی۔ وہ بہت تیزی سے عقبی حصے میں آیا اور جلد ہی شینا کے قریب پہنچ گیا۔ جو خوفزدہ انداز میں درختوں کے ایک جھنڈ میں کھڑی ہوئی تھی۔

دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ شینا نے لاشعوری طور پر اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ یہ شہروز کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ لیکن وہ اس کے دل کی دھڑکنیں ضرور سن رہا تھا۔

لیکن پھر اچانک ہی وہ چند قدم دور ہٹ گئی۔ چند لمحوں بعد اس نے شہروز کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ایک کھلی جگہ پہنچ کر وہ ریت پر بیٹھ گئے اور شینا پہلے کی طرح ریت پر لکیریں کھینچنے لگی۔ شہروز کو اتنا اندازہ ہو گیا کہ وہ دیوتا کی شبیہہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ پھر اس نے ایسے لوگوں کی تصویریں بنائیں جو عبادت کر رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک ایسا شخص کھڑا جس کا حلیہ کسی پادری جیسا تھا۔ پھر شینا نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے قطبی ستارے کی شکل بنا کر اس کے نیچے ایک لکیر کھینچ دی۔

اس کے بعد شینا نے ایک عجیب سی حرکت کی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ گلے پر رکھ کر آنکھیں پھیلا دیں۔ کچھ ایسے جیسے گلا گھونٹا جا رہا ہو۔ شہروز نے یہ انداز لگا لیا کہ وہ کسی کے قتل کے بارے میں بتا رہی ہے۔ جب شینا کو یقین ہو گیا۔ شہروز اس کا مطلب سمجھ گیا ہے تو وہ شہروز کے روکنے کے باوجود فوراً چلی گئی۔

"مگر قطبی ستارہ تو بہت دنوں سے نظر نہیں آ رہا۔" منوچہر نے حسب معمول اعتراض کیا۔ "ویسے بھی وہ جنوب میں اشارہ کر رہی تھی۔؟"

"جی ہاں۔"

"تب پھر ہمیں نظر کیوں نہیں آیا۔؟"

"ممکن ہے۔ اس وقت ہم محو خواب ہوں۔" شہروز نے جواب دیا۔ "لیکن اصل بات یہ نہیں۔ اصل مسئلہ اس پادری کا ہے جس کا ذکر شینا نے کیا ہے۔ وہ اسے جمیلا کہہ رہی تھی۔ اس نے اس بار بھی جمیل کو جنگلی مریضوں کی تصویریں بنا کر انہیں ملایا تھا۔ پھر قطبی ستارہ اور پادری کے بارے میں اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

"تم نہ جانے کیا کیا مطلب اخذ کر لیتے ہو۔ قطبی ستارہ کا یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ ہمیں ختم کرنے کا اشارہ ہے۔ کمال ہے۔"

شہروز خاموش ہو گیا۔ لیکن اسی شب انہوں نے آسمان پر قطبی ستارہ دیکھا۔ اگر اس رات منوچہر خاموشی سے لانچ پر سامان لدوا لیتا اور صبح ہونے سے قبل ملاحوں سمیت لانچ پر سوار ہو کر روانہ ہو جاتا یا اگر کسی دوسرے جزیرے میں منتقل ہو کر لانچ کا نامکمل کام مکمل کر لیتا ...... یا ہمت سے کام لے کر لانچ کو مغرب کی سمت میں روانہ کرنے کا موقع دیتا تو بقا کا ایک موقع تھا...... لیکن وہ تو اپنے مؤقف پر ہٹ دھرمی سے قائم رہا۔ اس نے شہروز سے کہا تھا کہ وہ مزید تین روز انتظار کریں گے اور اس دوران بڑا بادبان مکمل ہو جائے گا۔"

اگلی صبح بھی حبس زدہ اور گرم تھی۔ آسمان پر بادل ضرور تھے لیکن ہوا بالکل بند تھی اور ذرا چلنے پھرنے سے پسینہ آ رہا تھا۔

گاؤں میں موت کا رقص اور موت کی بو ایک معمول بن چکی تھی۔ اس روز جب شہروز اور منوچہر ایک بڑے مکان میں علاج کے لئے داخل ہوئے تو انہیں ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ یہ عورت پشت کے بل لیٹی ہوئی تھی اور اس کے سر پر ایک شخص جھکا ہوا تھا۔ اس نے عورت کے کندھے تھام رکھے تھے۔ دوسرا اس کے دونوں پیر پکڑے ہوئے تھا۔ عورت کی عمر بیس، پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن اس کا جسم فربہ تھا۔ اس نے منوچہر اور شہروز کو دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں مدد کی کوئی درخواست نہیں تھی۔

پھر ایک شخص نے عورت کا ٹینٹوا دبا دیا۔

منوچہر گھبرا گیا۔ ارے ارے ...... یہ تو اس کا گلا گھونٹ رہے ہیں شہروز۔" عورت کی زبان باہر لٹک گئی۔ آنکھیں ابلنے لگیں اس کے حلق سے خرخراہٹ آوازیں نکلیں اور پھر منوچہر باہر آ گیا۔

عورت کے جسم نے تڑپنا بند کیا تو دونوں مردوں نے اسے چھوڑ دیا۔ ان میں سے ایک نے اٹھتے ہوئے عورت کا گلوبند کھینچ لیا اور شہروز کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ یہ ایک سردار کی 27 بیویوں میں ایک تھی اور سردار اسہال کی وجہ سے مر گیا تھا۔ اس کی نو بیویاں اسی کے ساتھ مری تھیں جبکہ باقی کو بھی سردار کے پاس بھیجنے کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ وہ

اسی سردار کا علاج کرنے کے لئے آئے تھے۔ شہروز نے باہر نکل کر دیکھا۔ منوچہر کی حالت غیر ہو رہی تھی اور وہ شہروز کو گھورے جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف کے تاثرات تھے۔ وہ اس اسکائی لارک کے بارے میں کہہ رہا تھا کہ اگر جہاز ٹھیک ہوتا تو وہ یہاں سے فوراً چلے جاتے۔

وہ باتیں کرتے ہوئے بے خیالی میں راہ بھٹک گئے۔ اس وقت وہ گاؤں کے دوسری طرف تھے۔

معاً ہی انہیں کہیں آگے سے چیخوں کی آواز سنائی دی۔ یہ آوازیں دائیں طرف سے آ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اسی سمت بڑھے تو انہوں نے پچاس ساٹھ گز دور ایک مکان سے کسی آدمی کو نکل کر جھاڑیوں کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ انہیں ایک بار پھر عورتوں کی چیخیں اور مردوں کی آوازیں سنائی دیں۔

شاید سردار کی باقی بیویوں کو سردار کے پاس بھیجا جا رہا تھا۔



بدبو کے ایک بھبکے نے شہروز کے قدم روک لئے۔ اس کی طرح منوچہر کو بھی متلی ہونے لگی۔ اس نے دائیں طرف درختوں میں دیکھا وہاں لوگ نقل و حرکت کرتے ہوئے نظر آئے۔ لیکن یہ اندازہ نہ ہوسکتا کہ وہ کیا کررہے ہیں۔

''یہ کیا ہورہا ہے۔ شہروز!؟ منوچہر کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

''آپ یہیں ٹھہریں جناب میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

''نہیں ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دو۔'' منوچہر نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ آگے بڑھ گیا۔

لوگ ایک گہرے گڑھے کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں اکثریت مردوں کی تھی۔ صرف آٹھ یا دس عورتیں نظر آرہی تھیں۔ گڑھے کے بالکل قریب دو افراد ایک ادھیڑ عمر عورت کو دبوچے ہوئے تھے جو چلا چلا کر فریاد کررہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس عورت کو گڑھے میں ڈالنا چاہتے تھے۔

بدبو کا بھبکا گڑھے سے آرہا تھا جو ایک کھلی اجتماعی قبر تھی۔

تب ہی منوچہر نے چلا کر کچھ کہا اور آگے بڑھا۔ عورت کو دبوچنے والے مردوں نے اس کی آواز سنی اور پلٹ کر دیکھا تو عورت منوچہر کی طرف دوڑی۔ مگر انہوں نے اسے راستے میں ہی جالیا۔ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے گڑھے کی طرف لے جانے لگے۔

اسی لمحے ایک بچی کو پکڑنے کیلئے ایک ادھر دوڑا۔ اتنا کافی تھا۔ شہروز نے بچی کو بچانے کیلئے دوڑ لگادی مگر جنگلی نے اسے زوردار دھکا دیا۔ شہروز کا توازن محض ایک لحہ کیلئے بگڑا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے پستول کا بٹ اس شخص کے دے مارا۔

اسی لمحے منوچہر نے گولی چلادی۔

جنگلی جو لڑنے کیلئے تیار تھے۔ دھماکے کی آواز سنتے ہی چیختے چلاتے ہوئے بھاگنے لگے۔ خوف سے ان کی بری حالت تھی۔ چند ہی لمحوں بعد وہ جگہ بالکل خالی ہوگئی۔ تاہم ایک ایسی عورت وہاں پڑی رہی جس کی پنڈلیاں باندھ دی گئی تھیں۔ اور وہ گھسٹ کر ایک طرف جارہی تھی۔

شہروز نے آگے بڑھ کر کنوئیں میں جھانکا۔ یہ پندرہ بیس فٹ گہرا کنواں تھا اور اس میں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ کنوئیں کے دوسری طرف وہ شخص پڑا ہوا تھا جس کو شہروز نے پستول کا دستہ مارا تھا۔ غالباً وہ مرچکا تھا۔ اس دوران منوچہر بھی وہاں آگیا اور دونوں اندازے کی بنیاد پر بڑی عمارت کی تلاش میں ابھی وہ زیادہ دور نہ گئے تھے کہ اچانک سکندر خان و حشمت دوڑتے ہوئے ان کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ انہوں نے یقیناً فائر کی آواز سن لی تھی اور وہ اسی آواز پر چونکے تھے۔ اس آواز پر بڑی عمارت میں موجود ہر شخص نے ہتھیار سنبھال لئے تھے اور انوار سے کہا گیا تھا کہ وہ ساحل سے شاہ ور کو بلا لائے۔ لہٰذا جب وہ بڑی عمارت میں پہنچے تو شاہ ور وہاں موجود تھا اور جب شہروز نے لوگوں کو یہ بتایا کہ کپتان نے کس بے جگری سے وہاں مقابلہ کیا تو شاہ ور مشکوک انداز میں اسے دیکھنے لگا جبکہ باقی لوگ کپتان کی ہمت کی تعریفیں کرنے لگے۔

اس رات جمیل کی طبیعت اور زیادہ خراب ہوگئی۔ وہ سمندر اور ساحلوں کی باتیں کررہا تھا۔ بعض اوقات اپنے والد کے بارے میں بھی کچھ کہہ دیتا۔ کچھ دیر بعد شہروز منوچہر کو لے کر چھوٹے مکان میں آگیا اور وہاں انہوں نے ابھی کھانا ہی ختم کیا تھا کہ رمضو دوڑتا ہوا اندر گھس آیا۔ وہ مسلح تھا اس کے پیچھے شمشاد بھی تھا۔

''سکندر خان غائب ہے۔ جناب!'' رمضو نے شہروز سے کہا۔ جس نے انہیں دروازے پر ہی روک لیا تھا لیکن منوچہر نے بھی رمضو کی آواز سن لی تھی۔

''کہاں گیا وہ......؟'' کپتان نے پوچھا۔

''وہ لانچ کی حفاظت کرنے والوں کو کھانا دینے گیا تھا۔'' رمضو نے جواب دیا۔

''پھر جب شاہ ور صاحب نے علی رضا اور اختر کو اس کی تلاش میں بھیجا تو وہ کہیں نہیں ملا۔''

بڑی عمارت کی طرف جاتے ہوئے شہروز کو سکندر خان کے زندہ ملنے کی توقع کم تھی۔ لیکن بہرحال وہ سکندر خان کو تلاش کرنا لازمی سمجھتا تھا۔ اس میں ایک خطرہ یہ تھا کہ اگر تلاش کی اس مہم کی قیادت منوچہر نے خود کی تو اس کے ذہن پر مزید بوجھ پڑے گا اور اس کی حالت خراب ہو جائے گی اور عین ممکن ہے کہ کپتان کی یہ حالت دیکھ کر عملہ بغاوت کر بیٹھے۔

''کیا تم نے سکندر خان کو ہر جگہ تلاش کیا تھا حشمت!'' شہروز نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ لیکن میرے پاس لالٹین نہیں تھی۔''

''میرا خیال ہے وہ گزر گیا۔'' نبی بخش نے کہا۔

''میں نے تم سے رائے نہیں مانگی نبی بخش۔'' شہروز نے نرم لہجے میں کہا۔

اسی لمحے کپتان نے حیرت انگیز طور پر اپنی قوت کا مظاہرہ کیا۔

''لڑکو!'' اس نے دونوں ہاتھ ملائے۔ ''ہم سکندر خان کی تلاش کریں گے اور یہ کہ ہم بھی اس بڑے مکان میں منتقل ہو جائیں گے۔'' شاہ ور! چند آدمی لے جا کر چھوٹے مکان سے ہمارا سارا سامان منگوا لو اور یہیں ڈھیر کر دو......''

شہروز کو پہلی بار احساس ہوا کہ کپتان میں ابھی قیادت کرنے کا حوصلہ باقی ہے۔ اس احساس سے اسے خود بڑا حوصلہ ملا۔

''چلو' منوچہر نے کہا۔ شہروز تم ساتھ چلو گے' لاؤ رمضو مجھے لالٹین دو' کرش تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔''

وہ جگہ جلد ہی مل گئی جہاں سکندر خان پر حملہ کیا گیا تھا۔ یہاں کی گھاس کچلی ہوئی تھی اور درختوں کی کئی ٹہنیاں ٹوٹ کر جھول رہی تھیں۔

''یہاں خون تو نظر نہیں آ رہا۔'' رمضو نے کہا۔

''لالٹین کی روشنی میں خون کے دھبے نظر آنا مشکل ہیں۔ لیکن بہرحال لگتا ایسے ہی ہے کہ یہاں خون نہیں گرا۔'' منوچہر نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''ٹوٹی ہوئی ٹہنیوں سے یہ اندازہ تو ہو رہا تھا کہ وہ کس طرف ہوں گے۔''

''چلو۔ ساتھ ساتھ چلو۔'' منوچہر نے ہدایت کی اور خود لالٹین لے کر چلنے لگا۔ وہ کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ منوچہر کسی ابھری ہوئی جڑ سے ٹھوکر کھا کر گر گیا۔ اس کے ساتھ

لالٹین بھی اچھل کر دور جا گری۔ شہروز بہت پھرتی سے پلٹا اور اس نے کپتان کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

''خدا غارت کرے۔'' منوچہر غصیلے انداز میں بولا۔ ''لالٹین کی لو نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔''

''چوٹ تو نہیں لگی۔'' شہروز نے پوچھا۔

''نہیں شاید ٹانگ پر لگی ہے زیادہ سنگین نہیں۔ لیکن فکر لالٹین کی ہے نہ جانے اندھیرے میں کہاں گر کر ٹوٹ گئی ہو گی۔

رمضو نے لالٹین جلد ہی تلاش کر لی۔ وہ بھڑک کر بجھ چکی تھی اور اس کی چمنی چٹخ چکی تھی۔ ذرا سا تیل بھی ضائع ہوا تھا۔

پھر جب وہ آگے بڑھے تو سجاد لنگڑا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد گاؤں ان کے سامنے آ گیا۔ یہاں سناٹا اور ویرانی تھی صرف، چند مکانات روشن نظر آ رہے تھے۔ یہاں ضرور کچھ ہو رہا ہے جناب۔'' کرش نے زیر لب کہا۔

''ممکن ہے انہوں نے سکندر خان کو یارک کے گھر میں رکھا ہو۔'' منوچہر نے سرگوشی کی۔

''یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو معبد میں رکھا گیا ہو۔'' شہروز بولا۔ ''لڑکی کے اشاروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ معبد کا پادری بھی اس سلسلے میں ملوث ہے۔ ہم اس راستے سے چلیں گے جو معبد کے سامنے سے گزر رہا ہو اور یارک کے گھر کی طرف جاتا ہو۔

''تب پھر تم ہی قیادت کرو......'' اور صرف آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔

شہروز ان کے آگے تھا اور وہ اس کی قیادت میں گلیوں میں داخل ہو گئے۔ شہروز کا رخ چوک کی طرف تھا۔ جہاں سے انہیں معبد صاف نظر آ سکتا تھا۔ اور وہیں سے یارک کے مکان کی سمت بھی دیکھ سکتے تھے۔

یہاں کی خاموشی بہت کریہہ' پراسرار اور خوفناک لگ رہی تھی۔ وہ رک رک کر چل رہے تھے۔ ان کی بندوقیں تیار تھیں اور وہ پوری طرح چوکس تھے۔ بعض مکانوں سے انہیں ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ غالباً لوگ جنتر منتر پڑھ رہے تھے۔ یہاں کی بو سے رمضو اور

کرش دونوں پریشان تھے۔

چوک کے قریب پہنچ کر انہیں مکانوں کے درمیان کھلی جگہ نظر آنے لگی۔ شہروز رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب بائیں طرف سے جائیں یا سمندری راستے سے تب ہی اچانک ان کے بالکل سامنے والے مکان سے جو سو گز دور تھا ایک آواز آئی۔ یہ کسی کے گرنے کی آواز تھی۔ اور اس کے بعد یہ آواز پھر آئی پھر کسی کی بلند آواز سنائی دی جس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

شہروز کے اشارے پر وہ پیٹ کے بل اوندھے لیٹ گئے۔ منوچہر‘ شہروز کے قریب تھا۔ ”کیا خیال ہے شہروز! کیا سکندر خان اس مکان میں ہوگا؟“

”پتہ نہیں ...... لیکن اگر سکندر خان اس مکان میں ہے تو پھر اس کے ساتھ جو لوگ ہوں گے وہ پوری طرح مسلح اور تیار ہوں گے۔ فائرنگ کا رخ مکان کے آخری حصے پر رکھنا ہے۔“

”یعنی فائرنگ کرو گے؟“

”ضرورت پڑنے پر۔“

”تب پھر ہمیں اپنے ساتھیوں میں واپس جانا چاہئے۔“ شاید منوچہر گھبرا گیا تھا۔

شہروز نے کرش اور رمضو کی طرف دیکھا وہ بندوقیں سنبھالے ہوئے مکان کو گھورے جا رہے تھے۔

اچانک چوک کے پار والے مکان سے ایک چیخ سنائی دی۔ لیکن یہ چیخ نہ تو اونچی تھی اور نہ طویل۔

پھر رمضو نے گولی چلا دی۔

فضا اچانک ہی جنگلی نعروں سے گونج اٹھی۔ تیروں کی بوچھاڑ دو طرف سے آئی جہاں مختلف رنگوں سے جسموں کو سجائے ہوئے جنگجو موجود تھے۔ شہروز نے دونوں پستول سنبھال لئے اور رمضو‘ کرش نے بندوقوں سے جنگجوؤں کے پہلوؤں سے آگے نہیں آنے دیا۔

منوچہر لرزہ انداز میں اپنی جگہ ساکت رہا۔

”کپتان کا پستول جناب!“ رمضو نے چلا کر کہا۔ شہروز نے تیزی سے پلٹ کر منوچہر کا ایک پستول کھینچ لیا۔

جنگلی اب چوک کے اردگرد چیخیں مارتے ہوئے تیر چلا رہے تھے اور بعض فائرنگ سے گھبرا گھبرا کر تیر کمان پھینکتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔

شہروز نے اس بار اوسان برقرار رکھتے ہوئے شست لی اور جونہی ایک دروازے کی جھری سے روشنی باہر نکلی اس نے فائر کر دیا۔ گولی نشانے پر لگی۔ ایک شخص لڑکھڑاتا ہوا نظر آیا۔ اس نے توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن پھر پشت کے بل گر گیا۔

فوری خطرہ ٹل چکا تھا۔ رمضو نے اپنی بندوق پھر بھر لی۔ کرش گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا اور منوچہر کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ ابھی کچھ کہنے والا ہے پھر اچانک ہی وہ کراہ کر لیٹ گیا۔ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ وہ کپتان کے قریب گرا تھا لہٰذا منوچہر کی آستین بھی اس کے خون سے آلودہ ہوگئی تھی۔

کرش ایک تیر کھا چکا تھا۔

انہوں نے فوراً کرش کو لٹا دیا۔ منوچہر کو ایک طرف کیا اور کرش کی گردن کے قریب سے تیر کھینچ کر پھینک دیا۔

”یہ ان میں سے ایک ہے جو کبھی پورٹ نیکسن نہیں دیکھ سکے گا۔“ رمضو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

منوچہر جذباتی انداز میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ تب ہی اسے یہ احساس بھی ہوا کہ اس کا ایک پستول غائب ہے۔ ”میرا پستول۔ شہروز‘ کہاں گیا؟ کیا وہ لے گئے......؟“

”نہیں میرے پاس ہے۔“ شہروز نے تیزی سے جواب دیا۔ ”یہ لیں۔“

”وہ سکندر خان کی چیخ ہی تھی ناں۔“ رمضو نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

”تمہاری مراد اس چیخ سے ہے جس کے بعد تم نے گولی چلا دی تھی؟“

”ہاں وہ چیخ کسی جنگلی کی نہیں ہوسکتی تھی۔ جناب!“ منوچہر دونوں پستول ہاتھ میں لئے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھا رہا۔ شہروز نے اپنے کپتان کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا کہ وہ یہیں ٹھہرے یا پھر واپس چلا جائے۔ اگرچہ کپتان ان کے ساتھ تھا۔ لیکن اس نے جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس طرح اس وقت عملاً شہروز کے ساتھ صرف رمضو باقی رہ گیا تھا۔ پھر ایک مسئلہ یہ تھا کہ اگر وہ دونوں پارک سے نمٹنے کیلئے روانہ ہوئے تو منوچہر کا خیال کون رکھے

گا۔اسے ساتھ لے جانا خارج از امکان تھا۔اچانک ہی رمضو نے شہروز کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کیا بات ہے رمضو!؟'' شہروز نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں عمارت کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ اندر کوئی ہے۔ کیا آپ کو اندر سے کسی کی آوازیں سنائی نہیں دیں؟''

شہروز نے سماعت پر زور دیا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ممکن ہے کوئی زخمی جنگلی ہو۔''

''نہیں جناب! یہ تو دستک جیسی آواز لگتی ہے۔غور سے سنیں۔کوئی دیوار پر ہاتھ مار رہا ہے۔ممکن ہے کہ وہ سکندر خان ہی ہو......''

''مشکل ہے رمضو!۔''

''پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر اس کوشش میں دو تین جنگلی مارے جائیں۔

اگرچہ انتقام لینے کا تصور اتنا دلکش نہ تھا۔مگر پھر بھی وہ سکندر خان کے بجائے کسی ایک موہوم سی امید پر کارروائی کر سکتے تھے۔''

''میرا خیال ہے کہ پہلے میں جاؤں جناب!'' رمضو نے بندوق بھرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ہم دونوں چلیں گے۔''

''اور کپتان''

''کپتان کو یہیں چھوڑ دیں گے۔ یہ کہتے ہی جونہی شہروز پلٹا اسے پستول کی وہ نال دکھائی دی جس کا رخ شہروز کی طرف تھا اور جو کپتان کے ہاتھ میں تھا۔

سکندر خان کی موت نے جنگلیوں پر طاری وہ سحر توڑ دیا جو اسکائی لارک کے عملے کے ناقابل تسخیر ہونے سے متعلق تھا۔وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ لوگ دیوتا نہیں کیونکہ دیوتا فانی نہیں ہوتے۔

سکندر خان غیر مسلح تھا۔وہ ساحل اور بڑی عمارت کے درمیان ہی تھا کہ جنگلیوں نے اسے چھاپ لیا تھا۔اس وقت وہ ایک سیدھی پگڈنڈی پر کچھ گنگناتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک

اسے اپنے بالکل سامنے ایک جنگجو نظر آیا۔دونوں میں زیادہ سے زیادہ فاصلہ ساٹھ فٹ کا تھا۔ اس کے جسم پر جنگلی رنگ نظر آ رہے تھے اور وہ اپنا خنجر لہرا رہا تھا۔

سکندر خان کے اندر کا خوف ہی اس کیلئے فیصلہ کن دشمن ثابت ہوا۔اگر وہ نوید...... رمضو، شاہ ور، شہروز، انوار ہی ہوتا تب بھی وہ اس جنگجو کو غچہ دے کر جان بچا سکتا تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک بھاری بالٹی بھی تھی جس کو وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا تھا۔لیکن خوف نے اس کی روح تک پنجے گاڑ دیئے تھے۔لیکن وہ خود پر قابو پا لیتا تو جنگلیوں پر بھی قابو پا سکتا تھا۔ کیونکہ جنگلی اس سے زیادہ خوفزدہ بلکہ دہشت زدہ تھا۔سکندر خان کا راستہ اس نے ہنسی خوشی نہیں روکا تھا۔اس میں اس کی مرضی شامل نہ تھی بلکہ یہ پادری کا حکم تھا۔

سکندر خان ٹھٹک گیا تھا......جس کی وجہ سے جنگلیوں کی ہمت بڑھ گئی تھی۔اس نے ایک قدم آگے سکندر کی طرف بڑھایا اور سکندر خان نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی پھر اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے پر کھینچ دیئے گئے ہوں۔ کیونکہ اس کے پیچھے بھی ایک جنگلی موجود تھا۔ یہاں اگر سکندر خان بوکھلاہٹ میں مبتلا نہ ہو جاتا تو بچنے کا ایک موقع تھا۔اسے صرف چیخنا تھا اس کی چیخ اختر یا حشمت سن لیتے۔ یہ آواز بڑے مکان تک بھی پہنچ سکتی تھی اور لوگ اس کی مدد کو دوڑ سکتے تھے......لیکن سکندر خان کی چیخ بھی نہ نکل سکی تھی۔

دونوں جنگلی اس کی طرف بڑھنے لگے تو سکندر خان کے ہاتھ سے بالٹی گر گئی۔ وہ پہلا شخص جس نے پہلا وار کیا۔اس کے عقب سے آیا تھا۔ پھر جھاڑیوں میں طوفان سا پیدا ہو گیا تھا۔ایک بھاری بھرکم ہاتھ نے اس کا منہ دبا دیا تھا۔ اس نے اس ہاتھ کو دانتوں سے کاٹنے کی کوشش ضرور کی تھی۔لیکن وہ ناکام رہا تھا۔ پھر اس کے منہ پر کس کر ایک کپڑا باندھ دیا گیا تھا۔سکندر خان بے ہوش نہیں ہوا تھا۔اس کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں لہٰذا اس نے محافظ کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

وہ اسے یارک کے مکان میں لائے تھے۔ جہاں سردار کے علاوہ دوسرے بوڑھے سردار اور پادری موجود تھے۔ مکان کے اندر موم بتیوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس مکان کا اندرونی حصہ پہلے صرف منوچہر اور شہروز نے دیکھا تھا۔مگر اب یہاں سکندر خان بھی موجود تھا۔ اور ہر طرف کھڑے ہوئے پسینے میں تر بدن والے خوفناک چہرے اسے گھور رہے تھے۔

سکندر خان کو دھکا دے کر یارک کے قریب کھڑا کیا گیا۔ اب سردار یارک سے اس کا فاصلہ محض چند قدم کا تھا۔ منہ پر بندھے ہوئے کپڑے کی وجہ سے جبڑوں میں درد ہونے لگا تھا۔ اور کیونکہ بندش کی وجہ سے رخساروں کا گوشت اوپر اٹھ گیا تھا۔ لہٰذا آنکھیں بھی متاثر ہو رہی تھیں۔ یارک اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا وہ صرف اپنی بقاء کے بارے میں فکر مند تھا۔ اس کی زندگی ایک اہم موڑ پر تھی۔ سکندر خان دیوتا یا شیطان ثابت ہوتا تو یہ یارک کی موت ہوتی لیکن اگر ان جیسا انسان نکلتا تو یہ اس کی زندگی ہوتی۔

یارک کے چہرے پر خوفناک تاثرات دیکھ کر سکندر خان دعا مانگنے لگا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ یہ دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

یارک معاً ہی آگے بڑھا تھا۔ اور اس نے دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک بوڑھے شخص کو بغور دیکھا۔ یہی ان کا مہنت اور پادری تھا۔

چند لمحوں بعد پادری نے بھی آگے بڑھ کر کچھ کہنا یا پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے گنجے سر پر پسینہ کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ بغلوں تک سے پسینہ بہہ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا جبہ تک بھیگ رہا تھا۔ اس کے دانت یرقان زدہ آنکھوں کی طرح زرد تھے اور کالے مسوڑھے صاف نظر آ رہے تھے۔

''یہ رہا گوری اور سانولی چمڑی والا۔'' پادری نے کہا۔ ''یہ لوگ دیوتاؤں کی طرح آتے تھے۔ لیکن شیطان بن گئے۔ انہوں نے ہمارے پیٹوں میں پانی بھر دیا اور پانی کے نکلنے سے ہم مرنے لگے۔ انہوں نے ہمارے معدوں میں موت کے بیج ڈال دیئے...... یہ دیوتا نہیں نگینہ...... نے ہمیں ان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ لوگ ہماری زندگی چرانے کیلئے آئے ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ سڑے ہوئے پھل ہیں۔ ان کا خون کالا ہے...... اور یہ خوفزدہ ہیں۔ میں دیوتاؤں کا پیروکار ہوں۔ میری بات غور سے سنو...... جیسا کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔ میری بات غور سے سنو۔

''اس طرح ہم اس گندگی سے نجات حاصل کر لیں گے۔ جو انہوں نے ہم پر مسلط کر دی ہے۔''

سکندر خان خوف سے کانپنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ پادری کیا کہہ

رہا ہے۔ لیکن اس کے لہجے سے اسے خوف محسوس ہو رہا تھا اور اس خوف کو دیکھ کر پادری کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔

پادری یارک کی طرف پلٹا۔

''اور...... بات اس عورت کی بھی ہے۔ جو کبھی ہم میں شامل تھی۔'' اس بار پادری کی آواز بہت اونچی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس عورت کے بطن سے جو بچہ جنم لے گا وہ دوسری عورتوں کو بھی خراب کرے گا۔ وہ ہمیں تباہ کرنے والے ان گوری چمڑی والوں کی ساتھی بن گئی لیکن...... ہم اس سے بعد میں نمٹیں گے۔ پہلے......'' یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر سکندر خان کی طرف پلٹا اب وہ اپنے استخوانی ہاتھ سے سکندر خان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ''اس شیطان کی تباہی لازمی ہے۔''

یہ کہنے کے بعد اس کا منہ بند ہو گیا۔ مکان پر خوفزدہ خاموشی چھا گئی۔ سکندر خان گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا' پادری اسے گھورے جا رہا تھا۔

''اب میں دعا کروں گا۔'' پادری نے معاً سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میرے آقا! میں ہدایت کا طالب ہوں' رہنمائی کیلئے تیرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہوں۔ اس شیطان کو مٹانے کیلئے میری مدد کر...... ورنہ یہ لوگ ہمیں تباہ کر دیں گے' ہمارے دیوتاؤں کے گھروں کا تاراج کر دیں گے اور ہمارے بچوں کو...... اور ان کے بچوں کو عقیدے سے بے عقیدہ کر دیں گے۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ اس کے بازو کا گوشت ہڈیوں سے الگ جھول رہا تھا۔ اس کا جسم اکڑنے لگا' کمرے میں اب پھر سنگین سناٹا تھا۔ لوگوں کی سانسوں کی آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں۔ پھر اچانک پادری کانپنے لگا پھر اس کے حلق سے ایک عجیب سی چیخ نکلی۔ آئی' ای' ای' ای' اس چیخ نے سناٹے کو توڑ دیا۔

اچانک ایک شخص نمودار ہوا۔ یہ شخص ہاتھ پیروں کے بل چل رہا تھا۔ اس کے منہ میں ناریل کا خالی کھوکھا دبا ہوا تھا۔ اس نے اسے پادری کے قدموں میں رکھ دیا۔ پادری نے خالی ناریل کو اٹھا کر یارک کی طرف بڑھایا۔ یارک نے پہلے ناریل کو اور پھر سکندر خان کو دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی پادری سکندر خان کے بہت قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ

سکندر خان کو دو افراد نے پکڑ کر گرا دیا پھر ناریل سکندر خان کے سر کے قریب گرا کر توڑا گیا۔ مضبوط ہاتھوں نے سکندر خان کو فرش سے اٹھایا۔ پھر کسی نے اس کے منہ سے کپڑا کھینچ لیا۔ اس بار اسے چمکتا ہوا خنجر نظر آیا۔ یہ دو دھاری خنجر تھا اور خنجر یارک کے ہاتھ میں تھا۔

خنجر والا ہاتھ نیچے آیا تو سکندر خان کی چیخ نکل گئی۔

پادری اس وقت تک سکندر خان کو گھورتا رہا جب تک اس کے جسم کا تڑپنا بند نہیں ہوا ...... پھر جب جسم ساکت ہوگیا تو وہ فاخرانہ انداز میں آگے بڑھا۔ یارک پیچھے ہٹ گیا۔ خون آلود خنجر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ پادری نے جھک کر سکندر خان کی کٹی ہوئی گردن پر ہاتھ پھیرا تو اس کی انگلیاں گھاؤ کے اندر ہڈیوں تک پہنچ گئیں۔

یارک کھڑا ہوگیا اس کی انگلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ سکندر خان کا خون "نہیں ...... یہ دیوتا نہیں .... دیوتا نہیں...... دیوتاؤں کے جسم میں انسانوں کی طرح کا خون نہیں ہوتا۔" اس نے اعلان کیا۔

"تم لوگ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔" منوچہر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ پستول کا رخ شہروز کی طرف تھا۔ رمضو نے ایک طویل سانس لے کر کپتان کی طرف دیکھا۔ وہ کپتان کے بہت قریب تھا۔ اتنا قریب کہ اگر منوچہر گولی چلاتا تو وہ رمضو کو چاٹ جاتی۔ شہروز کو علم تھا کہ کپتان کے دو پستولوں میں سے ایک پستول خالی ہے لیکن سوال یہ تھا کہ کیا یہ والا پستول خالی ہے؟

اسے یقین تھا کہ رمضو کی بندوق بھری ہوئی ہے۔

"تم کہاں جانا چاہتے ہو۔؟" منوچہر نے پوچھا۔ اس کی آواز معمول سے بھی زیادہ دھیمی تھی۔

"ہمارے خیال میں اس عمارت کے اندر کوئی موجود ہے۔" شہروز نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر؟"

"وہ سکندر خان ہی ہوسکتا ہے۔"

"سکندر خان؟"

"جی ہاں۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ممکن ہے کہ اندر ہو۔ اور شاید اسی کے گارڈ کو ہم نے گولی ماری ہے۔" شہروز کے اس جواب پر کپتان نے رمضو اور پھر شہروز کو دیکھا۔ غالباً وہ کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ ادھر شہروز سوچ رہا تھا کہ کیا وہ آگے بڑھ کر کپتان کے ہاتھ سے پستول چھین لے لیکن اس میں خطرہ یہ تھا کہ کہیں منوچہر لبلبی نہ دبا دے۔

عین اسی وقت مکان سے پھر آواز آئی۔ اس مرتبہ آواز اونچی تھی۔ اس بار ے منوچہر نے بھی پلٹ کر دیکھا اور شہروز نے بڑی پھرتی سے پستول چھین لیا۔ اس نے نال میں ناک لگا کر اسے سونگھا۔ پستول بھرا ہوا تھا۔ منوچہر نے کوئی احتجاج نہ کیا۔

"اپنا دوسرا پستول بھی دے دیں جناب! رمضو اسے بھر دے گا۔" شہروز نے کہا۔

منوچہر نے ...... ایسا ہی کیا۔ اس کی ذہنی کیفیت اس وقت متوازن نہ تھی۔ "تم نے اس مکان کے بارے میں کیا کہا تھا۔ شہروز؟"

"یہی کہ اندر کوئی ہے اور ممکن ہے کہ وہ سکندر خان ہو۔"

"سکندر خان!؟"

"جی ہاں۔"

"اور تم اس مکان کی تلاشی لینے جاؤ گے؟"

"یہی بہتر ہوگا جناب!"

"میں اس سے متفق ہوں۔ شہروز ...... سکندر خان کو وہاں ہرگز نہیں جانا چاہئے تھا۔ کیا تم تنہا جاؤ گے؟"

"نہیں۔ رمضو میرے ساتھ جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی ساتھ چلیں۔"

رمضو نے پستول لوڈ کر کے شہروز کو دے دیا' جس نے ایک لمحہ تک ہچکچانے کے بعد پستول منوچہر کے حوالے کر دیا۔ پھر دوسرا پستول بھی کپتان کو دے کر اس نے طویل سانس لی کیونکہ اگر منوچہر کو ان کے ساتھ جانا تھا تو پھر اس کا غیر مسلح ہونا نقصان وہ ثابت ہوسکتا تھا۔

اس نے منوچہر اور رمضو کو مکان کی مخالف سمت میں بھیجا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ ایک بانس کی مدد سے بند تھا جو لات مارنے سے کھل گیا۔ پھر وہ دونوں ہاتھوں میں پستول لے کر اندر داخل ہونے لگا۔ بانس اس کے پیروں تلے آ کر ٹوٹ گیا اور ٹوٹنے کی آواز شاید دور تک سنی گئی۔

اندر عجیب سی بو تھی اور گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے بغور دیکھا لیکن تاریکی کے باعث اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ پھر اس نے دائیں طرف کوئی آواز سنی۔ وہ غور کرتا رہا اور معاً اسے احساس ہوا کہ یہ آواز منوچہر کی طرف سے آئی ہے۔ نہ جانے وہ کیا کر رہا تھا۔

”سکندر خان!“ شہروز نے ہلکے لہجے میں آواز دی۔

لیکن اسے یقین تھا کہ اسے کوئی جواب ملے گا۔ ”کیا تم یہاں ہو۔ سکندر خان!“ اس نے پھر آواز دی لیکن جواب میں اسے دیوار کے دوسری طرف سے منوچہر کی آواز سنائی دی۔

وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ لیکن ایک آواز نے اس کے قدم روک دیئے، کوئی کہیں قرب وجوار میں تھپتھپا رہا تھا۔

باہر رمضو نے اپنی بندوق سیدھی کر لی۔ کیونکہ اسے جو آواز سنائی دی تھی وہ قریب ہی سے آئی تھی وہ تن کر تیار کھڑا ہو گیا۔

شہروز جس جگہ کھڑا تھا وہ اوپر کہیں لے جاتی تھی۔ پھر جب اسے بائیں طرف سے آواز دوبارہ سنائی دی تو وہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ اچانک ہی اسے زمین پیروں تلے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ لیکن اس نے بمشکل توازن برقرار رکھا۔ پھر بھی وہ لڑکھڑا گیا اور وہ گڑھے میں گر گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ کسی جال میں ہے اور اس جال میں کوئی اور بھی ہے۔



اس نے پستول سیدھا کر کے چھت کی طرف فائر کر دیا۔

فائر کی وجہ سے ہونے والی پل بھر کی روشنی میں اس نے ایک جسم دیکھا۔ اس کنویں نما جال میں ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اور ذرا دور کوئی بندھا ہوا پڑا تھا۔

اب رمضو بھی دروازے پر پہنچ کر رک چکا تھا۔ اس نے شہروز کو پکارا۔ منوچہر اس کے پیچھے تھا۔ شہروز نے جواب دے کر اسے احتیاط سے آگے آنے کی ہدایت کی اور پھر بندھے ہوئے جسم کو ٹٹولا۔ اس جسم سے صندل کی مہک آ رہی تھی۔

”رمضو ادھر آؤ۔“ شہروز نے معاً ہی چلا کر کہا۔ ”لیکن گڑھے کا خیال رکھنا میں ایک قبر میں ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے صندل جیسے مہک والے جسم کی بندشیں کھول دیں۔

”کیا سکندر خان مل گیا جناب!“ رمضو نے پوچھا۔

”نہیں۔“ شہروز نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ”لیکن یہاں ایک دوست قید ہے اب تم دروازے کی طرف چلو۔ میں تمہاری رہنمائی میں نکلوں گا۔“

شینا نے بندشیں کھلنے کے بعد طویل سانس لی اور سر جھکا لیا۔ غالباً بندشوں نے اس کی پنڈلیوں اور ہاتھوں کے دوران خون پر اثر ڈالا تھا۔ لہذا وہ شہروز کے سہارے کے بغیر چل نہیں سکتی تھی۔

وہ اسے سہارا دے کر باہر نکل آیا اور جب وہ کرش کی لاش تک پہنچے تو رمضو اچانک ہی گالیاں دیتا ہوا مکان کی طرف دوڑ گیا۔

”ارے رمضو! کہاں جا رہے ہو؟ واپس آؤ۔“ منوچہر نے اسے پکارا مگر رمضو دوڑتا چلا گیا۔ ایک لمحہ بعد مکان کے عقب سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ خود شہروز بھی حیرت زدہ

رہ گیا۔

ان کا کوئی آدمی مکان کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ منوچہر نے شہروز کو بتایا شاید رمضو اسی کو دیکھ کر لپکا تھا۔

چند لمحوں بعد رمضو واپس آ گیا۔ وہ کرش کی لاش کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے چمک رہی تھیں۔

''اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔'' شہروز نے کہا۔

''ہاں اور یہاں سے دور جانا ہوگا۔ منوچہر نے غیر متوقع جواب دیا۔

''آپ کی مراد لانچ سے ہے۔'' شہروز حیرت زدہ رہ گیا۔

''ہاں۔ ہم کرش کو سپرد خاک کریں گے اور پھر روشنی ہوتے ہی سامان لانچ پر لادنا شروع کر دیں گے۔'' اور یہ کہہ کر وہ ان کے آگے چلنے لگا۔ اس کے پیچھے شینا تھی جبکہ شہروز اور رمضو نے کرش کی لاش اٹھا رکھی تھی۔ کرش کی لاش دیکھ کر ملاحوں کے دل اداسی سے بھاری ہو گئے لیکن انہوں نے ساتھی کو سپرد خاک کرنے کے لیے فوراً قبر تیار کی۔ منوچہر نے نماز جنازہ پڑھایا اور پھر کرش کو دفن کر دیا گیا۔ شہروز کو اندازہ تھا کہ کرش کی جان منوچہر کی ہٹ دھرمی نے لی ہے۔ اگر وہ فرار کی تجویز پر رضامند ہو جاتا تو اس وقت کرش لانچ پر سفر کر رہا ہوتا۔

حملہ اسی نصف شب کے بعد ہوا۔ پہلی وارننگ کرش کی تدفین کے فوراً بعد اس وقت آئی جب نبی بخش نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''شہروز صاحب جھاڑیوں میں کچھ لوگ چھپے ہوئے ہیں۔'' اس وقت نبی بخش کرش کی قبر سے کچھ آگے کھڑا ہوا تھا۔

''کہاں؟'' شہروز اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

''وہ۔ وہاں۔'' نبی بخش نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا جس کے نیچے گھنی جھاڑیاں تھیں اور یہ راستہ چھوٹے مکان کی طرف جاتا تھا۔

''سنو۔'' اسی لمحے حشمت کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ مکان کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ ''وہ ادھر ہی ہیں اور ہمیں گھیر رہے ہیں۔''

''چلو سب اندر چلو۔'' شہروز دھاڑا۔

''کسی نے بھاگنے کیلئے قدم اٹھایا تو شہروز نے اسے للکارا۔ ''ایسے مت بھاگو آرام

سے چلو۔ خوفزدہ مت ہو۔ ہم ان سے کمزور نہیں ہیں۔''

سب سے آخر میں شہروز اندر داخل ہوا۔ شینا اسی کا انتظار کر رہی تھی وہ اس کی طرف بڑھ آئی۔

لالٹین کمرے کے وسط میں رکھی ہوئی تھی۔ اور اس کے پیچھے دیوار کے ساتھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند خوفزدہ بھی تھے۔ اسی وقت باہر کسی درخت کی ٹہنیاں ٹوٹنے کی آواز سنائی دی تو سب چونک اٹھے۔

انہوں نے شہروز اور منوچہر کو بے چین نظروں سے دیکھا جبکہ شاہ ور کھڑکی سے جھانکنے لگا۔

''اب کیا کرو گے شہروز!؟''

''مکان کا دفاع؟'' منوچہر نے پوچھا۔

''مکان کا دفاع۔''

''ہاں۔'' منوچہر کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''ہمارے لئے مکان نہیں لانچ کی اہمیت ہے۔ جناب! شہروز نے جواب دیا۔

''مگر لانچ ٹھیک ٹھاک اور محفوظ ہے۔'' منوچہر نے سر جھٹک کر کہا۔ دو دو آدمی اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جنگلی لانچ پر قبضہ نہیں کر سکتے۔

''ہمیں اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے جناب!'' شہروز آگے بڑھ کر بولا۔

''یہاں سے' مکان سے۔''

''جی ہاں۔''

''مگر ہم محاصرے میں ہیں۔'' منوچہر نے غصے سے کہا۔

''لیکن ہم لڑتے بھڑتے ہوئے لانچ تک پہنچ سکتے ہیں جناب!'' شہروز نے جواب دیا۔

''لیکن سامان کا کیا ہوگا؟'' منوچہر نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم ایک پھیرے میں اتنا سامان لانچ پر نہیں لاد سکتے۔ ویسے زیادہ اہم سامان وہیں موجود

ہے۔"

"اس وقت جمیل کھڑکی کے نیچے لیٹا ہوا تھا۔ شینا شہروز کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ لالٹین کی روشنی میں اس کا پورا جسم نظر آ رہا تھا اور کئی ملاح کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔

"میری بات تو سنو شہروز!" منوچہر کے لہجے میں بے بسی کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔ "اگر ہم باہر نکلے تو کھلے میں ہوں گے۔"

"لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں کہ ہمیں یہ مکان پورٹ نیکسن تک نہیں لے جائے گا؟ یہ کام لانچ ہی کر سکتی ہے۔"

"نہیں نہیں شہروز!" منوچہر نے سر ہلایا۔ "کھلے میدان میں ہم با آسانی شکار کر لئے جائیں گے۔"

اسی لمحے شہروز کو شینا نے چھوا تو شہروز کو پہلی بار احساس ہوا کہ اب شینا بھی ان کا ایک حصہ ہے' ان میں شامل ہے۔ وہ ان کی مدد کرنے کی کوشش میں مرتے مرتے بچی ہے۔ لہٰذا وہ بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ وہ بھی ان کے ساتھ جائے گی۔ ویسے اس وقت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کیا وہ اسی وقت مکان چھوڑ دیں۔

"ابھی اتنا اندھیرا نہیں تھا کہ ہم لانچ کو آگے بڑھا سکیں اور اگر انہوں نے کسی کشتی میں ہمارا تعاقب کیا تو ہم ان سے با آسانی نمٹ لیں گے۔"

"لیکن اس وقت مکان سے نکلنے میں دانشمندی کا کوئی پہلو نہیں۔ شہروز۔" منوچہر نے کہا۔ "لانچ کی فکر نہ کرو۔ ان کا نشانہ لانچ نہیں بلکہ ہم ہیں۔ نہیں ہم صبح ہونے تک انتظار کریں گے اور روشنی ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل پڑیں گے۔"

جمیل اب لانچ کے بارے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ انوار اس کے قریب پہنچ گیا جبکہ شاہ ور پستول سنبھالے ہوئے کھڑا رہا۔

"شہروز صاحب!" حشمت چلایا۔ "وہ لوگ نقل و حرکت کر رہے ہیں۔" شہروز نے نظر بھر کر حشمت کو دیکھا۔ مگر شاہ ور حشمت کے قریب پہنچ کر باہر دیکھنے لگا۔ "خدایا!" اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

حشمت کی چیخ نے دوسروں کو بھی متوحش کر دیا۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا

پھر منوچہر' شہروز اور شاہ ور کو دیکھا لیکن منوچہر خاموش رہا۔ لیکن اس نے شہروز سے نظریں نہیں ہٹائیں پھر جمیل کی آواز سنائی دی...... شاید وہ اپنی بے بسی کے بارے میں ہی کچھ کہہ رہا تھا۔

یہی موقع تھا کہ شہروز کو احساس ہوا کہ کمان خود اسے سنبھالنی پڑے گی۔

"شاہ ور!......" وہ اس کی طرف پلٹا "ایک ملاح کو کھڑکی سے بانس لانے کیلئے لگا دو۔"

شاہ ور اپنی جگہ سے نہ ہلا اس کا چہرہ پر سکون اور پستول کی نال کا رخ نیچے کی طرف رہا۔ شہروز کو کمان لیتے ہوئے عجیب طمانیت کا احساس ہوا۔ غالباً اسے یقین تھا کہ اس میں خود اعتمادی آ چکی ہے۔ اس نے انوار کو آواز دی تب ہی شاہ ور نے حرکت کی اور وہ شمشاد کے ساتھ بانس ہٹانے لگا۔

"رمضو!" شہروز نے جرأت مند نوجوان سے کہا۔ "انوار بندوق بھرنے میں تمہاری مدد کرے گا۔ انوار! حملے کی صورت میں تمہارا کردار کلیدی ہو گا کیونکہ تم ہماری بندوقوں کو بھرنے کا کام کرو گے تمہیں بہت پھرتی دکھانی پڑے گی۔ ساتھ ہی احتیاط سے بھی کام لینا ہو گا کیونکہ مس فائر خود ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

حشمت! تم دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہو گے تاکہ اگر آگ لگے تو تم اسے بجھا سکو۔"

"ٹھیک ہے۔" حشمت نے کہا۔

"نوید!" شہروز کے لہجے میں خود اعتمادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ "تم اور نبی بخش سامان ہٹا کر اس طرح رکھ دو کہ ہمیں کھڑکی سے فائرنگ کرنے میں کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو۔ ہاں۔ ہمیں پتہ نہیں کہ جنگلیوں کا نشانہ کیسا ہے۔ لہٰذا ان کے سامنے آنے کی کوشش مت کرنا۔"

"ہر بات کہنی آسان مگر کرنی بہت مشکل ہوتی ہے۔" شمشاد نے کہا۔

"ممکن ہے۔" شہروز نے غرا کر کہا۔ "لیکن اگر تم اپنا شہر دوبارہ دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں ہدایتوں پر عمل کرنا ہو گا۔ شہروز کو اب اس انداز میں گفتگو کرتے ہوئے بہت مزا آ رہا تھا۔ اس نے شینا کو مسکرا کر دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ اب شینا زیر لب مسکرا رہی ہے۔ شہروز نے

شینا کا ہاتھ تھام کر اسے جمیل کے پاس بٹھا دیا۔ اور اشارے سے کہا کہ وہ مریض کے ساتھ ہی رہے۔ جمیل پھر کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس دوران وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔

''جنگلی اب بالکل سامنے ہیں' شہروز صاحب!'' نبی بخش نے کہا۔ اس کی کوشش تھی کہ اس کا لہجہ عام سا رہے۔ ''شاید دو ہیں۔ آپ خود دیکھ لیں ...... اوہ۔ ایک اور نظر آیا ہے۔ ایک اور بھی ہے۔''

لالٹین ابھی تک منوچہر کے قریب تھی جسے اٹھا کر شہروز نے پھونک مار کر بجھا دیا۔

اب صرف چاندنی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ''تقریباً نصف درجن افراد نظر آ رہے ہیں جناب!'' شہروز سے کسی نے کہا۔ شہروز نے بھی ان میں سے دو کو دیکھ لیا جو درختوں میں چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اب منوچہر کو بھی شاید ہوش آنے لگا تھا۔ اس نے انوار سے بندوق لی اور مغربی دیوار کی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

تب ہی متوقع یا غیر متوقع طور پر ایک بندوق چل گئی پھر محض ایک سیکنڈ بعد نوید نے بھی گولی چلادی جس کے باعث اس کی کھڑکی چند لمحوں کیلئے روشن ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد ایک کریہہ چیخ سنائی دی۔ ''شاندار۔ ایک تو گیا۔'' شاہ ور نے بے ساختہ طور پر نوید کی تعریف کی۔ اسی لمحے نبی بخش نے بھی فائر کیا۔ فوراً ہی چلاتے ہوئے انوار نے دوسری بندوق لی۔

''ہم گھر چکے ہیں۔'' اور دوسرا فائر کر دیا۔

ہر شخص کشیدہ اعصاب لئے ہوئے کھڑا تھا۔ اور اس جنگل کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں ان کو محصور کرنے والے کھڑے تھے۔ حشمت دوسری بندوق لے کر اپنی جگہ واپس چلا گیا...... اسی اثناء میں منوچہر نے فائر کیا تو ایک اور لرزہ خیز چیخ سنائی دی۔ ساتھ ہی ٹہنیاں چرمرانے اور ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔

''کاش یہ ہمارے کپتان کی چیخ ہوتی۔'' شاہ ور نے اپنی کھڑکی سے تقریباً پلٹ کر نوید سے کہا۔ اس کا لہجہ اتنا بلند تھا کہ یہ جملہ تقریباً سب ہی نے سن لیا۔

''خدا تمہیں غارت کرے شاہ ور صاحب!'' نوید غرا کر بولا۔ اور اس سے قبل کہ وہ شاہ ور سے الجھ جاتا شہروز نے صورتحال اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے شاہ ور کی طرف قدم بڑھا

دیئے۔ وہ اب واقعی یہ چاہتا تھا کہ شاہ ور سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔

شاہ ور نے بھی اس کے تیور بھانپ لئے۔ لہٰذا وہ بندوق دیوار کے قریب پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ شہروز کے دونوں پستول اس کے پہلوؤں میں جھول رہے تھے۔ ساتھ ہی انوار نے شہروز کی راہ میں آنے والی بندوقیں' پھرتی سے ایک طرف کر دیں تاکہ وہ ان سے ٹھوکر کھا کر گر نہ پڑے۔

لیکن اسی لمحہ جنگلیوں نے بھرپور حملہ کر دیا۔

ابتدائی فائدہ بھی جنگلیوں کو ہی ہوا کیونکہ ملاح اس حملے کی بجائے شاہ ور اور شہروز کے درمیان مقابلے کے منتظر تھے۔ لہٰذا وہ بے خیالی میں پکڑے گئے۔ جنگلیوں کی ہاہا کار اور تیروں کی شائیں شائیں کی وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی پھر جنگلیوں نے پتھراؤ کر کے مکان کو بھی جلا ڈالا تھا۔

??فائر......'' شہروز حلق پھاڑ کر دھاڑا ساتھ ہی اس نے خود بھی بندوق اٹھا لی اور جلد ہی مکان میں دھواں بھر گیا۔ یہ دھواں ان کی اپنی فائرنگ کا تھا۔ اب ہر طرف بارود کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ مکان بندوق کی گرج سے کانپ رہا تھا۔ جلد ہی جنگلی اپنی برتری کھونے لگے۔ کیونکہ ان کا ہراول دستہ گولیوں کی بوچھاڑ کے باعث بری طرح متاثر ہوا تھا۔ اب پسپا ہونے اور زخمی ہونے والوں کی چیخیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔

اندھا دھند فائرنگ کی وجہ سے کئی گولیاں بے ضرر انداز میں جنگل میں جا گریں۔ لیکن بیشتر نشانے پر بیٹھیں اور بندوقیں موت کے قہقہے لگاتی رہیں اور جنگلی گرتے رہے۔

شینا دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ بارود کی بو کے باعث اسے کھانسی بھی آ رہی تھی۔ جمیل نے جو گولیاں چلنے کی آوازوں کے باعث قدرے ہوش میں آ گیا تھا۔ کسی معصوم بچے کی طرح شینا کو تھام رکھا تھا۔ شہروز نے پلٹ کر شینا کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو وہ اس طرح مسکرایا جیسے اسے تسلی دے رہا ہو۔

اس فائرنگ سے جنگلی آگے نہ بڑھ سکے اور ان کی یہ حکمت عملی کامیاب نہ ہو سکی کہ وہ مکان پر دھاوا بول کر مکینوں کو بے بس کر ڈالیں گے۔

لیکن پھر انہوں نے آتشیں تیر چھوڑنے شروع کر دیئے۔ پہلا تیر شہروز نے ہی

دیکھا۔ جو ناریل کے درختوں کی اوٹ سے کسی شعلے کی مانند آ رہا تھا۔ یہ تیر ان کے قریب ہی فرش پر گرا۔ لیکن اس لمحے دو بندوقیں گرجیں اور ایسے تیر چلانے والے جو واضح طور پر نظر آ رہے تھے اور اپنے پیٹ پکڑ کر تڑپتے ہوئے گر گئے۔ تاہم اس وقت نبی بخش کوئی آواز نکالے بغیر' شہروز کی پشت سے ٹیک لگا کر مر گیا۔ شہروز نے بڑی پھرتی سے اسے ایک طرف لٹایا اور دونوں پستولوں سے فائرنگ کرنے لگا پھر نوید ایک پتھر کا نشانہ بنا۔ یہ پتھر اس کے سر پر لگا تھا۔ وہ دیر تک پتھر کو ماں بہن کی گالیاں دیتا ہوا سر جھٹکتا رہا لیکن اس نے بندوق نہیں چھوڑی اور کچھ دیر بعد دوبارہ فائرنگ شروع کر دی۔

اسی وقت رمضو نے بھی ایک چیخ ماری جو منوچہر کے قریب تھا۔ شہروز صاحب! جلدی جلدی آئیں' باورچی خانہ میں آگ لگ گئی ہے۔''

شہروز نے بھاگ کر اس کی کھڑکی سے دیکھا۔ باورچی خانے کی وہ دیوار نارنجی شعلوں سے گھر رہی تھی جو مکان سے قریب تھی۔ دیوار جلنے کے باعث لکڑیوں کے تڑخنے اور چٹخنے کی بھی آوازیں آ رہی تھیں۔

''فائرنگ جاری رکھو۔'' اس نے حکم دیا کیونکہ ان میں سے بیشتر آگ کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔ شہروز کو خطرہ ہوا کہ یہ آگ مکان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ لیکن ہوا نہ ہونے کے برابر تھی۔ لہٰذا فی الحال انہیں آگ سے کوئی فوری خطرہ نہ تھا۔

آگ سے حقیقی خطرہ ان جنگلیوں کو تھا جو باورچی خانے کے بہت قریب کھڑے ہوئے تیر اندازی کر رہے تھے اور پھر یہ خطرہ حقیقت اس وقت بن گیا جب باورچی خانے کی دھڑا دھڑ جلتی ہوئی چھت ان پر آ گری۔ درجنوں جنگلی چیختے چلاتے ہوئے واپس بھاگے۔ ان میں سے ایک کے سر میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ایک کے ہاتھ جل رہے تھے اور کئی کے نچلے دھڑ شعلہ بجا تھے۔

شہروز کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ تب ہی رمضو کی نظر باورچی خانے کی دوسری طرف جنگلیوں کی ایک قطار پر پڑی جو باورچی خانے کی آگ دیکھ رہے تھے۔ رمضو نے دانت پیستے ہوئے گولی چلا دی۔ اس کے ساتھ منوچہر نے بھی فائرنگ شروع کر دی اور تین۔ جنگلی کھیت میں چلے گئے اور باقی اسی بری طرح بھاگے کہ ان کے تیر اور کمانیں بھی ہاتھوں

سے گر گئیں۔

باورچی خانے میں آتش زنی سے خود جنگلیوں کو زبردست نقصان ہوا لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ اگر ہوا ہوتی تو اس سے ملاحوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ سب جل کر مر جاتے۔

شہروز نے دونوں پستول لے کر بھاگتے ہوئے دونوں جنگلیوں پر فائر کیا۔ اس بار حشمت بھی اس کا ساتھ دے رہے تھا۔ اور اس مسلسل فائر نے جنگلیوں کی رہی سہی ہمت بھی سلب کر لی۔

پھر معاً ہی کسی کی گرج دار آواز سنائی دی۔ اس کے بعد کئی افراد چلائے اور یہ آوازیں سن کر شینا اچھل پڑی۔ وہ لپک کر شہروز سے چمٹ گئی۔ شہروز اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ کہنے والے نے شاید پسپائی کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت شینا صرف اس بات پر اتنا خوش ہو سکتی تھی۔ شاہ ور اب بھی فائرنگ کر رہا تھا لیکن جنگلی چیخیں مارتے ہوئے بھاگ چکے تھے اور ان کے زخمی گھسٹ گھسٹ کر فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

ملاحوں نے ایک جنگ جیت لی تھی۔

نبی بخش کی موت اور بعض کو معمولی چوٹوں کے علاوہ انہیں اور کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ منوچہر کی ایک آنکھ پر ورم آ گیا تھا۔ شاید اسے بھی پتھر سے چوٹ لگی تھی۔ نوید کے سر پر بڑا گومڑا ابھر آیا تھا۔ شاہ ور کے دائیں بازو پر ایک لمبی سے گہری خراش آئی تھی۔ شاید کوئی تیر اسے چھوتا ہوا گزر گیا تھا جبکہ حشمت کے گھٹنے پر ایک پتھر لگا تھا۔

شہروز نبی بخش کی لاش اٹھانے کیلئے جھکا ہی تھا کہ اسے شاہ ور اسی طرف آتا نظر آیا۔ شہروز نے سوچا کہ شاید یہ ادھورے مقابلے کو مکمل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ خوفزدہ نہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔ دونوں کی حالت زخمی شیر جیسی تھی۔ لیکن پھر اچانک ہی شہروز نے کہا۔ ''شاہ ور نبی بخش کو اٹھانے میں میری مدد کرو۔''

شاہ ور نے صرف ایک لمحے تک توقف کیا لیکن پھر جھک کر نبی بخش کو شانوں سے اٹھا لیا۔ ٹانگیں شہروز کے ہاتھوں میں تھیں وہ نبی بخش کو باہر لے گیا۔

شینا ایک بار پھر جمیل کے پاس جا کر بیٹھ گئی' انوار ہتھیار بھر بھر کر کمرے کے وسط میں رکھنے لگا' کچھ دیر بعد شہروز نے واپس آ کر لالٹین جلائی۔ اس دوران انوار شینا اور جمیل کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ وہ شینا کو شرمیلے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اسے اس لڑکی کے ساتھ دوستی ......کی خواہش کے ساتھ ساتھ حسد بھی محسوس ہو رہا تھا کیونکہ وہ یقیناً اس کیلئے باپ جیسے محترم شہروز کیلئے بھی اہمیت اختیار کر گئی تھی۔

''تم نے کہا تھا کہ میں غلطی پر ہوں شہروز۔'' منوچہر نے لالٹین کی بھڑکتی ہوئی لو دیکھ کر کہا۔ ''اب تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ میری وجہ سے نبی بخش کی جان گئی۔''

''نہیں جناب! میں یہ نہیں کہہ سکتا۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''تب پھر دوسرے کہیں گے۔'' منوچہر بولا۔ ساتھ ہی اس نے ملاحوں کی طرف دیکھا۔ وہ ساکت کھڑے ہوئے تھے...... اور جنگل سے کسی کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

''لانچ کے بارے میں کیا خیال ہے جناب!؟'' شہروز نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ ٹھیک ہے۔ تم خود وہاں جا کر تیاری کرو۔'' شہروز نے اس بار کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور نوید...... تم ذرا شاہ ور کو بلاؤ۔'' شاہ ور اس وقت کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''ہم یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں۔ شاہ ور'' شہروز لانچ پر جا رہا ہے...... شہروز تم کس کو لے کر جاؤ گے۔'' یہ کہہ کر وہ...... شاہ ور کی طرف پھر پلٹا۔ ''سامان تیار کراؤ۔''

''نبی بخش کا کیا ہو گا جناب! شاہ ور نے پوچھا۔

''ہم اسے سمندر کے حوالے کر دیں گے۔''

''لیکن اس کیلئے ہمیں وزن درکار ہو گا۔''

''تب پھر چھوڑ دو اسے یہیں سپرد خاک کر دیں گے۔''

''شہروز تم نوید کو ساتھ لے جاؤ...... علی رضا...... اور حشمت۔''

''علی رضا کے ساتھ اختر ہے جناب۔''

''ٹھیک ہے۔ ان سے کہو کہ لانچ کو روانگی کیلئے تیار کریں۔''

''بہت بہتر جناب!'' شہروز نے یہ کہتے ہوئے شینا کی طرف دیکھا جو سمجھ گئی کہ وہ

جا رہا ہے۔ اس کی آنکھیں شہروز سے گونگی درخواست کرنے لگیں۔''

شہروز نے انوار کو اشارہ کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ شہروز اسے شینا کی حفاظت کی درخواست کر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے پستول نکال کر گود میں رکھ لیا۔ پھر شہروز نوید کے ساتھ نکل گیا۔ دونوں بہت محتاط انداز میں ساحل کی طرف بڑھنے لگے۔

''ذرا محتاط رہنا نوید!''

اختر اور علی رضا فائرنگ کی آواز سن کر خطرناک حد تک چوکس ہو گئے اور اگر انہوں نے ہمیں جنگلی سمجھ لیا تو فائر کھول دیں گے۔''

''تب پھر انہیں آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کر لیں۔'' نوید نے تجویز پیش کی۔

''درست...... لیکن آواز ٹیلے سے دیں گے اور ہاں درختوں کے سایوں میں چلو۔''

انہوں نے اوپر پہنچ کر اختر اور علی رضا کو آوازیں دیں۔ لیکن انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ کئی بار کی کوشش میں ناکامی کے بعد وہ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر تقریباً دوڑتے ہوئے ساحل تک پہنچے اور پھر ٹھٹک کر رہ گئے۔

ان کے دل بیٹھنے لگے۔ اعصاب شکستہ ہو گئے' آنکھوں میں نمکین پانی اتر آیا اور ان کے حلق سوکھ گئے۔

لانچ ان کے سامنے تھی۔ مگر تباہ ہو چکی تھی۔

لانچ تباہ ہو چکی تھی۔ ڈیک الگ تھا۔ تختے فریموں سے نکل پڑے تھے اور وہ اب ناقابل مرمت ہو چکی تھی۔ بادبانوں کیلئے مخصوص جگہوں کو بری طرح توڑا گیا تھا۔ اور لانچ ایک ایسا کھلونا نظر آ رہی تھی جسے کسی ضدی بچے نے توڑ مروڑ دیا ہو۔ اور اس کی توپ بے ضرر انداز میں آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ جنگلی ساز و سامان...... حتیٰ کہ اوزار تک لے کر نہیں گئے تھے۔

شہروز نے پانیوں کی طرف دیکھا۔ جن پر چاندنی کسی سفید چادر کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ نوید بھی اسی طرح گنگ تھا۔ غالباً لانچ کی حالت دیکھ کر انہیں مستقبل بھی تاریک نظر آنے لگا تھا۔ اور وہ اسی تصور سے گنگ ہو گئے تھے۔ شہروز کو ایسا لگا جیسے اس کے بدن میں کوئی برف بھر گیا ہو اور کسی سرد ہاتھ نے اس کا دل پکڑ رکھا ہو۔ یہ خوف مایوسی اور ناامیدی کے

جذبات تھے۔ یہ خیال تھا کہ اب وہ مہذب دنیا کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔

''ہم!......'' یہ موت جیسی خاموشی نوید ہی نے توڑی۔

''ہم یہ اوزار ساتھ ہی لے چلیں گے صاحب!''

''ہاں۔'' شہروز کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور اس کے اشارے پر نوید اوزار جمع کرنے لگا تھا۔

''کیا لانچ کی تلاشی نہ لے لیں جناب!''

''نوید بڑی ہمت سے کام لے رہا تھا۔

''درست۔'' شہروز ایک طویل سانس لے کر بولا۔ پھر وہ تباہ شدہ لانچ کی تلاشی لینے لگے۔ اچانک ہی انہیں پچاس فٹ دور سے کسی کی کراہ سنائی دی۔ شہروز نے فوراً پستول نکال لیا۔ ساتھ ہی اسے دوسرے ہاتھ میں بھی پستول نظر آنے لگا۔''

''تم یہیں ٹھہرو...... مجھے کور کیئے رکھنا میں آگے جا رہا ہوں۔''

وہ بہت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور جس جگہ سائے ختم ہو رہے تھے وہ وہیں رک گیا۔ اب وہ لانچ سے نیچے اتر کر آگے پگڈنڈی پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔

کراہ ایک بار پھر سنائی دی لیکن یہ کراہ ایسی تھی جیسے کراہنے والے نے اسے دبانے کی کوشش کی ہے۔ تب ہی اسے احساس ہوا کہ اس نے ریت پر کسی کے چلنے کی آوازیں سنی ہیں۔ اب اسے خود بھی خوف محسوس ہونے لگا تھا لیکن وہ خود بھی تنہا تھا اور چاندنی سے اندھیرے میں چلا آ رہا تھا۔ اب اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ یہ پتہ چلا سکے کہ آواز کس طرف سے آ رہی ہے۔

''اف!'' اس نے اچانک ہی اپنے بہت قریب ہی آوازیں سنیں۔

''کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔ اس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ آواز ''اف!'' ہی تھی تو یہ خدشہ بھی ختم ہو گیا کہ اندر کوئی جنگلی چھپا ہوا ہے۔

''اف!'' کوئی اپنا ہی کہہ سکتا تھا۔ یہ ان کی اپنی زبان تھی۔ اس نے دونوں پستول ہولسٹر میں واپس ڈال کر نوید کو آواز دی اور ایک سمت میں دوڑ لگا دی۔ پھر اچانک ہی اس کی نظر اختر پر پڑ گئی۔

وہ دونوں اسے اٹھا کر بڑے مکان تک لائے یہاں انہوں نے بغور اس کا معائنہ کیا۔ اس کی بائیں آنکھ کے گرد خون جما ہوا تھا۔

جب اختر کی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ شہروز نے لوگوں کو وہ کہانی سنائی جو راستے میں اختر نے اسے سنائی تھی۔ کہ اختر کس طرح ساحل پر آرام کر رہا تھا کہ اچانک جنگلیوں نے لانچ کے عقب میں پانیوں سے نکل کر دھاوا بول دیا۔ علی رضا کو یہ پتہ ہی نہ چلا کہ اس پر کس چیز سے ضرب لگائی گئی تھی اور یہ کہ اختر نے کس طرح کئی جنگلیوں کو مار گرایا۔ لیکن پھر ایک پتھر کی شدید ضرب سے اسے چکر آ گیا اور پھر کیا ہوا اس کے بارے میں اسے کچھ یاد نہ رہا۔

یہ سب کچھ بتا کہ شہروز خاموش ہو گیا اور پھر اچانک اس گھمبیر سناٹے میں جمیل نے آہ بھر کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اس نے سہارے کیلئے لڑکی کو تھام رکھا تھا۔ جمیل کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ چہرے پر سنگ مرمر کی بے جان دو گولیوں کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کی باچھوں سے تھوک یا رال ٹپک رہی تھی اور وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز میں بھی اجنبیت تھی۔

''تم لوگ اب کسی بندرگاہ کو...... نہیں ...... دیکھ سکو گے۔'' اس نے کہا ''اب یہیں رہو گے۔ انہی آدم خوروں میں۔'' ...... اتنا کہہ کر وہ ہانپ گیا۔ کچھ اس طرح جیسے میلوں دور سے دوڑتا ہوا آیا ہے۔ اس کا سر ڈھلک گیا۔ اس نے اشارہ سے شینا سے پانی مانگا۔ لیکن اس سے قبل کہ جمیل کے ہونٹوں سے پانی کا پیالہ لگاتی جمیل کی پتلیاں پھیل گئیں۔ ان سب نے سر جھکا لیا۔

شینا شدید خوف کے باعث کانپنے لگی۔ وہ ہر ایک کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے یہ خوف تھا کہ یہ لوگ اسے جمیل کی موت کا ذمے دار ٹھہرائیں گے۔

تب ہی شہروز نے لالٹین اٹھاتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا دیا۔

شہروز نے تجویز پیش کی کہ جمیل اور نبی بخش کو اسی کمرے میں سپردخاک کر دیا جائے۔ اس کام میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ انہوں نے مٹی برابر کی اور اس کے اوپر چٹائیاں دوبارہ بچھا دیں۔ شینا کو اس پر زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کے قبیلے میں یہ رسم تھی کہ اپنوں کے درمیان مرنے والوں کو گھر میں ہی دفن کیا جائے۔

''اب ہم لانچ بھی کھو چکے ہیں۔'' منوچہر نے فاتحہ خوانی کے بعد اونچی آواز میں

کہا۔ ''غالباً یہ ہی ہمارا سب سے بڑا امتحان ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ختم ہو چکے ہیں۔ ابھی ہمارے پاس موقع ہے۔ ہمارے پاس اوزار موجود ہیں اگرچہ ہمارا بڑھئی زندگی کی اس دوڑ میں ہمارے ساتھ موجود نہیں لیکن ہم اس کی غیر موجودگی کے باوجود ایک کشتی تیار کر سکتے ہیں۔ اس کیلئے ہمیں خدا تعالیٰ کی رحمتوں کی امید رکھنی چاہیئے۔

منوچہر کا لہجہ شکستہ تھا۔ لیکن الفاظ میں جرأت کی جھلک نظر آتی تھی۔

''اپنے جہاز کو مت بھولو۔'' منوچہر نے ملاحوں کے چہروں پر نا امیدی دیکھ کر کہا۔

''میری مراد یہ نہیں کہ جہاز قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن میں اس لانگ بوٹ کا ذکر ضرور کروں گا۔ جو جہاز پر موجود ہے۔ اس کشتی کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا ہے۔ ایک دو دن کی محنت کے بعد کشتی سمندر کے سفر کیلئے تیار ہو جائے گی۔! لڑکو! سنو۔ ابھی امید باقی ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ جنگلیوں کی طرف سے مزاحمت ہوگی۔ لیکن وہ شینا کی طرف پلٹا اور انگلی سے اس کی سمت اشارہ کرنے لگا۔ لیکن یہ لڑکی جزیرے سے باہر جانے میں ہماری رہنمائی کرے گی۔''

اب منوچہر کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ شاید وہ مایوسی اونچے لہجے میں چھپانا چاہتا تھا۔

یہ لڑکی ہمیں کسی محفوظ کمین گاہ تک لے جا سکتی ہے۔ منوچہر کی نظریں اب بھی شینا پر جمی ہوئی تھی۔ پھر ہم کوئی ایسی کشتی بنا ڈالیں گے جو ہمیں اسکائی لارک تک پہنچا سکے۔ اوزار ہمارے پاس ہیں ایک بار جہاز تک پہنچ گئے تو لانگ پورٹ نیکسن تک پہنچ سکیں گے۔

شاہ ور آگے بڑھا۔ لیکن شہروز اسی موقع کیلئے چوکس تھا۔ وہ فوراً ملاحوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔''

''کپتان!......'' اس نے بوڑھے ناخدا کو مزید کچھ بولنے نہیں دیا۔

صبح جلد ہونے والی ہے اور اگر ہمیں جزیرے سے نکلنا ہے' تو فوراً روانہ ہونا پڑے گا' تا کہ ہم اندھیرے میں نکل سکیں۔

منوچہر نے اس کی طرف دیکھا۔ ناخدا کی زخمی آنکھ سے پانی بہہ رہا تھا۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو شہروز!'' منوچہر نے کہا۔

''شاہ ور!'' منوچہر نے ایک بار پھر صورتحال کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سارا سامان اوپر جمع کرا دیں۔'' اس کی نظریں شاہ ور پر ہی تھیں جو اس کی ہدایت پر بے چون و

چراں عمل کرنے کیلئے قدم اٹھا چکا تھا۔ شہروز سوچ رہا تھا کہ اگر اس کے اور شاہ ور کے درمیان خلیج دور ہو سکے تو یہ کتنا اچھا ہوگا۔

سامان جلد ہی باندھ لیا گیا اور بوجھ کی تقسیم بھی مکمل کر لی گئی اور پھر وہ خاموشی سے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اس پر شینا کسی مستعد چوکس شیرنی کی طرح ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ وہ تیزی سے چل رہی تھی اور ایسے مقامات پر جہاں چاندنی داخل نہیں ہو سکتی۔ پیروں کی ذرا سی بھی لڑکھڑاہٹ خطرے کو دعوت دے سکتی تھی۔ لہٰذا شہروز نے اشاروں میں شینا کو احتیاط سے چلنے کی ہدایت کی۔

وہ درختوں کے گھنے جھنڈ میں چل رہے تھے۔ یہاں مچھروں کی بہتات تھی۔ جوان کے جھنڈ میں آتے ہی سرگرم ہو گئے تھے۔

شینا کو بھی یہ احساس تھا کہ جنگلی انہیں دیکھ کر حملہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ انہیں ٹیلوں کے دامن اور درختوں کے جھنڈوں کے درمیان بنے ہوئے راستوں پر لے جا رہی تھی۔ اس نے وہ راستہ اختیار نہ کیا جو بلند تھا اور جہاں چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔

وہ گاؤں سے جتنا دور ہو رہے تھے۔ ان کی امیدیں اتنی ہی بڑھ رہی تھیں۔

وہ ساحل پر پہنچے تو انہیں آسمان پر قطبی ستارہ نظر نہ آیا۔ یہاں ستارے تو کیا چاند بھی بہت مدھم تھا۔ پھر وہ انہیں ایک کھلی ڈھلان سے گزارتی ہوئی ایک سبزہ زار پر لے آئی جس کے ایک طرف بلند ٹیلے تھے۔ دوسری طرف ایسی ڈھلان جو سمندر تک لے جاتی تھی۔

یہاں انہوں نے سامان اتار کر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ صبح کی پہلی کرن کے جنم لیتے ہی شینا شہروز کے پاس آ گئی۔ اس نے اشارے سے شہروز کو ذرا دور بلایا اور پھر ہاتھ پکڑ کر کنارے پر آئی۔ یہاں سمندر کی گھن گرج صاف سنائی دے رہی تھی۔

سمندر دور تک دکھائی دے رہا تھا۔ مگر وہاں اسکائی لارک کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

شہروز نے انہیں یہ بری خبر سنائی تو وہ سب ہی خاموش رہے۔ بس ایک احساس ضرور ہوا گم ہو جانے ...... ختم ہو جانے کا احساس کسی نے طویل سانس لی' کوئی بدبدا کر رہ گیا اور کوئی منہ کھولے رہ گیا۔ سب ہی کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب پورٹ نیکسن نہیں پہنچ سکیں گے۔

شاہ ور کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرد اور بے تاثر تھیں۔ شہروز ہوشیار ہو گیا کیوں کہ اس وقت اسے شاہ ور کی طرف سے کسی بھی ردعمل کی توقع تھی۔

پھر معاً ہی شہروز کو شاہ ور سے اپنی پہلی ملاقات یاد آ گئی۔

ان دنوں سکائی لارک نامی جہاز شعان کے اولڈ ہالف میں لنگر انداز تھا۔ وہ رات بہت ہی سرد اور نازک تھی۔ شہروز' شاہ ور کو اس کا کیبن دکھا کر خود اپنے کیبن میں چلا آیا تھا تا کہ چار گھنٹے بعد اٹھ سکے۔ اس نے چوکیدار کو یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ وہ اسے چار گھنٹے بعد بیدار کر دے۔ لیکن چوکیدار نے اسے بتایا کہ عرشے پر ایک عورت بھی موجود ہے۔ لہٰذا شہروز کیبن سے پھر نکلا تا کہ عورت کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔

وہ طویل القامت اور سانولی عورت تھی۔ جو بارش کے باوجود وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ بادبان اس کے گرد پھڑ پھڑا رہے تھے۔ وہ ان کو نہ دیکھ پائی۔

یہ عورت نئے سیکنڈ میٹ سے ملنے آئی ہے جناب!'' چوکیدار نے شہروز کو بتایا تھا۔

''مگر کیوں؟'' شہروز نے پوچھا تھا۔

''پتہ نہیں؟ چوکیدار نے کہا۔

''ویسے غلطی اس کی ہے۔ اگر اس نے رقم پیشگی نہیں لے لی تھی تو اب رقم سے ملنے سے رہی۔''

''اسے اندر مت آنے دینا۔'' شہروز نے عورت کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا جو بہر حال طوائف نہیں لگ رہی تھی۔

''اور کچھ؟''

''نہیں میں واپس آؤں گا۔'' یہ کہہ کر شہروز شاہ ور کے کیبن میں چلا گیا تھا۔ جہاں شاہ ور ایک پستول صاف کرتا ہوا ملا۔

''کیا کوئی عورت کا مسئلہ درپیش ہے؟'' اس نے پستول میں پھونک مارتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں۔''

''اس سے کہہ دو کہ میں جہاز پر نہیں ہوں۔'' شاہ ور نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

''یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔'' شہروز نے بہت سنجیدگی سے کہا اور پھر دروازے کی طرف پلٹ گیا تھا۔

''وہ عصمت فروش نہیں ہے۔'' اسے شاہ ور کی آواز سنائی دی تھی۔ اس آواز میں ناراضگی اور برہمی کے تاثرات شامل تھے۔

''میں نے یہ کب کہا ہے کہ وہ بدقماش ہے۔'' شہروز نے جواب دیا تھا اور پھر کیبن سے نکل کو چوکیدار کے پاس آ گیا تھا۔ ''چوکیدار تم نے اس کو یہ تو نہیں بتایا تھا کہ شاہ ور جہاز پر موجود ہے۔''

''نہیں میں نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا۔''

تب پھر اسے کہہ دو کہ تم نے ایک آدمی شاہ ور کی تلاش میں بھیجا تھا۔ مگر شاہ ور جہاز پر سوار نہیں ہوا۔'' یہ کہہ کر وہ ایک ایسی جگہ کھڑا ہو گیا تھا جہاں سے عورت کو اچھی طرح دیکھ سکے۔ عورت گینگ وے پر جھولتی ہوئی لالٹین کی روشنی میں آ گئی۔ تب ہی شہروز کو احساس ہوا کہ وہ غیر معمولی طور پر حسین عورت ہے۔ اور اس کی کالی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ اور اس کا پورا وجود بھیگ جانے کے باعث کانپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی صاف جھلک رہی تھی۔

چوکیدار نے اس سے کچھ کہا تو وہ نچلا ہونٹ دبا کر کچھ دیر تک چوکیدار کو گھورتی رہی اور پھر واپس چلی گئی۔ اس صبح اسکائی لارک کے لنگر اٹھا لئے گئے۔ جمیل نے اس ہجوم کی طرف دیکھا جو جہاز کو رخصت کرنے کیلئے آیا تھا۔ مگر ان میں وہ عورت شامل نہ تھی۔ شاہ ور نے شہروز سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کی۔ لیکن شہروز یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ شاہ ور نے اس عورت سے اس طرح چھٹکارا کیوں حاصل کیا۔ سفر کی چوتھی رات۔ شاہ ور غیر متوقع طور پر اسے ملنے کیلئے آیا۔

اس وقت شہروز عرشے پر تھا۔ اور آس پاس کوئی نہ تھا۔ یہاں شاہ ور نے اسے عجیب انداز میں بتایا تھا کہ وہ پراسرار عورت دراصل اس کی بیوی تھی۔ چند الفاظ میں یہ بیان کر کے وہ خاموش کھڑا ہو گیا۔

''مجھے افسوس ہے۔ شاہ ور خاتون بہت حسین تھی۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ لیکن

شاہ ور کے سرد انداز کے باعث اس نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس کے بعد شاہ ور نے پھر کبھی بیوی کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

جہاز تین ماہ بعد واپس آیا تو شہروز کو معلوم ہوا کہ عورت نے اسکائی لارک کے روانہ ہونے والے دن ہی خودکشی کر لی تھی۔ اس کی لاش اولڈ ہالف کے پائپوں میں ملی تھی۔ ہالف کا چوکیدار بھی جہاز کی روانگی کے کچھ دنوں بعد مر گیا تھا۔ لہٰذا شہروز کو یہ علم نہ ہو سکا کہ وہاں کے حالات کیا رہے؟ جب تک جہاز یہاں رہا شہروز یہ ہی سوچتا رہا کہ کیا شاہ ور کو اپنی حسین بیوی کی موت کا علم ہے اور کیا یہ کہ شاہ ور کو یہ معلوم ہے کہ شہروز کو بھی اس کا پتہ چل گیا ہے۔



شہروز نے سر جھٹک کر شاہ ور کی طرف دیکھا۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔ شاہ ور؟'' شہروز نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اس کا علم تمہیں اور...... اس قاتل ناخدا کو ہوگا۔'' شاہ ور کا لہجہ بہت جارحانہ تھا۔

تمام افراد صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگا کر کھڑے ہو گئے۔ شہروز ان سب کو دیکھ رہا تھا کہ کس کے چہرے پر کس قسم کے تاثرات ہیں۔ کون...... شاہ ور کا حامی ہے' منوچہر نے شاید یہ مکالمہ نہیں سنا تھا۔ کہ وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔

''اپنے الفاظ واپس لے لو شاہ ور۔'' شہروز نے غرا کر کہا۔

''نہیں میں کچھ بھی واپس نہیں لوں گا۔ شاہ ور نے فوراً جواب دیا'' بھلا میں اپنے الفاظ کیوں واپس لوں...... کیا منوچہر نے ہمیں موت کے چنگل میں نہیں پھنسایا۔ کیا اس جزیرۂ مرگ پر ہمیں موت کے منہ میں نہیں لا ڈالا۔ کیا اس نے اپنا جہاز تباہ نہیں کیا۔ اگر یہ پاگل پن کا مظاہرہ نہ کرتا تو ہم کبھی اس مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتے۔''

شاہ ور کے دلائل میں جو وزن تھا اس کا احساس شہروز کو بھی تھا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ اس وقت صرف اور صرف فرض ہی ہر دلیل پر بالاتر ہے۔ وہ فرائض سے انحراف کرنے والی کسی بھی ہستی کی راہ میں حائل ہونے کو تیار تھا۔ اس نے شاہ ور سے دوستی کا خیال ترک کر دیا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ شاہ ور بغاوت کر چکا ہے۔

''میں تمہیں ایک بار انتباہ کر رہا ہوں شاہ ور'' اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔

''تم اپنے اوپر سنگین الزامات کو دعوت دے رہے ہو۔ اپنے الفاظ واپس لے لو تم ہمارے ساتھ رہ سکتے ہو۔ میں تمہیں عہدے سے معزول کرا کے ساتھ رکھنے پر کپتان کو آمادہ

کرلوں گا۔"

"اب تم یا تو اپنے الفاظ واپس لو...... یا پھر نتائج کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوجاؤ۔"

"اور تمہارے حکم کو بجا لاؤں ......! شاہ ور غرا کر بولا پھر اچانک وہ دوسروں کی طرف پلٹا اور اس نے منوچہر کی طرف اشارہ کیا۔"اس شخص کو دیکھو لو اور یہ بتاؤ کہ تم نے کبھی اتنا بڑا مجرم دیکھا ہے۔ کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور یہ ہمارا کپتان ہے اور تم وہ شہروز کی طرف پلٹا ...... اور تم ...... تم نے منوچہر سے حکم دلوایا کہ ہم لوگ اس عورت کی حفاظت کریں۔ تمہارا مقصد یہ تھا کہ تم اس حسین عورت کو اپنے ساتھ رکھو اور ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا کردو کہ یہ عورت ہمیں آدم خوروں کی خبریں دیتی ہے لیکن سنو! یہ عورت تمہارا وہ حشر کرے گی کہ تم زندگی بھر اگر زندہ رہے تو اپنے زخم چاٹتے رہو گے۔ سنو لڑکو! وہ ملاحوں کی طرف پلٹا۔"ان کی سازش یہ ہے کہ ہم سب جمیل اور نبی بخش کی طرح مر کھپ جائیں پھر یہ ...... اور یہ عورت ...... دونوں ان شیطانوں کی بستی میں جا کر عیاشی کرنے لگیں۔

انوار بہت زور سے دھاڑا۔ ایک پل کو تو ایسا لگا جیسے وہ شاہ ور پر حملہ کردے گا۔

"انوار......" شہروز چلایا...... "تم الگ رہو نوید لڑکے کو سنبھالو۔"

"میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔ انوار۔" شاہ ور نے غیر معمولی طور پر صفائی پیش کیا۔

"کیا بات ہے...... کیا ہوا۔؟" منوچہر نے اس طرح پوچھا جیسے اس نے ابھی کچھ سنا ہو۔"تم کیا کہہ رہے ہو۔ شاہ ور۔؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم قاتل ہو۔" شاہ ور کا لہجہ پھر بلند ہوگیا اور تمہارا یہ ساتھی بھی جسے اس آدم خور حسینہ سے پیار ہے قاتل ہے۔" منوچہر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر شاہ ور کی طرف بڑھنے لگا۔ شاہ ور حقارت سے مسکراتا رہا۔ لیکن شہروز نے منوچہر کو تھام لیا۔

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے نااہل خبیث کپتان۔" شاہ ور دھاڑا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ پستول کی طرف رینگ گیا۔"اب تم کسی کو قتل نہیں کرا سکو گے۔ منوچہر۔" اس نے سنگین لہجے میں کہا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید ہوگیا۔ اس نے پستول نکال لیا۔ غالباً اس نے منوچہر کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن اچانک ہی پستول ایک دھماکے کے ساتھ اس کے ہاتھ سے نکل

گیا۔ پستول پر شہروز کے پستول کی گولی لگی تھی۔ شاہ ور ڈگمگا کر رہ گیا لیکن اس نے بڑی پھرتی سے خود کو سنبھالا اور شینا کے پیچھے پوزیشن لے لی...... اس نے دوسرا پستول بھی نکال لیا۔

شہروز دائیں طرف سے اس کی طرف بڑھا لیکن اسی لمحے شاہ ور نے فائر کردیا۔

شہروز کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے چہرے کا دایاں حصہ چھیل دیا ہو۔ پھر شینا ایک چیخ مار کر اس کی طرف لپک آئی۔

شاہ ور کی گولی نے کنپٹی کے قریب والا حصہ چھیل دیا تھا جس سے اب خون بہہ رہا تھا لیکن شہروز نے ابھی تک اپنے دوسرے پستول سے گولی نہیں چلائی تھی اور یہ پستول اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ اب شاہ ور اس کے سامنے تھا۔ شہروز کے دل نے کہا گولی چلاؤ اور اس باغی کو ختم کردو۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مخالف نہتا ہے۔

شاہ ور کا دایاں ہاتھ خون آلود ہو رہا تھا کیونکہ شہروز کی پہلی گولی کے باعث پستول اس کے ہاتھ میں پھٹنے کے بعد دور جا گرا تھا۔

"کھڑے ہوجاؤ۔" شہروز نے حکم دیا۔

شاہ ور اپنی جگہ ساکت بیٹھا رہا۔

"کھڑے ہوجاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔" اس بار شہروز کو غصہ آگیا۔

شاہ ور کی آنکھیں شہروز کے پستول کی نال پر گڑھی ہوئی تھیں۔ شاہ ور آہستہ آہستہ اٹھ گیا۔

"پستول پھینک دو......" شہروز نے غرا کر کہا اور شاہ ور کا دوسرا پستول بغیر آواز کے ساتھ دوسری طرف گر گیا۔

"اب منوچہر کو فیصلہ کرنا ہے شہروز نے سوچا۔ اس نے یہ ہی بات منوچہر سے کہی لیکن اس کی نظر شاہ ور پر جمی رہی۔

منوچہر اب بھی شاہ ور کو گھور رہا تھا۔ شاید وہ یہ محسوس کررہا تھا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اس نے بولنے کی کوشش کی۔

"کیا تم اپنے آپ کو فٹ محسوس کرتے ہو؟"

منوچہر اس کا مطلب سمجھ گیا۔"اب تمہیں جانا پڑے گا شاہ ور اس نے سنگین لہجے

میں کہا۔

"کیا مطلب؟ شاہ ور کی آواز عجیب سی تھی۔

"میں نے کہا کہ تمہیں جانا ہوگا۔"

"شہروز" منوچہر نے اس کی آستین پکڑ لی مگر شہروز نے غصیلے انداز میں چھڑا لی۔

"میں اسے قتل نہیں کروں گا۔" شہروز نے کہا۔

"لیکن اسے جانا ہوگا..........اب یہ ہمارے ساتھ..........نہیں رہ سکتا۔"

"کیا میں اسلحہ ساتھ لے جاسکتا ہوں۔؟" شاہ ور نے سکون کی سانس لے کر پوچھا۔

"ہاں......لیکن صرف چھرے لے کر جاسکتے ہو۔ بارود نہیں۔" شہروز نے کہا۔ اور پھر نوید کی طرف پلٹا۔ "تم اس کی اچھی طرح تلاشی لو گے نوید اچھی طرح۔"

"شاہ ور کی جیب میں بارود نہیں صرف گولیاں تھیں۔"

میں تمہیں خوراک میں سے تمہارا حصہ بھی دوں گا۔ پستول بھی لیکن بارود نہیں ملے گا۔"

"مگر یہ تو مجھے قتل کرنے کے..........مترادف ہوگا۔" شاہ ور نے شہروز کی طرف ایک قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میری بات پوری ہونے دو......شہروز نے پراعتماد لہجے میں کہا میں تمہیں اس وقت..........بارود نہیں دوں گا لیکن جب ہم یہ جگہ چھوڑ جائیں گے تو تم یہاں واپس آنا تمہیں بارود رکھا ہوا مل جائے گا۔ اس درخت کے نیچے دفن۔

اب وہ مرحلہ آ گیا تھا جس سے خود شہروز خوفزدہ تھا۔ لیکن بہرحال اس مرحلے سے بھی گزرنا تھا۔ تب ہی اسے علم ہوتا تھا کہ وہ کتنا مقبول ہے۔

"لڑکو۔" اس نے گھمبیر لہجے میں سب کو مخاطب کیا۔ "تم میں سے کوئی شاہ ور کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔

ایک پل گزر گیا۔ دو افراد کے پہلو بدلنے جیسی آواز سنائی دی لیکن کوئی بھی "میں" کہتا ہوا آگے نہیں بڑھا۔ اختر' شاہ ور کے بالکل قریب ہی کھڑا ہوا تھا اور اس کی نظریں زمین

پر ہی گڑھی ہوئی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے تم تنہا جاؤ گے شاہ ور۔" شہروز نے سکون کی ایک طویل سانس لے کر کہا ساتھ ہی اسے شاہ ور سے ہمدردی کا بھی احساس ہوا۔ اس خطرناک جزیرے پر زندگی کیلئے تنہا جدوجہد کرنا بہت مشکل بات تھی' یہ شیطانوں کا جزیرہ تھا۔

نوید! شاہ ور کے پستول اٹھالو......شہروز نے حکم دیا۔ نوید نے وہ پستول دائیں ہاتھ میں لے لیا جو شاہ ور نے شہروز کے حکم پر گرایا تھا اور دوسرا پستول جو شاید گولی لگنے سے ناکارہ ہوگیا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں اٹھا لیا پھر شہروز نے رمضو کو ہدایت کی کہ وہ ناکارہ پستول کی مرمت کردے۔"

"اب ذرا انہیں آزما کر دیکھو۔" شہروز نے نوید کو حکم دیا۔ پستول فائر کے قابل ہوگیا تھا۔ "اب بندوق آزماؤ۔" شہروز نے ہدایت کی۔ لیکن ساتھ ہی وہ چوکس ہوگیا۔ کیونکہ وہ اس وقت کسی پر بھی اعتماد نہیں کرسکتا تھا۔

"بندوق کا رخ درخت کی طرف رکھو۔" اس نے کسی خفیہ خوف کے اظہار کئے بغیر ہدایت دی۔

"جناب!" نوید نے بندوق کا رخ درخت کی طرف نہ کیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" ایک موہوم سا خدشہ سر اٹھانے لگا۔

درخت پر فائر کرنے۔ سے بارود ضائع ہوگا۔ نوید نے عجیب سے الفاظ میں کہا۔

"کیوں نہ اس بندوق کو اسی شخص پر آزما کر دیکھ لیا جائے۔

'شاہ ور ایک لمحے کیلئے کانپ کر رہ گیا۔ اس نے پہلے نوید اور پھر شہروز کو دیکھا۔

"نہیں۔" شہروز نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ مناسب ہوگا کہ تم زمین پر فائر کردو۔ نوید نے برا سا منہ بنا کر لبلبی دبا دی مگر بندوق نہ چلی۔ لیکن دوسری کوشش کامیاب رہی۔

"ٹھیک ہے......اب پستول اور بندوق نوید کے سامنے رکھ دو......شہروز نے کہا۔

"انوار!" اس نے لڑکے کو آواز دی۔ "شاہ ور کے حصے کا گوشت اور بسکٹ لے آؤ۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ خوراک آنے کے بعد اس نے نہایت سنجیدگی سے شاہ ور سے

کہا۔

''اپنا سامان اٹھا کر چلتے بنو۔شاہ ور!'' اگر تمہیں اپنی زندگی سے پیار ہے تو ہم سے زیادہ سے زیادہ فاصلہ رکھنا خدا حافظ......''

اس نے بڑے خلوص اور نیک نیتی سے خدا حافظ کہا تھا۔لیکن شاہ ور نے اگلے ہی لمحے اس کی نیک نیتی کو برباد کردیا۔''تم پچھتاؤ گے شہروز۔'' شاہ ور نے غرا کر کہا۔ اس کی آنکھوں اور لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔ پھر وہ منوچہر کی طرف پلٹا۔

''تم بھی دوسروں کی طرح یہیں مرو گے۔اور تمہاری لاش سڑ جائے گی۔''

''دفعان ہوجاؤ۔''......شہروز نے چلا کر کہا۔

''اگر تم نے اب ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔'' اس وقت شہروز غصے سے کانپ رہا تھا۔

شاہ ور جھکا اس نے تیزی سے سامان اٹھایا اور چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد شہروز نے سب سے پہلے اس مقام کو ایک کیمپ کی طرح منظم کیا۔ اس جگہ دو راستے تھے۔ ایک وہ راستہ تھا جس سے شینا انہیں یہاں لائی تھی اور دوسرا ساحل کی طرف چڑھائی سے اس طرف آتا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کیمپ پر کسی کی بھی نظر نہیں پڑسکتی۔ لہٰذا اس نے دونوں راستوں پر نوید اور شمشاد کی ڈیوٹی لگا دی۔ اس کے بعد وہ انوار اور شینا کے ساتھ ساحل کا جائزہ لینے کیلئے کھڑا ہوا اسے گمان تھا کہ اسے جہاز کا کوئی ٹوٹا پھوٹا حصہ ہی مل جائے گا۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ کشتی بھی کہیں آس پاس مل سکتی ہے۔

یہ تلاش صبح تک جاری رہی۔ لیکن اس کا نتیجہ نمکین گوشت کے چند ٹکڑوں اور ٹوٹے ہوئے تیر جیسی چیزوں کی شکل میں سامنے آیا۔ دوپہر تک جب اسے یقین ہوگیا کہ اب کوئی کام کی چیز نہیں ملے گی تو مایوسی نے اسے گھیر لیا۔

اب سوال یہ تھا کہ کیا نئی کشتی بنائی جاسکتی ہے۔ اس کام کیلئے انہیں کسی ایسی خفیہ جگہ کی ضرورت تھی۔ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ اتنے دن پوشیدہ رہ سکتے ہیں کہ جب درخت کاٹیں تو جنگلیوں کی نظر ان پر نہ پڑے۔ اس صبح اس نے ایک ایسی جگہ دیکھی تھی جو پیالے نما تھی۔ جہاں وہ کام بھی کرسکتے تھے اور اپنا دفاع بھی۔ لیکن پھر ایک اور

خیال آیا کیوں نہ کسی دوسرے جزیرے کو کمین گاہ بنالیا جائے۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں دھماکہ سا ہوا کیوں نہ کشتی چوری کرلی جائے۔

''شینا!'' اس نے آواز دی۔ کیونکہ وہ انوار کے ساتھ کچھ آگے نکل گئی تھی۔ انوار نے شرمیلے انداز میں شینا کو کہنی سے ٹھوکا دیا تو وہ مسکرانے لگی۔ ''اسے واپس لے آؤ۔ انوار'' اس نے کہا۔

''میں ایک تجویز پر غور کررہا ہوں۔ شینا جلد ہی اشاروں کی مدد سے اس کا مافی الضمیر سمجھ گئی۔ اسے سمجھانے کیلئے شہروز نے ریت پر ایسی کشتی کی تصویر بنائی تھی جو اس نے گاؤں میں دیکھی تھی۔ یہ کشتی پچیس' تیس فٹ چوڑی تھی اور اس قابل تھی کہ اس میں سمندر کا سفر کیا جاسکتا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا کشتی اس کا سامان بھی سنبھال سکتی ہے۔'' شینا نے سر ہلاتے ہوئے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ وہ یہ بتا رہی تھی کہ انہیں کشتی میں کس طرف سفر کرنا ہوگا۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے کیمپ میں واپس آگئے۔ جہاں اب شمشاد کی جگہ حشمت نے اور نوید کی جگہ اختر نے لے لی تھی۔ ابھی تک جنگلیوں کی تاک جھانک کا کوئی واقع نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی شاہ ور نے اس طرف کا رخ کیا تھا۔

''میرا خیال ہے شاہ ور اب یہاں کبھی نظر نہیں آئے گا۔''

نہیں نوید!'' شہروز نے سرگوشی کی۔ ''وہ ذہین آدمی ہے اور کسی بھی وقت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔''

''اس لڑکی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جناب!'' نوید نے شینا کے بارے میں پوچھا۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''اس نے ہماری مدد بھی تو کی ہے۔'' نوید نے کہا۔

''ہاں......''

''کیا آپ کو اس سے ذرا بھی لگاؤ نہیں۔'' نوید نے زیرلب مسکراتے ہوئے پوچھا اور پھر رمضو نے اچانک ہی اپنی رائے دینے کا فیصلہ کیا۔

شاہ ور کی نظریں اسی پر تھیں۔ اور یہ بات میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ عورتوں کا بڑا رسیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ اس عورت کیلئے آس پاس منڈلا بھی رہا ہو۔

شہروز وہاں سے ہٹ گیا تو نوید نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔

''کاش شہروز صاحب! اسے گولی مارنے کا حکم دیتے۔ یا مجھے نہ روکتے۔'' ''سنو۔'' اس کا لہجہ بڑا دھیما ہو گیا۔ رمضو بھی اس کے قریب آ گیا۔

''تم نے نہیں دیکھا کہ رمضو میری جگہ ڈیوٹی دینے کیلئے کتنا بے چین تھا۔''

''ہاں میں نے اندازہ لگایا تھا۔''

''لیکن کیوں؟''

''میرا خیال ہے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا چاہتا تھا۔'' رمضو نے جواب دیا۔ ''مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔''

''کیا؟'' رمضو نے پوچھا۔

''اختر بہت چالاک ہے' وہ ڈیوٹی پر رہنے کے بہانے شاہ ور کو بارود فراہم کر سکتا ہے۔''

''اور ہاں' کیا واقعی وہ ایسا کر سکتا ہے۔

''سوال یہ ہی ہے۔'' نوید نے اپنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

شہروز' منوچہر کے ساتھ ایک درخت کے نیچے سر جھکائے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کے ہاتھ گودوں میں تھے۔ منوچہر کی پتلون مٹی سے آلود تھی۔ قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ جیکٹ ایک طرف پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ شکست خوردہ جنرل لگ رہا تھا۔

''تمہیں کشتی کا کچھ پتہ چلا شہروز!؟'' اس نے بہت دیر بعد پوچھا اور جواب نہ ملا تو وہ خود ہی بولا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں۔ امید باقی ہے۔'' شہروز نے اس کو تسلی دی۔

''امید۔'' منوچہر نے اپنا رومال سوجھی ہوئی آنکھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو اس لفظ کا مطلب ہی بھول چکا ہوں۔ نہیں کوئی امید نہیں۔ شہروز!''

''ہم ایک کشتی تو حاصل کر سکتے ہیں۔''

''کشتی؟'' منوچہر نے اپنی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم کہنا چاہتے ہو

کہ ہم معمولی کشتی میں پورٹ نیکسن کا سفر کریں گے۔''

''نہیں جناب!''

''پورٹ نیکسن بہت دور ہے۔ پھر جھیل میں کشتی چلانا بہت دشوار ثابت ہو گا۔ سمندر تک پہنچنے کی بات تو بعد میں آئے گی۔''

''آپ میری بات تو سنیں۔'' شہروز نے قدرے خشک لہجے میں کہا ''میں یہ تجویز پیش کر رہا ہوں کہ ہم ایک ایسی کشتی حاصل کر لیں جو ہمیں اس جزیرے سے دوسرے جزیرہ تک لے جا سکے۔''

''آہ...... آتشدان سے نکل کر آگ میں کود پڑیں؟'' منوچہر شاید پوری طرح مایوس ہو چکا تھا۔

''آپ پوری بات تو سنیں۔'' اس بار شہروز کا لہجہ اتنا بلند تھا کہ کیمپ میں موجود دو افراد تک اس کی آواز پہنچ گئی۔ اور وہ پلٹ کر انہیں دیکھنے لگے۔ منوچہر نے پھر سر جھکا لیا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک ایسی کشتی مل جائے۔ جو ہمیں ایسے جزیرے پر لے جائے جہاں بڑی کشتی بنانے کیلئے لکڑی موجود ہو۔ میرے ذہن میں وہ کشتی موجود ہے۔ جو ہم نے یارک کے قریب دیکھی تھی۔''

''بادبان والی کشتی۔''

''جی ہاں۔ اس کے بادبان کھلے ہوئے تھے۔''

''لڑکی کو تمہاری اس سوچ کا علم ہے؟'' منوچہر نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''جی ہاں۔ وہ جانتی ہے۔''

''تم اپنے ساتھ کسے لے جاؤ گے۔؟''

''سب سے پہلے تو میں چوری چھپے خود جا کر ایک بار کشتی کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ اسے کہاں رکھتے ہیں۔ میں پہلے ساتھ لڑکی کو لے جاؤں گا اور انوار بھی میرے ساتھ ہو گا۔''

''لڑکی کو' ٹھیک ہے' میں اس کے ساتھ جانے کی وجہ سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن انوار تو ابھی بچہ ہے۔''

”جی ہاں۔ لیکن وہ بہت پھرتیلا اور ذہین بھی ہے۔ لڑائی بھڑائی میں بھی کام آ سکتا ہے۔“ یہ بات الگ تھی کہ وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا۔ کہ آئندہ انوار اور شینا کو ساتھ ساتھ رکھے گا۔

”ٹھیک ہے۔ جیسی تمھاری مرضی تم کب جاؤ گے؟“ منوچہر نے پوچھا۔

”کل صبح سویرے۔“

اور ابھی صبح بھی نہیں ہوئی تھی کہ شہروز بیدار ہو گیا۔ اس نے شینا اور انوار کو بھی اٹھایا۔ چند بسکٹ کھائے گوشت ساتھ لیا۔ اور جونہی دن کی روشنی نے طلوع ہونے کیلئے مشرقی آسمانوں پر گلال پھینکا' وہ اپنے ہتھیار اٹھا کر کیمپ سے نکل گئے۔



مطلع جزوی طور پر ابر آلود تھا۔ ہوا بہت کم تھی۔ جبکہ وادیوں میں تو برائے نام تھی۔ پہلے چند گھنٹوں میں شہروز نے دوبارہ پڑاؤ کا حکم دیا۔ اور آرام کیا۔ پھر چلتے چلتے سورج ان پر آگ برسانے لگا۔ ان کے ہر طرف کیڑے مکوڑے مکھی' اور مچھر تھے۔ زیریں حصوں کے دوران مچھر انہیں بھنبھوڑتے رہے۔ جبکہ کھلے ٹیلوں پر ان کے قدموں کی وجہ سے دھول اور مٹی اڑتی رہی۔ ایک چڑھائی پر چڑھتے ہوئے کسی پتھر سے ٹکرا کر شہروز کی کہنی زخمی ہو گئی۔ اس نے فوری طور پر رومال باندھ لیا۔ مگر ایک ہی گھنٹے بعد کہنی بری طرح سوج گئی۔ اور اس میں درد ہونے لگا۔

وہ بحفاظت گاؤں کے قریب تر پہنچنا چاہتا تھا۔ تاکہ کسی جگہ لیٹ کر کشتی کا جائزہ لے سکے۔ لیکن ابھی وہ گاؤں سے کچھ دور ہی تھے۔ کہ اچانک جنگلیوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اس کا پہلا اشارہ شینا نے ہی دیا۔

حسب معمول وہ رہنمائی کر رہی تھی۔ وہ ناریل کے درختوں کے جھنڈ میں سبزیوں کے باغ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کہ اچانک شینا کسی چھپکلی کی طرح زمین سے چپک گئی۔ شہروز نے بھی اس کی تقلید کی اور ساتھ ہی انوار کو بھی گھسیٹ لیا۔ شہروز ابھی تک دشمنوں کو نہیں دیکھ پایا تھا۔ لیکن اس نے اپنے دونوں پستول نکال لیے۔

چند منٹ بعد شینا کمر کمر تک گھاس میں اٹھی اور شہروز کو واپسی کا اشارہ کیا۔ وہ انہیں لے کر گھنے درختوں میں آ گئی۔ یہاں پہنچ کر اس نے یہ واضح کیا۔ کہ اب انہیں دن کا باقی وقت یہاں پر ہی گزارنا ہو گا۔ کچھ دیر بعد اس نے ان دونوں کو اشارہ کیا۔ وہ یہیں بیٹھ کر اس کا انتظار کریں خود کسی ہرن کی طرح دوڑ گئی۔ اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سبز ناریل

تھے۔انہوں نے پرسکون انداز میں گوشت کھایا اور ناریل کا پانی پیا۔اس کے بعد شینا اور انوار لکیروں کی مدد سے باتیں کرنے لگے۔ وہ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔کہ وہ دن کی روشنی ختم ہونے سے قبل اوپر ٹیلے پر جا کر نیچے کی صورتحال کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔لیکن شینا سمجھ نہیں پارہی تھی۔حتیٰ کہ انوار اس کی بے بسی پر ہنسنے لگا۔

"تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"یہ دیکھ کر کہ آپ تو بہت اچھے مصور بن گئے ہیں۔"

انوار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔" دیکھیں شینا ابھی میری بات سمجھ رہی ہے۔"

شہروز نے شینا کی طرف دیکھا وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

"تم دونوں میرا مذاق اڑا رہے ہو۔"شہروز نے جھینپ کر کہا۔"میں تم دونوں کو زنجیروں میں باندھ کر قید کرنے کا حکم دوں گا۔"

"مگر شینا کو قید مت کرایئے گا۔ جناب! ورنہ آپ اس ٹیلے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"کیسا ٹیلا؟"

"وہ گاؤں سے بالکل قریب والی پہاڑی۔"

شہروز کو احساس تھا کہ اگرچہ شینا اس کی بات نہیں سمجھتی۔لیکن ان کا ایک حصہ ہے۔ وہ ناریل کے ٹکڑے توڑ توڑ کر کسی گھریلو عورت کی طرح انہیں دے رہی تھی۔اس وقت وہی لیڈر بھی لگ رہی تھی۔

سورج غروب ہونے کے بعد وہ اپنی کمین گاہ سے نکلے اور اسی راستے پر چل دیئے۔جس کو چھوڑ کر ادھر آئے تھے۔اور یہ وہی مقام تھا۔ جہاں شہروز نے شینا کو بچایا تھا۔ یہاں صندل کے درخت جن کو شینا یا سی کہتی تھی۔ کٹے ہوئے تھے۔

وہ ایک ایسی کھائی سے گزرے جہاں مچھروں کے دل کے دل ان سے لپٹ گئے شہروز کو اپنی پنڈلیوں اور کلائیوں میں سوزش محسوس ہونے لگی۔انوار کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ گرتے پڑتے چلتے رہے۔لیکن جلد ہی شینا کو ان کی حالت کا اندازہ ہوگیا۔تو وہ انہیں

ایک میدان میں نکال لے آئی۔ یہاں ٹخنوں ٹخنوں پانی تھا

وہ رات کا دھندلکا چھانے کے وقت اس پہاڑی پر پہنچے۔شہروز اب زیادہ تیزی سے چلنے کیلئے شینا کو اکسا رہا تھا۔وہ انہیں ایک پہاڑی کے کگر پر لے گئی۔ جہاں نیچے درختوں سے ڈھکا ہوا ایک ٹیلا نظر آرہا تھا۔شینا نے سر ہلاتے ہوئے اسی طرف اشارہ کیا۔شہروز مطلب سمجھ کر اس سے نیچے اترنے لگا۔اب وہ صنوبر کے درختوں سے ایوا کے درختوں کی طرف لپک رہے تھے۔ وہاں پہنچ کر اس نے انوار کو شینا کے ساتھ ٹھہرنے کی ہدایت کی اور پھر خود پیٹ کے بل لیٹ کر کھسکنے لگا۔وہ اس وقت تک آگے کھسکتا رہا۔ جب تک ساحل کا خم اور گاؤں کا اگلا حصہ نظر نہیں آنے لگا۔ یہاں سے مکانوں کی روشنیاں بھی نظر آرہی تھیں۔اور دھوئیں کی بو بھی محسوس ہورہی تھی۔

اس نے کشتی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور جب کشتی نظر آگئی تو اس نے ایک طویل سانس لی۔کیونکہ یہ کشتی اس کی یادداشت کے برخلاف زیادہ لمبی تھی۔اس کے پلیٹ فارم پر بادبان اور لکڑیوں کے بڑے بڑے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ایک حصہ میں پتوار تھے۔یہ کشتی اس کشتی سے زیادہ بہتر تھی۔جس کا تصور وہ لے کر آیا تھا۔

"انوار!"اس نے سرگوشی جیسی آواز میں پکارا اور انوار شینا کو چھوڑ کر شہروز ہی کے محتاط انداز میں اس تک پہنچ گیا۔

"لیٹ جاؤ۔"شہروز نے سرزنش کی۔"ابھی کچھ روشنی ہے اور ہم نیچے سے دیکھے جا سکتے ہیں۔"انوار لیٹ گیا تو اسے بھی کشتی نظر آنے لگی۔

"وہاں تین کشتیاں ہیں جناب!" انوار نے دھیرے سے کہا۔" ہماری کون سی ہے؟"

"بڑی والی۔"

"کیا آج رات ہی لے چلیں گے؟"انوار بچوں کی طرح پرجوش لگ رہا تھا۔

"نہیں اگرچہ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔لیکن ہمیں کشتی پر قبضہ کیلئے بہترین حکمت عملی اپنانی ہوگی۔کشتی بہت بھاری ہے۔اور اسے پانی میں لے جانا ذرا مشکل ہوگا۔"

"جی ہاں۔"انوار نے سر ہلایا۔" سمندر سے اس کا فاصلہ بھی کافی ہوگا۔ہم اسے

سمندر میں کس طرح ڈالیں گے جناب!"

"درختوں کے ان کٹے ہوئے تنوں کی مدد سے جو کشتی پر نظر آرہے ہیں اس کیلئے ہمیں مزید تین چار افراد کی ضرورت ہوگی جو بالکل خاموشی سے کام کرسکیں پھر کشتی کو کیمپ والے ساحل تک لے جانا ہوگا۔ جہاں ہر ایک کو تیار رہنا چاہئے۔ ذرا سی بھی تاخیر مناسب نہیں ہوگی۔ فکر مت کرو انوار ہم یہ کام کرسکتے ہیں۔"

"کیا اب واپس چلیں؟"

"نہیں ہم رات یہیں گزاریں گے اور صبح ہوتے ہی واپس چل دیں گے۔ تم ذرا جا کر شینا کو یہاں لے آؤ۔ اس کا نام لے کر کہنی سے ٹھوکا دینا اور میری طرف اشارہ کرنا۔

انوار جوں ہی اس کے قریب سے ہٹا گاؤں میں دور کہیں ڈھول بجنے لگا۔ ڈھول بجنے کی آواز بے ترتیب نہ تھی اس میں ایک خاص ردھم تھا۔ بھاری پن تھا۔ غالباً کوئی بڑا ڈھول لکڑی کے بھاری ٹکڑے سے بجایا جارہا تھا۔ یہ آوازیں سن کر ساحل کے درختوں پر پناہ گزین پرندے پھڑپھڑاتے ہوئے اڑنے لگے۔ شہروز انہیں اس وقت دیکھتا رہا۔ جب تک ان کی ٹولی اس کے اوپر سے نہیں گزر گئی۔ اس نے ایک بار پھر کشتی کی طرف دیکھا۔ تب ہی اسے عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"شینا!......" اس نے سرگوشی کی۔

"نہیں شینا نہیں ملی جناب!" انوار کی آواز تھی۔ میں اسے ہر جگہ دیکھ آیا۔ پکارا بھی لیکن وہ کہیں نہیں ملی۔

"کیا!" شہروز اچھل پڑا۔

"جی ہاں......وہ غائب ہوگئی ہے۔"

"اور ہمارے ہتھیار۔"

"وہ سب وہیں موجود ہیں۔" انوار نے جواب دیا جس پر شہروز سر جھٹک کر واپس رینگنے لگا۔ اس نے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں وہ شینا کو چھوڑ گیا تھا۔"

طبل کی آواز اب بھی آرہی تھی۔

"تم نے اس کی تلاش کے دوران کوئی خاص بات تو محسوس نہیں کی انوار۔" شہروز

نے اس سے پوچھا۔

"نہیں جناب!"

"جب تم دونوں یہاں بیٹھے تھے تو وہ بے چین سی نظر تو نہیں آرہی تھی۔"

"نہیں ......بس ایک دوبارہ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی اور میں بھی ایک دو دفعہ جواب میں مسکرایا تھا۔

شہروز وہیں بیٹھ گیا۔ یہ صورتحال غیر متوقع تھی۔ مجھے دھوکہ دیا گیا ہے وہ سوچنے لگا۔ شاید جنگلیوں نے اسے مخبری کیلئے بھیجا تھا اور اب جبکہ انہیں ہمارے راز معلوم ہوگئے ہیں وہ نکل گئی۔

"طبل بدستور بج رہا تھا۔ ستاروں کی وجہ سے کچھ روشنی تھی۔ لیکن ابھی چاند یا قطبی ستارہ نمودار نہیں ہوا تھا۔"

"چلو۔" شہروز نے بندوق اور پستول اٹھا کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کیمپ کی طرف۔" انوار سہا ہوا تھا۔

"ہاں......"

"لیکن شینا!......"

"وہ چلی گئی لڑکے۔"

"لیکن اس طرح چلے جانا اس سے زیادتی ہوگی جناب!"

"میں نے کہا ناں......کہ ہم واپس چل رہے ہیں۔"

"جناب!" انوار بہت سنجیدہ لگنے لگا۔

"ہم اسے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ وہ اسے قتل کردیں گے۔" یہ کہتے ہوئے وہ شہروز کے سامنے ایسے ہوگیا جیسے وہ بالکل راہ روک رہا ہو۔"

"وہ ضرور واپس آئے گی اور اگر ہم یہاں موجود نہیں ہوں گے تو ممکن ہے دل گرفتہ ہوکر خودکشی کرے۔

انوار کی یہ تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ کیونکہ شہروز واپسی کا فیصلہ کرچکا تھا۔"

"میں ہتھیار لے چلتا ہوں ......تم بسکٹ اور گوشت اٹھا لو......" یہ کہہ کر وہ چل

دیا...... اور انوار عجیب سے انداز میں اس کے پیچھے چل دیا۔

ایک گھنٹے بعد انہیں قطبی ستارہ نظر آیا تو وہ آرام کرنے کیلئے رک گئے۔ انوار اب بالکل خاموش تھا۔

"کچھ کھاؤ گے انوار؟" شہروز نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ جناب!" انوار کا لہجہ تھکا ہوا اور آواز بھرائی ہوئی تھی۔ جسے سن کر شہروز کو احساس ہوا۔ اس نے انوار سے سخت لہجے میں بات کر کے زیادتی کی ہے اور اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نجانے کیوں نوک زبان سے الفاظ نہ پھسل سکے۔

نصف گھنٹے بعد وہ اس ٹیلے پر پہنچ گئے جس کے قریب کیمپ واقع تھا اور پھر سے انہیں سمندر صاف نظر آ رہا تھا۔ کھاڑیوں میں جگہ جگہ سیپیاں چمک رہی تھیں۔ بعض کی چمک نظروں کو خیرہ کئے دے رہی تھی۔

وہ کیمپ جانے والے راستے پر چلنے لگے پھر اچانک ہی انہیں قدرے للکار سی سنائی دی۔

"کون ہے؟ حرکت مت کرنا ورنہ گولی مار دوں گا۔ کیا آپ ہیں شہروز صاحب!" یہ آواز نوید کی تھی۔

"ہاں...... انوار بھی ساتھ ہے۔" شہروز نے سکون کی سانس لی۔

"خدایا شکر ہے آپ پہنچ گئے۔" نوید اچانک ہی سامنے آ گیا اور اس کی حالت دیکھ کر شہروز اور انوار دونوں ہی حیرت زدہ رہ گئے۔

اس کے سر پر رومال بندھا ہوا تھا اور چہرہ بارود کے باعث سیاہ ہو رہا تھا۔ لیکن چال میں لنگڑاہٹ سی تھی۔

"کیا ہوا نوید!؟" شہروز نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"آج سہ پہر ہم پر حملہ ہوا تھا۔"

"باقی لوگ کہاں ہیں۔؟" شہروز کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک خوف کی لہر ترازو ہو گئی۔

"پتہ نہیں ممکن ہے' کام آ گئے ہوں۔" صرف میں اور کپتان بچ نکلے۔" نوید کا

پستول پٹی میں تھا۔ ہاتھ میں بندوق تھی اور دوسری بندوق کندھے پر جھول رہی تھی۔

"کپتان! اب کہاں ہے؟" شہروز نے بے صبرے پن سے پوچھا۔

"پتہ نہیں میں نے جناب! میں نے آخری بار انہیں دیکھا تو وہ جان بچانے کیلئے بھاگ رہے تھے۔"

"خدایا رحم!۔" شہروز کا دل بھر آیا۔" حملہ کس وقت ہوا تھا نوید!؟"

"تین بجے کے قریب۔" نوید نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔" وہ ہر سمت سے آئے تھے اور میں کپتان کے ساتھ تھا۔ ہم ہتھیار دفن کر رہے تھے۔ کپتان کے حکم پر۔ لیکن ابھی یہ کام مکمل نہیں ہوا تھا کہ حملہ ہو گیا اور کچھ ہتھیار حملہ آوروں کے ہاتھ لگ گئے۔ وہ جہاز رانی کے...... آلات بھی لے گئے۔ نہ جانے ان کا کیا کریں گے۔ مجھے ایک ٹائم کیپر پڑا ہوا ملا ہے۔

"ہمارے پاس اب کیا بچا ہے۔ نوید!؟" شہروز نے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس کیا۔

"بارود بعض اوزار' گوشت اور بسکٹ اور بندوقیں۔ انہوں نے ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ شاید وہ خوفزدہ تھے۔ میں اس راستے پر اسی وجہ سے آ نکلا تھا کہ مجھے آپ کے اسی سمت سے آنے کی توقع تھی۔ ویسے بھی شاہ ور اس راستے سے واقف نہیں۔"

"کیا وہ واپس آیا تھا؟ شہروز نے چونک کر پوچھا۔ جواب میں نوید نے سر ہلایا اور داڑھی کھجانے لگا۔

"کیا اس نے تمہیں دیکھ لیا تھا؟"

"نہیں ورنہ ہم میں سے ایک ضرور مرتا۔" نوید نے جواب دیا۔" کاش! آپ اس وقت اس کو گولی مار دیتے۔"

انوار کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اور اس کا احساس شہروز کو بھی تھا۔ لہٰذا اس نے تسلی دینے کیلئے انوار کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"لڑکی کہاں ہے؟ جناب!" نوید کو معاً ہی احساس ہوا کہ شینا ان کے ساتھ نہیں۔"

"پتہ نہیں۔" شہروز نے گول مول سا جواب دیا۔

"وہ لوگ اسے بھی تو ساتھ نہیں لے گئے۔"

"میں نے کہا ناں کہ مجھے پتہ نہیں۔ شہروز کا لہجہ شکستہ تھا۔ تب ہی انوار اس کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگا۔ شہروز اور نوید اسے تسلیاں دینے لگے۔ لیکن اب انوار کے آنسو بڑی تیزی سے بہہ رہے تھے۔

"اندر چلیں جناب!" نوید نے کہا۔ "ممکن ہے ہمارے کچھ لوگ ان کے قیدی بن گئے ہوں۔ لہٰذا کسی کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ نوید کے پیچھے چل دیئے اور اس جگہ پہنچ گئے جہاں شہروز صبح کے وقت منوچہر کو چھوڑ کر گیا تھا۔

"اب تم کچھ دیر کیلئے سو جاؤ بیٹے۔" شہروز نے انوار کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"میں نوید کے ساتھ جاگتا رہوں گا۔ لیکن جیسے ہی آواز دوں فوراً ہی اٹھ کر تیزی سے پستول بھرنے لگنا۔"

"میں اپنی حالت پر نہیں رو رہا جناب!" انوار نے سسکی لے کر کہا۔ "مجھے تو اپنے ساتھیوں کا غم ہے۔"

"اور ساتھیوں کے غم میں رونا بزدلی نہیں ہے۔" شہروز نے بہت محبت سے جواب دیا۔

"بشرطیکہ وہ ساتھی جہازیوں جیسی جرأت رکھتے ہوں۔" نوید نے لقمہ دیا۔ وہ قدرے دور کھڑا ہوا تھا ہمارے بعض ساتھیوں میں جہازیوں والی جرأت بھی تو نہیں تھی۔"

"انوار لیٹتے ہی سو گیا اور پھر جب اس کی نیند گہری ہوگئی تو وہ دونوں درختوں کے سایوں میں جا کر بیٹھ گئے۔

"مجھے بتاؤ نوید کیا تم نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا...... کیا ہوا تھا؟" شہروز نے کہا۔

"بہتر ہوگا کہ میں آپ کو تفصیل آغاز سے بتاؤں۔" نوید نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور پھر شروع ہوگیا۔

"صبح ہوئی تو منوچہر یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ شہروز جا چکا ہے۔ اسے یہ یاد ہی نہ رہا کہ شروز نے کیا منصوبہ بنایا تھا۔ لہٰذا وہ گھبرایا ہوا کیمپ میں آ گیا پھر نوید اور رمضو کے درمیان

گفتگو سن کر احساس ہوا کہ شہروز کہاں گیا ہے۔ اس نے نجانے کیا کہا۔ نوید اور رمضو دونوں اس کی باتیں نہ سن سکے پھر وہ چلا گیا۔ انداز ایسا تھا جیسے کپتان کو ان پر اعتماد ہی نہ ہو۔ سورج چڑھا تو گرمی اور حبس بڑھ گیا پھر منوچہر مزید تنہا ہوگیا۔ وہ ان کے قریب نہیں آیا۔ وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پستول اس کی پیٹی میں تھی اور بندوق قریب رکھی ہوئی تھی۔

نوید اس صورتحال سے اس وجہ سے بھی پریشان ہوگیا کہ منوچہر بار بار اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نوید نے سوچا کیمپ سے دور تک جاؤں لیکن وہ محض اس وجہ سے ساحل تک نہ گیا کہ نجانے منوچہر اسے اس اقدام کو کس انداز سے دیکھے۔

پھر اچانک ہی منوچہر نے حشمت کو مخاطب کیا جس کو لوگ ریوڑ کی بھیڑ کہتے تھے۔ حشمت نگرانی کی ڈیوٹی سے ابھی فارغ ہوا تھا۔ وہ منوچہر کے قریب بیٹھ گیا۔ اچانک ہی منوچہر نے پستول کھینچ کر گود میں رکھ لیا "میں تم پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب جناب!؟" حشمت نے بڑے احترام سے پوچھا۔

"میں کہہ رہا ہوں تم پر میری نظر ہے۔" منوچہر نے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"اور میں تمہیں ایک اور بات بتا رہا ہوں۔ حشمت کہ میں یکے بعد دیگرے سب سے نمٹ سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے پستول واپس پیٹی میں رکھا۔ بندوق اٹھالی اور ایک طرف چل دیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد منوچہر ایک بار پھر درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے نوید کو آواز دے کر بلایا اور جب نوید اس کے قریب پہنچا تو کپتان نے پستول پر ہاتھ رکھ لیا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔ نوید!؟" منوچہر نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ جناب! آپ نے مجھے طلب کیا تھا۔"

ہاں رمضو کو بلاؤ۔ منوچہر کا لہجہ بدل گیا اور اگلے منٹ میں وہ پہنچ گیا۔ منوچہر چند لمحوں تک انہیں گھورتا رہا اور پھر اس نے گولہ بارود کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے منوچہر کی ہدایت کے مطابق گولہ بارود کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کرنا شروع کر دیا۔ کھدائی کا زیادہ کام نوید کر رہا تھا۔ جب سامان گڑھے میں رکھ دیا گیا نوید گڑھے کو مٹی سے بھرنے کی تیاری کرنے لگا

وہ اس وقت یہی سوچ رہا تھا۔ غالباً یہ بھی شہروز کے منصوبے کا حصہ ہے۔ اسی اثنا میں منوچہر نے رمضو کو کسی کام سے کیمپ بھیج دیا اور نوید مٹی ڈالنے لگا۔ اچانک ہی کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی شاید یہ حشمت کی آواز تھی پھر گولی کا دھماکہ سنائی دیا۔ اس کے بعد بندوقیں چلنے لگیں۔ نوید نے اپنی بندوق سنبھال لی اور منوچہر پستول ہاتھ میں لے کر ٹیلے کی طرف بھاگنے لگا۔

نوید نے پلٹ کر دیکھا شمشاد درختوں میں گولیاں چلا رہا تھا اور ہر طرف جنگلیوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

نوید نے دوسری طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر شمشاد سے کچھ کہنا چاہا۔ مگر شمشاد اپنی جگہ پر نہ تھا۔

اچانک ہی منوچہر نے رک کر پلٹتے ہوئے چلا کر نوید کو ہدایت کی کہ وہ ہر قیمت گڑھے کو بھر دے۔ یہ کہہ کر وہ پھر بھاگنے لگا۔ وہ ٹیلے کے قریب پہنچا تھا کہ کئی نیزے بردار جنگلی اس کے سامنے آ گئے۔ کپتان نے فوراً گولی چلا دی اس کی پہلی گولی ایک جنگلی کے سینے میں لگی تو باقی جنگلی چیختے چلاتے ہوئے بھاگنے لگے۔ اسی اثنا میں نوید نے بھی بھاگتے ہوئے ایک جنگلی کی پیٹھ میں گولی مار دی۔ نوید اپنی بندوق بھرنے کیلئے نیچے جھک گیا جبکہ منوچہر ٹیلے پر چڑھنے کیلئے دوڑتا رہا۔

پھر جب نوید نے سر اٹھایا تو اس نے منوچہر کو ٹیلے سے واپس اترتے ہوئے دیکھا' خوف سے اس کی بری حالت تھی پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ ''نوید بھاگو'' اس نے چلا کر کہا تھا۔ ''زندگی بچانے کیلئے بھاگ نکلو۔ ہم گھیرے میں ہیں۔'' وہ یہ کہتا ہوا بائیں طرف مڑ گیا۔ یہی آخری موقع تھا۔ جب نوید نے اسے زندہ دیکھا تھا۔

نوید خاموش ہو گیا تھا اور شہروز زمین کریدتا رہا۔

''کپتان کے فرار کے بعد میں گڑھے کی حفاظت کیلئے وہیں جم گیا۔ میں نے کوئی نصف گھنٹے تک انتظار کیا۔ اس کے بعد چیخ و پکار کی آوازیں ختم ہو گئیں اور میں یہاں آ گیا۔ یہاں ہر طرف بندوقیں پڑی ہوئی تھیں جو میں نے جمع کر لیں اور گڑھے میں ڈال دیں۔ اس کے بعد اپنے لئے ایک فاضل بندوق نکال کر گڑھے کو پوری طرح بھر دیا۔''

''کیا وہ لاشیں لے گئے۔؟'' شہروز نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں ...... مگر یہاں وہاں بہت خون پڑا ہوا تھا اور یہ سارا خون صرف ہمارے آدمیوں کا نہیں ہو سکتا تھا۔''

''شاہ ور کب واپس آیا تھا۔؟''

''حملے سے پہلے۔''

''کیا وہ یہاں بھی آیا تھا۔؟''

''جی ہاں۔'' نوید نے جواب دیا۔

''کس لئے۔؟''

''اختر کیلئے......''

''کیا اختر اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔''

''نہیں ...... صاحب وہ آخر تک وفادار رہا اور شاید اختر کو اس باعث شاہ ور نے قتل کر دیا۔''

''قتل ....؟'' شہروز حیران رہ گیا۔

''جی ہاں ...... اختر کی لاش پر گولی کا زخم تھا۔''

''تمہارا مطلب یہ ہے' کہ حملے کی ذمہ داری شاہ ور پر ہے۔ ذرا وضاحت کرو۔ نوید۔''

''میں صرف قیاس کی بنیاد پر بات کر رہا ہوں جناب!'' نوید نے جواب دیا۔

''وہ اختر کی گردن ٹوٹ ہوئی تھی۔ اس کا انکشاف رمضو نے اس وقت کیا جب وہ اس کی تلاش میں گیا تھا۔ اختر اپنی جگہ پر تھا مگر مردہ۔ اگر کسی جنگلی نے اختر کو قتل کیا ہوتا تو وہ لاش ساتھ لے جاتا۔ تاکہ کھانے کے کام آ سکے' اس طرح جنگلی بندوق اور گولہ بارود لے کر نہیں جاتا جبکہ اختر کی یہ دونوں چیزیں غائب تھیں۔''

''ہوں............'' شہروز ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

''کیا آپ کشتی دیکھ آئے ہیں۔''

''ہاں......''

"تو ہم اسے حاصل بھی کر سکتے ہیں۔" نوید کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ہاں...... شاید...... لیکن اب حالات مختلف ہو گئے ہیں۔"

"اب ہمیں اپنے بارے میں انوار کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔ شہروز صاحب۔" نوید نے اسے یاد دلایا۔

"میں جانتا ہوں نوید لیکن ہماری ہر ترکیب .... ہر حکمت عملی ناکام ہو رہی ہے۔"

"تو کیا آپ کشتی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔؟"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ اگر ہم کشتی حاصل کر لیں تو پھر سفر کا مسئلہ درپیش ہوگا۔ لڑکی کی غیر موجودگی میں راستہ تلاش کرنا مشکل ہوگا کیونکہ بیچ میں کھائی بھی موجود ہے۔"

"اوہ...... کیا آپ کو علم نہیں کہ لڑکی پر کیا گزری۔" نوید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کیا اسے اغوا کیا گیا ہے۔؟" نوید اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ خود فرار ہو گئی ہے۔"

"ہوں۔" اس بار نوید نے ہنکارا بھرا۔ ویسے بھی یہ معلوم کئے بغیر یہاں سے چلنا مناسب نہیں ہوگا کہ کپتان زندہ ہے کہ مر گیا۔

چند لمحوں تک شہروز یونہی خلاء میں گھورتا رہا۔ اسے یہ سب ناممکن سا لگ رہا تھا۔ خواب جیسا' ساتھی مر چکے تھے ممکن ہے انہیں بھی کھا لیا گیا ہو۔ منوچہر اور شینا لاپتہ تھے۔ شہروز کے سر میں درد ہونے لگا۔ وہ اس کے آگے کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ نوید! میں دو گھنٹے سے زیادہ آرام نہیں کروں گا۔ تم وقت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہو لہٰذا ٹھیک دو گھنٹے بعد مجھے اٹھا دینا۔

"بہت بہتر جناب۔"

"اور خیال رکھنا۔ شاہ ور مسلح ہے اور وہ اس طرف پھر آ سکتا ہے۔ شہروز نے اسے خبردار کیا۔ اس کا جسم تھکا ہوا تھا' وہ لیٹ گیا اور سیدھا ہاتھ پستول پر رکھ کر سو گیا۔ ایک گھنٹہ گزر

گیا۔

اچانک ہی نوید کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا اور وہ کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ کسی کے قدموں کی آہٹ تھی۔ سامنے سے آ رہی تھی۔ وہ فوراً گرتے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے بھری ہوئی بندوق سیدھی کی۔ انوار اور شہروز کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں سو رہے تھے۔

پھر اسے کوئی متحرک سایہ نظر آیا۔ ممکن ہے شاہ ور ہی ہو۔ نوید نے سوچا لیکن جونہی وہ متحرک سایہ زیادہ نظر آیا اسے یقین ہو گیا کہ شاہ ور نہیں ہو سکتا کیونکہ سائے کا بدن چاندنی میں چمک رہا تھا اور یہ تیل جسم پر لگانے کا نتیجہ تھا۔

"کوئی جنگلی ہے۔" نوید نے زیرِ لب کہا اور لبلبی پر انگلی رکھ دی۔ وہ پوری طرح تیار تھا۔

تب ہی اچانک شینا سامنے آ گئی۔

وہ چاندنی میں نہائی ہوئی تھی۔

لبلبی پر نوید کے انگلی کا دباؤ کم ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کیا وہ شہروز کو آواز دے کر بیدار کرے' یا انتظار کرے۔ ویسے وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر ان کا محاصرہ کر لیا گیا ہے تو وہ لڑکی کو گولی مار دے گا اور اس طرح آواز سے شہروز از خود بیدار ہو جائے گا۔

شینا کچھ لے کر بھی آئی تھی۔ ایک رسی سے بندھی ہوئی کوئی چیز اس کے سینے پر جھول رہی تھی' یہ سبز ٹوکری تھی۔

نوید نے ادھر ادھر دیکھا مگر اسے محاصر کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔

شینا نے آواز دی۔

وہ فوراً باہر نکل آیا اور اس پر نظر پڑتے ہی شینا حیرت زدہ رہ گئی۔

"چلو" نوید نے بندوق سے شہروز کی طرف اشارہ کر کے شینا کو حکم دیا جونہی شینا کی نظریں محوِ خواب شہروز پر پڑیں اس کا خوف دو ہو گیا لیکن کسی خوف کی بنا پر اس نے جھک کر شہروز کی سانسوں کی آواز سنی اور پھر سر ہلاتے ہوئے ٹوکری اتار دی۔

اس کے وجود کا احساس ہوتے ہی شہروز بیدار ہو گیا اور اس نے پستول سنبھالا مگر

شینا نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

صندل کی خوشبو کا احساس ہونے پر شہروز کو ایسا لگا جیسا شینا نے اس سے بے وفائی نہ کی ہو۔

''شہہ......روز؟'' شینا نے نام لے کر اسے پھر لٹا دیا اس وقت شہروز کو شینا کے دل کی دھڑکنیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔

اور پھر نوید کو کچھ دور جانا پڑ گیا تھا۔ وہ دو چاہنے والوں کے درمیان کباب میں ہڈی بننا نہیں چاہتا تھا۔

پھر اس سے قبل کہ نوید ان دونوں کو جگانے کیلئے آتا۔ شینا خود ہی بیدار ہو گئی۔ چاندنی اس کے بدن پر گر رہی تھی اور ہاتھی دانت کا وہ نیکلس اس روشنی میں چمک رہا تھا جس کو وہ پہنے ہوئے تھی۔

اگلی صبح شینا کو اپنے درمیان پا کر انوار کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ اس وقت پھر سو گئی تھی اور شہروز چوکیدار کے فرائض انجام دینے کیلئے گیا ہوا تھا۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا شہروز تک گیا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی اور وہ بار بار شینا کا نام لے رہا تھا۔ شہروز مسکرا کر رہ گیا۔

''ویسے لڑکی بہت ہمت والی ہے۔'' نوید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''باسکٹ بھر کر پکا ہوا کھانا لانا واقعی بہت ہمت کی بات ہے۔

''شینا کے بیدار ہونے کے بعد انہوں نے مل کر شینا کا لایا ہوا کھانا کھایا جس میں مچھلی کے قتلے اور سرور بخش مشروب بھی شامل تھے پھر بھی چار روز کا کھانا بچ گیا۔ جسے شینا نے بڑے سلیقے سے کیلے کے پتوں میں لپیٹ کر ٹوکری میں رکھ لیا۔

''تم بہت خوش نظر آرہے ہو۔ نوید۔'' شہروز نے نوید کو اٹھتے ہوئے اور ڈکار لیتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''بالکل میں بہت خوش ہوں کیونکہ اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ ہم ان کا اسی کھانے کی طرح صفایا کر ڈالیں گے۔''

''اس کے بعد نوید اور انوار کیمپ میں دفن اسلحے پر نظر ڈالنے کیلئے چلے گئے تو شہروز

شینا کے قریب بیٹھ کر جھیل میں طغیانی اور وہاں تک کشتی کو لانے کے بارے میں سوچنے لگا۔

اس کیلئے ایک بار پھر لکیروں کا سہارا لیا۔ شینا نے ایک لکیر کھینچ کر اسے بتایا کہ جھیل میں راستہ کہاں سے نکلتا ہے۔ اس نے جس راستے کی نشاندہی کی تھی وہ شمال مغرب میں تھا۔ خطرناک اور تنگ تھا لیکن شینا کا خیال تھا۔ کہ کشتی اس راستے سے گزر سکے گی۔ اس نے لہروں کے بارے میں بڑی ذہانت سے نقشہ کھینچا۔ وہ یہ بتانے کی کامیاب کوشش کر رہی تھی کہ وہاں اتنا پانی ہے کہ کشتی چل سکتی ہے اور راستہ ساحل سے اتنا قریب ہے کہ وہ گزرتے ہوئے کیمپ سے سامان بھی اٹھا سکتے ہیں۔ ابھی دوپہر نہ ہوئی تھی کہ وہ منوچہر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

سورج نصف النہار پر نہ ہونے کے باوجود شدید گرمی تھی اور بے تحاشا پسینہ آرہا تھا۔

وہ چوکس حالت میں ہتھیار رکھے ہوئے محتاط انداز میں چلتے رہے۔ انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ مسلح شاہ ور حملہ کرنے کیلئے کہیں آس پاس ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ انہیں دیکھتے ہی وہ حملہ کر دے گا۔ دوپہر تک وہ جزیرے کے مغربی حصے کا نصف علاقہ عبور کر چکے تھے۔ لیکن انہیں منوچہر کا نام و نشان تک نظر نہ آیا پھر اچانک ہی بارش شروع ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جل تھل ایک ہو گئے۔ بھورے رنگ کا پانی چادروں کی طرح بہنے لگا۔ آسمان پر بجلیاں کڑکنے لگیں اور بادل گرجنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے طوفان گزر کر سمندر پر چلا گیا۔ سورج پھر چمکنے لگا اور زمین سے گرم گرم بھپکے نکلنے لگے۔ اب صرف درخت ہی ادھار کی لی ہوئی بارش کے قطرے گرا رہے تھے۔ وہ پانی جو جمع ہو گیا تھا جلد ہی زمین اور قدرتی نالوں میں جذب ہو گیا۔

اور پرندے ایک بار پھر چہچہانے لگے۔ انہوں نے بے شمار وادیاں کھنگال ڈالیں مگر منوچہر نہیں ملا۔ لہٰذا مایوسی انہیں گھیرنے لگی۔ آخر کار سہ پہر کے وقت شہروز اس نتیجے پر پہنچا کہ منوچہر کو بھی یا تو قیدی بنا لیا گیا ہے یا پھر وہ مارا گیا ہے۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔'' نوید نے متفکر انداز میں جواب دیا لیکن اہم نقطہ یہ ہے کہ ہمیں شاہ ور بھی کہیں نظر نہیں آیا۔ کیا وہ اسے بھی لے گئے ہوں گے۔؟''

''ممکن ہے وہ جان بوجھ کر ہمارے سامنے نہ آیا ہو۔'' شہروز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"شہروز صاحب!" نوید بہت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"میں کپتان کا بہت احترام کرتا ہوں۔" اس کے بارے میں کوئی نامناسب بات نہیں کرسکتا لیکن ان کی ذہنی کیفیت ایسی تھی کہ وہ خود ہی گاؤں میں داخل ہو کر ہتھیار بھی ڈال سکتے تھے۔

شہروز کچھ نہ بولا۔

"اس بارے میں کچھ بھی کہنا مشکل بھی تھا اور آسان بھی۔ کچھ دیر بعد اس نے واپس چلنے کا اعلان کیا۔

"ممکن ہے کہ وہ کیمپ واپس پہنچ گیا ہو۔" نوید نے چلتے چلتے ایک نئے خیال کا اظہار کیا۔ شہروز بھی یہ ہی سوچنے لگا۔ لیکن کیمپ میں کوئی نہ تھا۔ نہ ہی ایسے کوئی آثار تھے کہ کوئی یہاں آیا تھا۔ وہ آرام کئے بغیر گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

بارش کی وجہ سے سہل اور آسان راستے مشکل ہو گئے تھے۔ مکھی اور مچھروں کی تعداد اچانک بڑھ گئی تھی۔ بلند مقامات جو پہلے خشک تھے اب دلدل ہو گئے تھے۔ وہاں گڑھے پڑ گئے تھے جن کی وجہ سے سفر مشکل ہو گیا تھا۔ وقت بھی زیادہ لگ رہا تھا۔ شہروز کو احساس تھا۔ اب دن کی روشنی ختم ہونے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔ وہ اس پہاڑی تک پہنچ گئے تھے جہاں سے شہروز نے پہلی بار گاؤں اور کشتی کا جائزہ لیا تھا۔

"تم شینا کے ساتھ یہی رہو۔" شہروز نے انوار سے کہا اور خود نوید کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ جھٹپٹے کا وقت شروع ہو چکا تھا لیکن انہیں ریت پر بنے ہوئے مکانات اور ناریل کے درخت نظر آ رہے تھے۔ ہاں سب کچھ نظر آ رہا تھا بس کشتی غائب تھی۔

"اوہ کیا وہ چلے گئے؟" نوید نے ایک طویل سانس لے کر پوچھا۔

"ہاں۔" شہروز کف افسوس ملنے لگا۔ نوید تم یہیں ٹھہرو...... آس پاس نظر رکھو۔ میں شینا کے پاس واپس جا رہا ہوں' کوئی چیز دل میں کھٹک رہی ہے۔

"شینا سے متعلق۔" نوید نے پوچھا۔

"ہاں...... مگر تمہیں یہ احساس کس طرح ہوا۔"

"وہ یہاں آتے ہوئے خوفزدہ لگ رہے تھی۔"

ہاں ممکن ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ ہماری منصوبہ بندی پر نظر رکھے ہوئے تھی۔"

"خدا وجانے۔" نوید نے کہا اور شہروز جواب دیئے بغیر تیزی سے شینا کے پاس پہنچ گیا۔ شینا اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہوئی۔ اس سے قبل کہ وہ اسے پوری طرح سمجھتا تو وہ گھاس کا تنکا ہاتھ میں لے کر انگلیوں سے مسلنے لگی۔ اس کے اس ردعمل پر شہروز کو طیش آ گیا۔ اس کو اس وجہ سے بھی غصہ آ رہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کی زبانیں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہاں زیادہ اندھیرا ہو گیا۔ گاؤں سے جلی ہوئی لکڑیوں کی بو آ رہی تھی اور جونہی شینا کو اس بو کا احساس ہوا اور زیادہ خوفزدہ ہو گئی۔

"انوار! تم نوید کے پاس جاؤ۔"

شہروز نے غصیلے انداز میں حکم دیا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کاش یہ لڑکی میری زبان یا میں اس کی بولی سمجھ پاتا۔ بات صرف ایک کشتی کی نہیں کئی کشتیوں کی تھی جو سب کی سب غائب تھیں۔ پھر ایسا بھی لگ رہا تھا جیسے گاؤں کی آبادی میں اچانک اضافہ ہو گیا اور یہ گاؤں والے بھی صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔

وہ یہ سب سوچ کر غصے سے بے حال ہو گیا۔ اس نے شینا کے بال پکڑ کر اسے جھٹکا دیا اور چہرہ اپنے قریب کر لیا۔ "میں سمجھ گیا۔" وہ غرایا...... میں سمجھ گیا کہ تمام کشتیاں کیسے ہٹا دی گئی ہیں۔" اسے اس بات کی پرواہ نہ تھی کہ وہ اس کی بات سمجھ رہی ہے یا نہیں۔ وہ تو بس غصے میں بولے چلا جا رہا تھا۔

"کالی چڑیل تو نے انہیں بتا دیا تھا کہ ہم ایک کشتی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے............ لہٰذا انہوں نے تمام کشتیاں چھپا دیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے شینا کے بال چھوڑ کر ایک تھپڑ بھی مارا۔ شینا نے حیرت زدہ انداز میں ایک چیخ تو ضرور ماری لیکن خود کو بچانے کی کوشش نہیں کی۔

اب میں یہ سمجھ چکا ہوں تو فرار ہونے کے بعد واپس کیوں آئی تھی۔ شہروز ہنکارا۔

"تو نے فرار ہو کر انہیں ہمارے منصوبے کے بارے میں بتایا اور پھر کھانے کے بہانے واپس

آ گئی۔ ایک اور تھپڑ شینا کے دائیں گال پر لگا۔ لیکن شینا نے اس بار بھی کوئی احتجاج نہیں کیا۔

گھاس کا رس اب اس کی انگلیوں سے ٹپک رہا تھا۔

شہروز پستول نکال کر چند قدم پیچھے چلا گیا۔ اس کا پستول والا ہاتھ بہرحال کانپ رہا تھا لیکن غصہ ختم ہو چکا تھا اور پستول بھاری لگ رہا تھا۔ لبلبی پر انگلی پہنچ گئی تھی۔ شینا نے سب کچھ دیکھا لیکن بھاگنے کے بجائے وہیں بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹ نیم وا تھے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سن کر اس کے دونوں ساتھی دوڑ کر آئیں گے اور کیا وہ ان سے یہ کہے گا کہ اس نے شینا کو غداری کے الزام میں ہلاک کر دیا ہے۔

شینا نے انگلیوں سے گھاس جھٹک دی۔

اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر خاموش تھیں اور یہ خاموش آنکھیں پستول پر جمی ہوئی تھیں۔

''شہروز صاحب!'' اسے بہت دور سے انوار کی آواز سنائی دی۔

''شہروز سوچنے لگا۔ انوار کی آمد سے قبل ہی شینا کو ختم کر دے اور پھر انوار کو اس طرف آنے سے روکنے کیلئے اسے نوید کو لانے کی خاطر واپس بھیج دے۔

''شہروز صاحب' نوید کا کہنا ہے کہ آپ ....'' لیکن اسی لمحے اس کی نظریں پستول اور شینا پر پڑ گئیں۔

''ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ انور نے بوکھلا کر چھلانگ لگائی۔ اور اس کے اس ہاتھ کو جھٹکا دیا جس میں پستول تھا۔ شہروز نے غرا کر انوار کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

''بھاگ جاؤ ......لڑکے۔ دفعان ہو جاؤ'' ساتھ ہی اس نے انوار کو شینا پر اچھال دیا۔

دونوں ایک ساتھ گرے۔

ایک ساتھ چیخے مگر انوار اب نوید کو آواز بھی دے رہا تھا۔

اس کی چیخیں سن کر نوید بھاگا ہوا آیا اور انوار اٹھتے ہی ایک بار پھر شہروز سے لپٹ گیا۔

نوید نے دونوں کو الگ الگ کیا اور پھر شینا کی طرف دیکھا۔ مگر اب وہاں شینا نہ

تھی۔

کیمپ سے فرار ہوتے وقت منوچہر کو یقین تھا کہ جنگلیوں نے شہروز' شینا' انوار اور نوید کو ہلاک کر دیا ہے اور صرف وہ ہی بچا ہے۔

جہاں تک شاہ ور کا تعلق تھا وہ اسے کیمپ سے بے دخل کیے جانے کے بعد ہی بھول گیا تھا۔

اختر کی موت بھی اس کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ اس کے نزدیک وہ سب مر چکے تھے اور وہ تنہا تھا۔

''آہ ......'' اب میں آخری ہوں۔ نوجوان مارے گئے اور میں بوڑھا بچ گیا۔ اس نے قہقہہ لگایا۔ لیکن پھر جونہی اسے یہ احساس ہوگیا کہ جزیرہ آدم خوروں سے بھرا ہوا ہے تو خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں ترازو ہوگئی۔

اس نے درخت کے تنے سے ٹیک لگائی تھی۔

سوتے سوتے ہی شام ہوگئی۔ اور درجہ حرارت گرنے لگا۔ پھر اچانک ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے فوراً ہی شہروز کو آواز دی۔ کشتی کے خادم کو پکارا پھر عملے کو گالیاں دیتا ہوا ساحل پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی وہ کسی کشتی والے کو آواز دے رہا تھا۔

بہرحال رات ہوتے ہوتے وہ کسی حد تک حقائق کی دنیا میں واپس آ گیا۔ ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ پانی اور خوراک کے بغیر اکیلا ہے۔ وہ سر جھٹک کر مغرب کی سمت میں روانہ ہو گیا۔

وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھا رہا تھا اور گالیاں بک رہا تھا۔

پھر ایک جگہ گرا تو اس سے اٹھا نہیں گیا۔ یہ ایک سبزہ زار تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گہری نیند سو گیا۔

صبح ہونے پر اس کی آنکھ کھلی۔

وہ زخمی اور پیاسا تھا۔ سوچے سمجھے بغیر اندرونی علاقے کی سمت چل دیا۔ تب ہی اسے ایک جوہڑ دکھائی دیا۔

اور اس خطرے کے احساس کے باوجود کہ یہ پانی پینا خطرناک ہوسکتا ہے اس نے

ڈٹ کر پانی پیا۔

اوراس کے بعد وہ آہستہ آہستہ جوہڑ کے پاس سے اٹھا۔ جوہڑ کے پاس سے چلا تو اس کے ذہن میں یہ نہیں تھا کہ وہ جس راستے پر چل رہا ہے وہ کیمپ کی طرف جا رہا ہے یا کسی اور طرف۔

اب وہ پوری طرح تھکا ہوا تھا اور وہ ان اونچے نیچے راستوں میں چل چل کر نڈھال ہو چکا تھا اور اب وہ پوری طرح تھک چکا تھا۔

لہٰذا بار بار آرام کرنے کیلئے اسے رکنا پڑ رہا تھا۔ اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ وہ سورج کی تیز روشنی کے باعث چندھائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ساحل بہت وسیع و عریض تھا۔

اچانک ہی خالی پیٹ میں جانے والے پانی سے اسے بھاری پن کا احساس ہوا تو وہ ایک درخت کے قریب رک گیا۔ یہاں چاروں طرف قطاروں میں درخت ہی درخت نظر آ رہے تھے۔ ایک جگہ پر دو دو درختوں نے مل کر سائبان سا بنا لیا تھا۔ منوچہر اس سائبان کے نیچے لیٹ گیا۔ اس کا سر سمندر کی طرف تھا لہٰذا ساحل اس کی نظروں کے سامنے تھا۔

تب ہی ایک پرندہ ریت پر اترا اور اس نے ریت میں چونچ ڈال کر کھانے کی کوئی چیز نکالنے کی کوشش کی اس کے بعد جھیل کی طرف پرواز کر گیا۔

یہ منوچہر کیلئے غیر اہم بات تھی لیکن اگر وہ اس پرندے کی تقلید کرتا تو ساحل پر اپنے لوگوں سے مل سکتا تھا۔ شہروز، نوید، انوار اور شینا عین اسی وقت ساحل پر اسے تلاش کر رہے تھے۔



دوپہر کے وقت وہ پھر اٹھ گیا، سورج کی تپش سے بچنے کیلئے اس نے درختوں کے نیچے اور ساحل سے دور چلنے کو ترجیح دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ کیمپ کے قریب سے گزرا تو اس کی نظریں ان درختوں پر پڑیں جن کے قریب گڑھا کھود کر اسلحہ دبا دیا گیا تھا لیکن اسے یہ بات یاد نہ آئی کہ اس کا ذہن بھی کسی چیز پر گرفت نہیں کر پا رہا تھا۔

پھر وہ وہیں ڈھے گیا۔

اور اس کے بعد بارش شروع ہوگئی۔ بارش ختم ہونے تک وہ پوری طرح بھیگ چکا تھا۔ اس نے اٹھ کر چلنے کی کوشش کی لیکن وہ کیچڑ میں بار بار گرا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری

نجانے کیوں اسے لانگ بوٹ دیکھ کر اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ بس وہ اسے ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ اس نے پستول بہرحال نکال لیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے قریب جا کر بوٹ کا تفصیلی معائنہ کیا۔ اس کا اسٹرن بہت بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ تاہم باقی چیزیں سلامت تھیں۔

یہ ایک ایسی کشتی تھی جسے چند اچھے ملاح مل کر سمندر کے سفر کے قابل بنا سکتے تھے۔

''شہروز۔'' معاً ہی اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''تم نے میری بات پر یقین کر کے موقع گنوا دیا۔'' خدایا۔ ''تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے فراموش نہیں کیا۔''

معاً ہی اسے ایسا لگا جیسے مہذب دنیا میں پہنچنے کا خواب پورا ہوجائے گا۔

''حضرات۔'' اس نے اپنے خاص انداز میں کہا جس میں وہ ملاحوں سے خطاب کرتا تھا۔

''یہ سب اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے کشتی بھیج دی۔ میں نے اس کی مرمت کی اور اس پر سفر کیا اور آج آپ کے سامنے موجود ہوں۔''

وہ سر ہلاتا ہوا ٹوٹے ہوئے اسٹرن پر پہنچا۔

"کھینچو دوستو۔!" اس نے ہاتھ ہلا کر تصوراتی ملاحوں سے کہا۔" اور کھینچو اور اب پتوار سنبھالو' شاباش۔"

اس نے پتوار کھینچنے کی کوشش کی مگر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لانگ بوٹ سے زمین پر گر گیا۔"

"وہ بھاگ گئی۔ کیا ہوا تھا......؟" نوید نے حیرت سے شہروز کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"میں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔" شہروز نے غرا کر جواب دیا۔

"آپ نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی......؟"

"ہاں......لیکن لڑکے نے اسے بچالیا۔"

"مگر کیوں؟" نوید اب بھی حیرت زدہ تھا۔"

"کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس نے ہم سے غداری کی ہے۔"

"تم نے دیکھا کہ وہاں ایک بھی کشتی نہیں تھی۔"

"مگر کشتیاں تو موجود ہیں۔"

"کیا۔؟" شہروز کو یوں لگا جیسے نوید نے اسے تھپڑ مار دیا ہو۔

"جی ہاں۔ کشتیاں موجود ہیں اور ایک اور کشتی بھی بن رہی ہے۔ میں نے انوار کو یہی کہنے کیلئے تو یہاں بھیجا تھا۔"

"میں کہہ ہی نہ سکا۔"

انوار نے ریت جھاڑتے ہوئے بیچارگی کا احساس کیا۔"اتنا وقت ہی نہ تھا۔"

"میرے خدا۔" شہروز نے سر تھام لیا۔ میں تو بالکل ہی پاگل تھا۔"

"اب ہمیں لڑکی کو تلاش کرنا ہوگا۔" انوار نے پرزور لہجے میں کہا۔"اگر ہم نے اسے تلاش نہیں کیا تو وہ اسے کھا جائیں گے۔"

"اسے تلاش کرنے میں بھی بہت وقت لگ جائے گا۔" نوید بولا۔"ایک کشتی لے کر نکل چلنا ہی مناسب ہوگا۔" وہ جو کشتی بنا رہے ہیں۔ وہ بھی اچھی ہے۔ تیز رفتار بھی لگتی ہے

لیکن بہرحال رہنمائی کیلئے تو لڑکی بھی ضروری ہے۔"

اسی لمحے طبل کی آواز گونجنے لگی اور شہروز کو یوں لگا جیسے اس کی جلد سوکھ کر تڑخ رہی ہو۔

"نوید یہی موقع ہے۔" اس نے تیزی سے کہا۔"تم اور انوار کشتی لے کر کیمپ تک پہنچو۔ میں شینا کو تلاش کرتا ہوں۔ لیکن اس سے قبل کشتی کو سمندر میں دھکیلنے کیلئے تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔ اگر ہم دن کی روشنی میں کیمپ تک پہنچ جائیں تو بہت اچھا ہے ورنہ تم انوار کے ساتھ نکل جانا۔"

"ہرگز نہیں۔" نوید اچھل پڑا۔

"ممکن ہے کہ حکم ہو میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ اپنا مغز استعمال کریں اگر ہم بھی تقسیم ہوگئے تو مزید کمزور ہوجائیں گے۔ ویسے بھی میں کشتی لے کر کہاں جاؤں گا۔"

"اس جزیرے سے دور۔"

"اور لڑکی کا کیا ہوگا؟"

"پتا نہیں۔ وہ تو یہاں ہے ہی نہیں۔" شہروز نے کہا۔

کچھ دیر تک سب خاموش رہے۔

لیکن پھر شہروز ہی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔' نہیں نوید! میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔"

تب یہ کام ابھی شروع کردیا جائے۔ نوید نے فوراً آمادگی ظاہر کردی اس پر نوید کی نظر ہی پہلے پڑی۔

بس ایک جھلک نظر آئی تھی۔ وہ بھاگ رہی تھی۔ نوید نے فوراً شہروز کے بازو تھام کر کہا۔

"یہیں ٹھہریں۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"لڑکی نظر آئی ہے۔"

"کہاں۔؟" شہروز کے اعصاب پرسکون ہوگئے۔

"اس ٹیلے پر......" نوید نے بائیں طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر جلدی چلو۔"

"نہیں۔ آپ یہیں ٹھہریں میں جاؤں گا۔"

"لیکن نوید۔"

"میں تنہا جاؤں گا جناب۔" نوید کے لہجے میں عجیب سی خوداعتمادی تھی۔ جس کا جواب شہروز کے پاس نہ تھا۔ اگر آپ چاہیں تو حکم سے انحراف پر واپسی پر مجھے سزا دے سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اندھیرے میں گم ہو گیا اور صرف پندرہ منٹ بعد ہی شینا کو لے کر واپس آ گیا۔ شہروز نے نظریں جھکالیں اور شینا ہونٹ دبا کر شاید آنسو روک رہی تھی۔

پھر شہروز اور نوید ایک بار پھر اسی پہاڑی پر لیٹ کر گاؤں کی سمت دیکھنے لگے۔ کسی نے بھی کچھ نہ کہا اب انہیں وہاں چار کشتیاں نظر آ رہی تھیں۔ مطلوبہ کشتی دوسرے نمبر پر کھڑی تھی۔ ایک کشتی ابھی مکمل ہوئی تھی اور کئی افراد اس کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں بھی تھیں۔

"ان کے پاس مچھلیاں بھی ہیں۔؟" نوید نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اور اس وقت یہ لوگ قدرے مختلف اور پرجوش نظر آ رہے ہیں' الاؤ بھی زیادہ روشن ہیں' اس گڑھے میں دیکھیں۔"

"یہ تقریبات کیلئے مخصوص تندور ہے۔" شہروز نے نوید کو بتایا۔ عام دنوں میں کھانا یہاں نہیں گھروں میں پکتا ہے۔

"اب انہیں لکڑیوں کے جلنے کی بو بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی' ہوا نہ تھی لہٰذا دھواں سیدھا آسمان کی طرف جا رہا تھا۔ شہروز اس منظر میں اتنا منہمک تھا کہ اسے انوار کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔

"لڑکا آپ کو بلا رہا ہے۔" نوید نے اسے بتایا۔

"کیا بات ہے۔ انوار؟" شہروز نے پوچھا۔

"شاید شینا آپ کو بلا رہی ہے۔" انور نے دھیمے لہجے میں کہا۔

شہروز چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا شینا کی طرف چل دیا۔ ویسے اس میں شینا کا سامنا کرنے کی اخلاقی جرأت نہ تھی کیونکہ وہ نہ صرف شینا کو تھپڑ مار چکا تھا بلکہ اسے مارنے کے قریب بھی پہنچ چکا تھا۔ صرف ایک طریقہ تھا کہ وہ شینا سے سامنے گڑگڑا کر معافی مانگے۔ اس کے سامنے روئے اور جب وہ اسے معاف کر دے تو اسے سینے سے لگا لے۔"

"وہ اسے آتا ہوا دیکھتی رہی۔

اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے اب بھی تھے۔ وہ شینا کی طرف آتا ہوا اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔ شینا نے اس کی طرف اشارہ کیا جہاں وہ کشتی کی تصویر پہلے ہی بنا چکی تھی۔ کشتی کے ساتھ ہی مچھلی کی تصویر بھی تھی۔

پھر شینا نے الاؤ نما تصویر بنا کر اسے مچھلی سے ملا دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی اشارہ کیا کہ مچھلی الاؤ میں ڈالی جا رہی ہے۔ شہروز صرف اتنا سمجھ سکا کہ زیر زمین تندور میں مچھلی پکائی جائے گی۔

شینا ساکت بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا بیان نامکمل تھا۔ شہروز کو یقین تھا کہ مزید کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن خود شہروز کو اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جب وہ اٹھا تو اس وقت بھی وہ زمین کھود رہی تھی۔

"وہ کیا کہہ رہی تھی۔؟ نوید نے شہروز کے آتے ہی پوچھا۔

"پتا نہیں کیا کہنا چاہتی تھی۔"

"غالباً یہ کہہ رہی تھی کہ وہ لوگ مچھلیاں پکا رہے ہیں۔"

"نہیں صاحب! وہ مچھلی کے علاوہ بھی کچھ پکائیں گے۔" نوید نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ بڑے الاؤ کو دیکھیں اور پھر سامان دیکھیں۔ چٹائیاں اور پیالے دیکھیں اور ان خبیثوں کو دیکھیں جو اس طرف آ رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ اس رات آپ نے دو غیر مقامی جنگلیوں کو قتل کیا تھا تو اس رات بھی یہ لوگ رت جگا کر رہے تھے اور ہمیں دھوئیں کی بو بھی محسوس ہوئی تھی۔

تندور سے معاً ہی شعلے بلند ہونے لگے۔ ان کی روشنی قریبی مکانوں پر لرزنے لگی۔ قریب موجود جنگلی بھی اس روشنی میں صاف نظر آنے لگے۔ بعض لوگ تندور میں مزید ایندھن

جھونک رہے تھے پھر اچانک ایک کشتی کی سمت سے کئی ننگ دھڑنگ عورتیں نمودار ہوئیں۔ ان کے ہاتھوں میں مچھلیاں تھیں جو انہوں نے چٹائیوں پر ڈال دیں۔

طبل کی آواز اونچی ہونے لگی ساتھ ہی کسی نے گیت بھی شروع کر دیا۔

''میرے خدا۔'' شہروز کانپ اٹھا۔ ''ان پر رحم کر خدایا۔''

کیا یہ لوگ انہیں کھا جائیں گے۔؟''

''جی ہاں۔ اور شینا شاید آپ کو یہ ہی بتانا چاہ رہی تھی۔''

نوید نے کہا۔ اور شہروز سمجھ گیا کہ شینا نے شاید خوف کی وجہ سے الاؤ کے قریب انسانی تصویر نہیں بنائی تھی۔

پھر سب سے پہلے جو جسم لایا گیا اسے انہوں نے دور ہی سے پہچان لیا تھا۔ ''یہ رمضو کی لاش تھی۔''

''انوار۔'' شہروز تیزی سے بولا۔ ''تم شینا کے پاس جا کر وہیں ٹھہرو۔'' وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ نوعمر انوار یہ روح فرساں منظر دیکھ کر زندگی بھر کیلئے نفسیاتی مریض بن جائے۔

رمضو کی لاش سے کپڑے پھاڑ کر اتار لئے گئے صرف جوتے رہنے دیئے گئے۔

لاش پھول چکی تھی اب جنگلی لاش کے اردگرد جھوم رہے تھے اور یارک تندور کے قریب بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی دوسرے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔

رمضو کے چہرے پر کوئی سیال مادہ ڈالا گیا۔ پھر چار افراد نے لاش کے ہاتھ پیر پکڑ کر اسے اٹھایا اور یارک کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی تندور میں مزید لکڑیاں ڈال دی گئیں۔

پھر ایک بہت بڑا پیالا لایا گیا تو عورتوں نے جڑوں کو چوسنا شروع کر دیا۔ پیالے میں مشروب بننے لگا۔

رمضو کو لانے والوں نے یارک کے اشارے پر رمضو کی لاش کو بٹھا کر اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر باندھ دیئے پھر وہ اس کی طرف اشارہ کر کے ہنسنے لگے لیکن لاش ایک ہی لمحے بعد ایک طرف گر گئی۔ اس کے بعد زوردار قہقہے بلند ہوئے اور خود یارک ہنسنے لگا۔

ایک شخص تندور سے مشعل جلا کر بھاگا ہوا آیا اور اس نے مشعل رمضو کی پیٹھ سے لگا

دی۔ اب وہ خبیث گوشت جلنے کی بو سے بدمست ہو رہے تھے۔ انہوں نے لاش کی بے حرمتی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

پھر ایک درجن سے زیادہ عورتیں آ گئیں۔ ان میں سے ایک بہت بوڑھی تھی اور ایک بچپن کی حدود میں تھی۔ انہوں نے لاش کے سامنے فحش ترین رقص کرنے شروع کر دیئے۔

وہ طبل کی تھاپ اور گیت کی لے پر رقص کر رہی تھیں۔ وہ خود بھی گا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی مردوں کا جوش بھی بڑھنے لگا۔ کئی اور مشعلیں رمضو کے جسم کو چھونے لگیں۔

اور پھر ایک شخص تلوار نما خنجر لے آیا

یہ وہی شخص تھا جس کے ذمہ سر قلم کرنا تھا اس نے رمضو کے بال پکڑ کر گردن پر خنجر کی دھار آزمائی وہ بڑی احتیاط سے گردن کاٹ رہا تھا چند لمحوں بعد اس نے خنجر ایک طرف رکھ کر راجو کا سر دونوں ہاتھوں میں لیکر گھمایا تو سر جسم سے الگ ہو گیا سر الگ ہوتے ہی وحشیانہ نعرے لگنے شروع ہو گئے اور سر بلند ہوتے ہی عورتوں کا رقص اور تیز ہو گیا یارک نے چیخ کر کچھ کہا تو سر تندور میں ڈالا گیا۔ رمضو کے بالوں نے فوراً آگ پکڑ لی چند ہی منٹ بعد ایک شخص نے نوکیلی سلاخ سے سر نکال کر یارک کو پیش کیا۔

یارک نے ہاتھ ہلایا اور پھر کئی افراد چاقو لیکر راجو کے جسم پر جھک گئے وہ اس کے ٹانگیں، ہاتھ اور دوسرے حصے الگ کر رہے تھے یہ انسان نہیں ہیں خدا کی قسم یہ انسان نہیں ہیں نوید نے غصیلے انداز میں کہا لیکن لہجہ دھیما ہی رکھا۔

''چلو یہاں سے ہٹ جاؤ'' شہروز نے بھاری دل کے ساتھ کہا اور پھر وہ انوار اور شینا کے پاس چلے آئے۔

''اب کشتی حاصل کرنے کیلئے کب چلا جائے نوید نے موضوع بدلنے کی خاطر پوچھا۔

''نصف شب کے قریب'' شہروز نے جواب دیا'' جب ان خبیثوں کے پیٹ بھر جائیں گے اور لمبی تان کر سو جائیں گے اور وہی ہمارے لیے بہترین وقت ہوگا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم نصف شب کے بعد ہی کارروائی شروع کریں تا کہ اس وقت ہر طرف سناٹا ہو اور لوگ سو چکے ہوں نوید نے کہا۔'' میں چاہتا ہوں کہ ہم صبح ہونے سے

قبل اس جزیرے سے دور نکل جائیں ۔شہروز نے جواب دیا" راستے میں ہمیں کیمپ سے سامان بھی لینا ہے۔

"ممکنہ حد تک کپتان کا انتظار کرنا ہے" یہ کہتے ہوئے شہروز اپنی جگہ سے اٹھ گیا" وہ انوار کی طرف دیکھ رہا تھا" بیٹے! خوفزدہ مت ہونا ہم سب کوشش کر رہے ہیں وہ کامیاب بھی ہوسکتی ہے اور ناکامی کی صورت میں ہمیں یہ تو اطمینان ہوگا کہ ہم بزدلوں کی موت نہیں مرے" پھر وہ نوید کی طرف پلٹ گیا"۔

"تم عقبی حصے سے چلو، تمہارے بعد انوار پھر میں اور میرے بعد شینا آئے گی اب وہی ہماری رہنمائی کرے گی اور ہاں اگر کوئی اکا دکا شخص حملہ کرے تو یہ چاقو استعمال کرنا یہ خاموشی سے کام کر جائے گا۔

پہاڑی سے اتر کر شینا بائیں طرف چل دی حتیٰ کہ وہ اس راستے پر آگئے جو بہاؤ کی طرف لے جاتا تھا انہوں نے بہاؤ پار نہ کیا تھا بلکہ کنارے کے ساتھ بائیں طرف چلنے لگے جلد ہی انہیں سمندر کی گھن گرج سنائی دینے لگی پھر لہروں کی آواز آئی شینا نے اپنی رفتار کم کر دی اور چند ہی لمحوں بعد انہوں نے درختوں میں ہلکی سی روشنی دیکھی۔

شینا ٹھٹھک کر رک گئی اس نے شہروز کو روشنی کی طرف متوجہ کیا شہروز شینا کے قریب آگیا اور اسکی بات سمجھ لینے کی کوشش کرنے لگا وہ صرف مکان سمجھا پھر شینا کچھ کہے بغیر ایک طرف چلی گئی"۔

"کیا ہوا جناب؟ نوید نے بیٹھی ہوئی آواز میں پوچھا

"میرا خیال ہے کہ وہ ارد گرد کا جائزہ لینے گئی ہے"

"اوہ پتا نہیں کتنی دیر لگے گی نوید نے متفکرانہ انداز میں کہا۔

دس منٹ تک وہ وہیں کھڑے مچھروں سے لڑتے بھڑتے رہے۔ شینا اچانک ہی ایک طرف سے نمودار ہوئی اور اشاروں سے انہیں سمجھایا کہ اب ساحل کی طرف جانے کیلئے پہاڑی کے دامن میں واقع کھانے پینے کی جگہ والا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

"کیا اور کوئی راستہ نہیں نوید نے شہروز سے پوچھا"

"شینا جس طرح سمجھا رہی ہے اس سے تو نہیں لگتا"

شہروز نے جواب دیا

جلد ہی وہ چند مکانوں کے سامنے پہنچ گئے ان کے بائیں طرف ٹیلا تھا جس پر اکے دکے درخت نظر آرہے تھے اس کے بعد مزید کئی مکان سامنے آئے جن کے عقب میں تندور کی روشنی نظر آرہی تھی اب کبھی کبھار کسی بچے کے رونے کی آواز بھی آرہی تھی۔

وہ ٹیلے کے نیچے چلے آئے اور جونہی باورچی خانوں میں سے ایک پر شینا کی نظر پڑی وہ رک گئی ان کے سامنے ایک ہی قسم کے چھ باورچی خانے تھے سو فٹ دور ان کے سامنے گھاس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سامنے والی قطار کے مکان بظاہر ویران لگ رہے تھے۔

"ایک باورچی خانے سے روشنی آرہی تھی نوید نے شہروز کے کان میں سرگوشی کی

"وہاں شاید آگ جل رہی ہے۔ ممکن ہے انہوں نے ایک تندور کوئلوں کیلئے جلا رکھا ہو" شہروز نے جواب دیا

ابھی شہروز آگے بڑھنے کا اشارہ کرنے ہی والا تھا کہ شینا نے اسکا ہاتھ تھام لیا تیسرے مکان کے سامنے کسی کی نقل و حرکت نظر آئی پھر اس مکان سے ایک قہقہے کی آواز آئی یہ قہقہہ بہت عجیب تھا معنی سے بھرا ہوا۔ شہروز کے اعصاب کشیدہ ہو گئے نوید ہونٹ دبا کر رہ گیا اور اس نے چاقو پر ہاتھ رکھ لیا۔

پھر اچانک ہی اس مکان سے ایک لڑکی نمودار ہوئی وہ باہر نکل کر چاندنی میں چلی گئی اور کچھ لمحے تک اسکا رخ ان ہی کی طرف رہا اور شہروز ایک لمحے تک یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ لڑکی نے انہیں دیکھ لیا ہے۔

"ماکودا" شینا نے سرگوشی کی یہ شاید اس لڑکی کا نام تھا

"ماکودا اچانک مکان کی طرف پلٹ گئی اس کے ہاتھ میں لنگوٹ تھا جسے وہ شاید اپنے گرد لپیٹ رہی تھی ۔ ساتھ ہی اس نے مکان کی طرف منہ اٹھا کر کچھ کہا اور ویسا ہی قہقہہ لگایا شینا ہنکارہ بھر کر رہ گئی تب ہی مکان سے ایک شخص نکلا لڑکی نے اسے قریب آنے دیا اور پھر آگے بڑھ گئی مرد اسکے پیچھے بڑھ گیا۔

انہوں نے مرد اور عورت کو دور جانے دیا اور پھر ٹیلے کی طرف خود جھاڑیوں کی آڑ لیکر آگے بڑھنے لگے جب وہ پہلے مکان کے قریب پہنچے تو شینا انہیں لیکر اندر آگئی وہ انہیں

اشارہ کر کے ساتھ والی کھڑکی سے لگ کر کھڑی ہوگئی اس نے ساحل کی طرف دیکھا اندر بجھی ہوئی راکھ کی بو پھیلی ہوئی تھی شینا نے شہروز کی طرف دیکھا اور وہ سر ہلا کر اسکے پیچھے بڑھ گیا دوسری طرف سے آگے بڑھ کے وہ جھاڑی کی اوٹ لیکر دوڑنے لگے اور دوسرے مکان تک پہنچ گئے یہاں گاؤں سے آنے والی آوازیں زیادہ بلند تھیں شہروز شینا کے ساتھ کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا اگلا مکان وہ تھا جس میں آگ جل رہی تھی ہوا کی وجہ سے شعلے لہرائے اور سامنے والے مکان کی دیواروں تک کو روشن کر گئے یہ مکان سو فٹ دور تھا اور شینا اسکی طرف اشارہ کرنے لگی۔

''ہمیں اس مکان میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں''

شہروز نے نوید اور انوار سے کہا'' تم دوڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ انوار''

''بالکل جناب'' انوار شہروز کے بالکل پیچھے تھا

پھر چاروں بھاگ نکلے مگر اچانک ہی ان کی نظر ایک جنگلی پر پڑی وہ دو مکانوں کے بیچ سے نکلا تھا دراز قامت اور مضبوط شخص کو شہروز اور شینا نے ایک ہی وقت میں دیکھا تھا اب تندور والے مکان میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا شینا کے بعد شہروز بھی اسی مکان میں داخل ہو گیا اس کے دو گز پیچھے انوار اور نوید تھے۔

''کیا اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے؟'' شہروز نے سرگوشی کی ہاں اور مجھے تو بہت گھور کر دیکھا تھا نوید نے جواب دیا

شہروز نے سوراخ سے جھانکا تو اس میں کوئی شک نہ رہا کہ وہ بھی انہیں دیکھ چکا ہے کیونکہ وہ غیر یقینی انداز میں مکان کے سامنے کھڑا تھا

''نوید'' شہروز نے جنگلی پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا'' تم یہیں رہو گے اور انوار تم میرے پیچھے رہو وہ آرہا ہے تم تیار ہونا نوید''

''بالکل'' چاقو اس کے دائیں ہاتھ میں چمک رہا تھا ادھر شینا نے بھی آگے بڑھ کر ایک لکڑی اٹھالی

''اگر وہ اس سوراخ کے قریب بھی آ گیا تو ہمیں دیکھ لے گا نوید لہذا بہت پھرتی کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے اسکی چیخ بھی نہ نکلنے پائے''

شہروز جھک گیا اور نوید کی طرف دیکھنے لگا تاکہ اگر جنگلی انکے قریب آئے تو نوید اسے اشارہ کر دے یہاں اندر تک کھانے کی مہک پھیلی ہوئی تھی اور دھواں چھت تک بھرا ہوا تھا۔

اس شخص کو دیکھتے ہی نوید کے عضلات پھڑکنے لگے وہ پر عزم انداز میں ان کی طرف آرہا تھا شہروز نے نوید کی طرف دیکھا وہ تیار تھا لیکن پھر اچانک ہی شینا کی آواز سن کر وہ اچھل پڑے۔

''اری شینا'' شینا نے اپنا ہی نام لیا تھا

''اری شینا؟ جنگلی نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا شاید وہ تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ اندر شینا ہی ہے۔

''شینا'' شینا پھر بولی پھر اس نے نرم لہجے میں اس سے کچھ کہا شاید وہ اسے اندر بلا رہی تھی

وہ طاقتور اور نوجوان شخص تھا وہ آگے بڑھا اور اس سے قبل کہ اسکی نظر نوید پر پڑتی شہروز نے اسے چھاپ لیا اس شخص نے چلانے کی کوشش کی لیکن شہروز کا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا شہروز نے اسکی گردن پر بھی دباؤ ڈالا وہ شہروز کو اٹھا کر پھینکتا نوید کا چاقو اس کے دل میں پیوست ہو گیا اسکے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی بس سانسوں کی خرخراہٹ سنائی دی اور پھر شہروز نے اسے چھوڑ دیا۔

اب شہروز آگے تھا اور باقی اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے ساحل پر پہنچ کر وہ پیٹ کے بل ریت سے لگ کر لیٹ گئے ان کی نظریں بڑے بے صبرے پن سے ادھر ادھر کسی کو تلاش کر رہی تھیں پہلے شہروز ہی مطمئن ہو کر کھڑا ہوا اور باقی لوگ اس کے اردگرد ہو کر کشتی کی طرف بڑھنے لگے جو ساحل پر کھڑی ہوئی تھی۔

نوید انوار اور شینا نے دھکیل کر اسے آگے بڑھایا جبکہ شہروز اس رسی کا جائزہ لیتا رہا جو اسکے لنگر سے ملی ہوئی تھی انہوں نے کشتی کو گھمایا یہ بات شینا کو بے مقصد لگی پھر اتنا دھکیلا کہ وہ ایک فٹ گہرے پانی میں پہنچ گیا۔

''چلو انوار چڑھ جاؤ'' شہروز نے سرگوشی کی انوار دو تین کوششوں کے بعد اوپر چڑھ

سکا کیونکہ کشتی پانی پر چلنے لگی تھی انوار بامشکل اوپر چڑھا تھا اس کے بعد وہ تینوں باآسانی کشتی پر سوار ہو گئے کشتی آہستہ آہستہ ساحل سے دور ہونے لگی پھر چاروں پتوار ایک ساتھ چلنے اور کشتی کی رفتار بڑھنے لگی۔

نوید اگلے اور شہروز پچھلے پتواروں پر تھے جبکہ انوار شینا اسٹار بورڈ پر تھے کشتی میں ایک جگہ بانس رکھے ہوئے تھے اور پھر اسکے بعد بادبان تھے رسی کے گچھے بھی نظر آرہے تھے جبکہ اس سامان کے اوپر لنگر رکھا ہوا تھا یہ لنگر ایک بڑے پتھر میں سوراخ کر کے بنایا گیا تھا کشتی ایک ہی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔

کشتی بنانے میں غالباً جلد بازی سے کام لیا گیا تھا جس کے باعث اس میں رساؤ تھی اور اس سبب اندر چند انچ پانی جمع تھا۔

نوید کے پتوار بہت تیزی سے چل رہے تھے اسی طرح اس کی سانسیں بھی چل رہی تھیں جن کی آواز شہروز بھی سن سکتا تھا نوید بہت طاقتور تھا اس میں دیر تک پتوار چلانے کی قوت تھی چاروں پتوار اس وقت ایک بن کر چل رہے تھے اور اس کے سبب کشتی بہت تیزی سے رواں تھی۔

ساحل سے ایک تیر کے فاصلے پر پہنچ کر انہوں نے جزیرے کے انتہائی مشرقی سمت میں سفر شروع کیا جہاں سے وہ مغرب کی طرف پلٹ کر کیمپ تک جا سکتے تھے۔

''نوید......شہروز نے اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کیلئے کوشش کرتے ہوئے کہا'' میرا خیال ہے کہ ہم......کامیاب رہے''

''کوئی......تعاقب میں......تو نہیں'' نوید نے پوچھا

''نہیں''

''شاندار'' نوید نے صرف اتنا ہی کہا اور پھر جلد ہی وہ جگہ سامنے آنے لگی جہاں سے انہیں مغرب کی سمت میں جانا تھا اب پانی کا بہاؤ ذرا شدید تھا وہ کشتی پر اس کے دباؤ کو محسوس بھی کر رہے تھے اسی سبب کشتی کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔

اب شینا نے رہنمائی کے فرائض سنبھال لیے تھے یہ رہنمائی اشاروں سے ہو رہی تھی لہذا شہروز کو کشتی کا رخ بدلنے میں کچھ دیر لگ جاتی تھی لیکن یہ بات حیرت انگیز تھی کہ وہ ہر

اشارے کو سمجھ رہا تھا

شینا کی رہنمائی میں کشتی ایک چینل میں چلی آئی اب ان کے دائیں طرف پتھر تھے جن پر پانی سر پھوڑ رہا تھا چاندنی ہر طرف پھیل چکی تھی اور قطبی ستارہ بھی آسمان پر اونچا تھا۔

اس بارے میں جب شینا نے راستہ میں تبدیلی کا اشارہ کیا تو نوید پوچھ ہی بیٹھا'' یہ کن نشانوں سے کام چلا رہی ہے جناب؟

''پتا نہیں، ممکن ہے کہ جزیرہ کی ہیئت اور آسمان کی کیفیت کے اعتبار سے راستہ تلاش کر رہی ہو شہروز نے جواب دیا ویسے میرا خیال ہے کہ کچھ دیر بعد ہم گاؤں والوں کی پہنچ سے دور ہو جائیں گے

''خدا کا شکر ہے کہ راستہ دکھانے کیلئے یہ لڑکی مل گئی'' نوید نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔

نوید کا کہنا درست تھا کیونکہ اس آبی راستے میں اتنے موڑ تھے کہ وہ بھول بھلیوں میں پھنس سکتے تھے پھر راستے میں زیر آب ایسی چٹانیں تھیں کہ اگر رہنما ان سے ناواقف ہو تو کشتی پہلے ہی موڑ پر اس سے ٹکرا جائے یہ نوکدار چٹانیں پانی میں صرف چند انچ اندر تھی۔

انہوں نے جب چکر مکمل کر لیا تو شہروز نے رکنے کا حکم دیا۔ انہوں نے پتوار اٹھا لئے اور آرام کرنے لگے۔ ان کے سامنے اب جزیرہ کا انتہائی شمالی حصہ تھا اور انہیں توقع تھی کہ جب یہ گم بھی ہو جائے گا تو وہ پوری طرح محفوظ ہو جائیں گے اور پھر کیمپ کی طرف ان کا سفر شروع ہو جائیگا۔

''انوار تم تھوڑا آرام کر لو'' شہروز نے کہا اور اپنا پتوار سنبھالنے لگا۔ شینا اب ایک کھاڑی سے نکلنے میں ان کی مددگار تھی۔ یہاں پانی کی آواز سماعتوں کو متاثر کر رہی تھی۔ شینا کی نظر پانی پر تھی اور وہ مسلسل اشارے کر رہی تھی۔ شہروز اور نوید اس کے اشاروں پر بلا تاخیر عمل کر رہے تھے۔ اس طرح وہ چونے کی ایک پہاڑی کے قریب سے گزرے تو شہروز کانپ کر رہ گیا۔

سفر کا بدترین حصہ گزر چکا تھا اب وہ شمالی حصے کے گہرے پانیوں میں تھے۔ لہروں کی وجہ سے کشتی کبھی اٹھ رہی تھی اور کبھی تیزی سے بھاگنے لگتی۔

انہوں نے یہاں پہلی مرتبہ سمندر میں کشتی کی کیفیت کا احساس کیا۔ وہ زوردار لہروں کے مقابلے میں مستحکم لگ رہی تھی لیکن اس کی حرکت جہازوں میں سفر کرنے والے ان ملاحوں کیلئے اجنبی تھی۔

''بڑی خبیث کشتی ہے'' انوار نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''کیا خیال ہے نیکسن تک اسی میں سفر کیا جائے؟ اس نے نوید سے پوچھا تھا۔

''ممکن ہے کہ ہم اس کشتی میں چاند تک کا سفر کر سکیں گے۔'' شہروز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا'' بشرطیکہ تم کیبن بوائے بن کر چلو۔

''مجھے منظور ہے...... بشرطیکہ کے آپ کپتان ہوں'' انوار نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

''منظور'' شہروز ہنس پڑا۔ اس دوران شینا بھی انہیں ہنستا بولتا دیکھ کر زیر لب مسکرانے لگی۔

پھر اچانک ہی کیمپ ان کی نظروں کے سامنے آ گیا۔

میرا خیال ہے کہ کیبن بوائے کو کیمپ میں جا کر بندوقوں کا جائزہ لینا چاہئے۔ نوید نے تجویز پیش کی۔

ٹھیک ہے۔ لیکن پہلے یہاں تو جگہ بنا لو ان کے رکھنے کی۔'' شہروز نے جواب دیا۔

اس پر انوار نے سب سامان ایک طرف رکھ دیا اور چند منٹ بعد اس کام سے فارغ ہو گیا۔

''سامان ایک طرف کر دیا گیا صاحب'' اُس نے نوید سے کہا ''کیا؟'' نوید نے چونک کر پوچھا۔

سامان ایک طرف کر دیا ہے صاحب

''میں نے سن لیا لیکن تم نے مجھے صاحب کیوں کہا؟''

''اس لئے کہ اب تم اس جہاز کے نائب ہو'' انوار کھکھلا کر ہنس پڑا ''اسی لئے صاحب کہہ رہا ہوں''

''بڑی مہربانی'' نوید بھی ہنس دیا۔

''اب تم لوگ تیار ہو'' شہروز نے سنجیدگی سے کہا۔

میں کہوں تو پتوار اٹھا لینا اور اشارہ کروں تو چلا دینا اور بہت تیزی سے چلانا۔

انہوں نے کشتی کیمپ کی طرف گھمائی تو بہت سا پانی کشتی میں آ گیا۔ نوید نے اپنا سارا وزن ایک طرف ڈال دیا اور ساتھ ہی پتوار تیزی سے چلنے لگا۔ چند ہی منٹ بعد کشتی ساحل پر چڑھ چکی تھی۔

''نوید۔ اترو'' شہروز نے چلا کر کہا اور نوید نے پانی میں چھلانگ لگا دی اس کے فوراً بعد شینا انوار کے ساتھ کود گئی۔ وہ رانوں تک پانی میں تھے اور چاروں نے کشتی کو پکڑ رکھا تھا۔ شہروز نے پستول عرشے پر رکھ کر لنگر اٹھایا اور پھر پانی میں ڈال دیا۔ کشتی ریت سے محض چند فٹ دور لنگر انداز ہو گئی۔

''تم دونوں کشتی کی حفاظت کرو گے۔'' شہروز نے شینا کی طرف اشارہ کر کے انوار سے کہا۔ ''کوئی بھی مشکوک بات دیکھو یا سنو تو ہوا میں فائر کر دینا''۔

وہ نوید کے ساتھ ساحل پر جھاڑیوں میں گیا اور وہاں سے اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔

پھر محتاط انداز میں دونوں چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں اسلحہ دبا ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اسلحہ لادنے سے قبل کیمپ کا جائزہ لے لیا جائے۔'' شہروز نے تجویز پیش کی۔

دونوں ٹیلے تک پہنچے۔؟؟ یہاں تو خوفناک ویرانی اور خاموشی ہے۔ نوید نے کہا۔'' اور ساتھ ہی دونوں نے اپنے اپنے پستول نکال لئے ''اس جگہ کہیں پر کپتان نے جنگلی کو مارا ہے''

نوید آہستہ بات کرو۔'' شہروز نے اس کا اونچا لہجہ دیکھ کر کہا۔ انہوں نے کیمپ کی تلاشی لی مگر وہاں کوئی نہ تھا لہٰذا وہ واپس آ کر اسلحہ لادنے لگے۔

انہیں گڑھے سے کشتی تک کے کئی پھیرے لگانے پڑے۔ انوار یہ اسلحہ ایک طرف رکھتا رہا۔ اور شینا بھی اس کی مدد کرنے لگی۔ جب سامان لادنے کا کام مکمل ہوا تو نوید نے رکھے ہوئے اسلحے کا جائزہ لیا۔ انوار نے واقعی پھرتی سے کم از کم جگہ میں اسلحہ رکھا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ کھاڑی سے گزرتے ہوئے ہمیں خوش قسمتی کی دعا کرنی چاہئے۔'' نوید نے کہا۔

''ہم اپنی زندگی بچانے کیلئے کوشش بھی کر سکتے ہیں۔نوید'' شہروز بولا۔

''اس درہ نما کھائی سے گزر گئے تو پھر جنگلیوں کا لقمہ بننے سے بچ سکیں گے۔

''تب پھر چلیں؟''

''دن کی روشنی میں ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔'' شہروز نے جواب دیا ''ہمیں تھوڑا وقت یہیں گزارنا چاہئے۔میں ذرا ٹیلے کے عقب میں جا کر وہاں کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔

''لیکن سمندری کیفیات بتا رہی ہیں کہ انوار اب اکیلے کشتی نہیں سنبھال سکتا صاحب۔'' نوید نے دوٹوک انداز میں کہا۔ویسے بھی اب کشتی میں وزن زیادہ ہے۔

''تب پھر تم بھی یہیں ٹھہرو۔میں تنہا چلا جاتا ہوں''

''آپ......انوار کو ساتھ لے جائیں''

''نہیں یہ یہاں رہ کر خالی بندوقیں بھر سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر شہروز ٹیلے کی طرف بڑھ گیا۔معاً ہی اسے شدید تھکن کا احساس ہوا لیکن وہ چلتا رہا۔ٹیلے پر پہنچ کر اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔پلٹ کر دیکھا۔جھیل کا پانی چمک رہا تھا۔پھر وہ اچانک ہی ایک عجیب سا خوف محسوس کرنے لگا۔اسے معاً ہی کپتان منوچہر کا خیال آیا......ممکن ہے کہ وہ زندہ ہو......

پھر جب ہم کشتی میں سوار ہو کر یہاں سے روانہ ہوں تو وہ چیختا چلاتا ہوا ساحل کی طرف دوڑے ہم اس کی آواز نہ سن سکیں اور اسے چھوڑ کر چلے جائیں............

شہروز نے پستول اٹھایا اور سایوں میں بڑھ گیا۔

وہ اس وقت بھی منوچہر کے بارے میں سوچ رہا تھا اسے شاہ ور کی آواز سنائی دی۔

شہروز چاندنی میں کھڑا ہوا تھا اور اسی لمحے اسے احساس ہوا کہ اس کے پاس صرف ایک موقع ہے۔اس نے لبلبی دبا دی۔چمک ضرور پیدا ہوئی لیکن گولی نہ چلی۔غالباً پستول عرشے پر رکھنے سے جام ہوگئی تھی۔

یہ سب شہروز کیلئے موت کا پیغام تھا۔

تمہاری گولی گیلی ہوگئی ہے۔شہروز'' شاہ ور فاتحانہ انداز میں سائے سے نکل کر سامنے آگیا۔اس کے چہرے پر ظالمانہ مسکراہٹ تھی۔''لیکن بہرحال تم نے پھرتی کا شاندار

مظاہرہ کیا ہے۔''

شہروز کو یقین تھا کہ شاہ ور اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

''تو تم نے ایک کشتی حاصل کر ہی لی۔میں تمہیں دیکھ رہا تھا یہاں سے تو صاف نظر آرہا تھا۔مجھے اختر نے بتایا کہ تم کشتی چوری کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہو۔کوئی مشکل تو نہیں ہوئی۔

''نہیں۔شہروز نے جواب دیا'' اس وقت اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

''لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم اس کشتی سے فائدہ اٹھا نہیں سکو گے۔شاہ ور نے اس بار تلخ لہجے میں کہا۔

''کیا تمہیں کشتی چاہئے۔شاہ ور؟''

''تمہاری زندگی بخشنے کے عوض؟ نہیں شہروز۔اگرچہ میں کشتی استعمال کر سکتا ہوں لیکن میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔

''تب پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

''تمہیں قتل کرنا۔'' ''شاہ ور نے جواب دیا'' لیکن پہلے تمہیں لونگ بوٹ کے بارے میں بتاؤں گا۔''

''کیا مطلب؟'' میں جانتا تھا کہ لونگ بوٹ بھی تباہ ہو چکی ہے۔

''وہ میرے قبضے میں ہے۔'' شاہ ور نے انکشاف کیا۔

''لونگ بوٹ؟''

''ہاں''۔شاہ ور شہروز کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''تم پاگل ہو شاہ ور۔لانگ بوٹ تباہ ہو چکی ہے''

''یہ محض تمہاری سوچ ہے............اور غلط سوچ ہے''

''تب پھر کشتی کہاں ہے؟'' شہروز نے پوچھا۔اس کے لہجے میں اس بار تجسس تھا۔

''اس سوال پر شاہ ور نے زوردار قہقہہ لگایا'' نہیں شہروز اس وقت یہ راز افشاں

نہیں کروں گا۔ لیکن جب تمہارے جسم میں میری گولی پیوست ہو چکے گی تو بتاؤں گا۔ اس کے بعد دوسروں سے بھی نمٹوں گا۔"

شہروز نے پہلی بار دیکھا کہ شاہ ور پوری طرح کیل کانٹوں سے لیس ہے۔ اس کی پشت پر چار بندوقیں تھیں۔ ہر کندھے پر دو دو تھیں۔ وہ سوچنے لگا کہ ایک بندوق اس کی اپنی ہے دو اس نے اختر سے لی ہوں گی اور اس طرح سے 3 ہو گئیں۔ چوتھی بندوق کہاں سے آئی۔ چار پستول تھے اس کا مطلب تھا کہ وہ دوسروں سے نمٹنے کیلئے پوری طرح تیار ہے۔ لیکن اس میں کمزوری یہ تھی کہ وہ پوری طرح سے سچ نہیں بول رہا تھا۔ وہ سب سے نمٹ سکتا تھا لیکن انوار کو قتل کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ انوار پر تو اس کا ہاتھ بھی نہیں اٹھ سکتا تھا۔

"شاہ ور"

"ہوں"

"تم جھوٹ بھول رہے ہو!

"نہیں" اس نے سر کو جنبش دی۔"

"تم انوار کو قتل نہیں کر سکو گے۔"

"لڑکے کی بات نہ کرو" شاہ ور کا تیز لہجہ اس امر کی دلیل تھا کہ شہروز کا نشانہ بالکل ٹھیک لگا تھا۔"

"شاہ ور" شہروز نے سکون کی سانس لی کم از کم اب انوار کی طرف سے اسے فکر نہ تھی۔ "ہتھیار رکھ کر سکون سے بات کرو۔" اس نے اس بار پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"بات کیسی بات! میں تو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں اور اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن..........انوار.........."

"بات اس وقت کرنی تھی جب تم مجھے کیمپ سے بے دخل کر رہے تھے۔ اب میرا ذہن تیار ہے۔ میں تیار ہوں۔ میں تمہیں گولی مار کر یہیں کیڑے مکوڑوں کی خوراک بننے کیلئے چھوڑ دوں گا۔ تم نے سوچ کر ہی غلطی کی تھی کہ شاہ ور ختم ہو گیا ہے۔ اب کبھی واپس نہیں آئے

گا۔"

"تم اپنی حرکتوں کی وجہ سے بے دخل کیے گئے تھے۔ شاہ ور"

"نہیں تم نے مجھے لات ماری تھی۔ مجھے بارود نہ دے کر آدم خوروں کا لقمہ بننے کیلئے چھوڑ دیا تھا.......... لیکن میں نے بہرحال بارود حاصل کر لیا۔ دیکھو"

یہ کہتے ہوئے شاہ ور نے بائیں ہاتھ سے زوردار تھپڑ مارا جو شہروز کے چہرے پر لگا۔ یہ ضرب زوردار اور شدید تھی۔ شہروز کو ایسا لگا جیسے اس ضرب کا اثر دانتوں پر ہوا ہے۔ شہروز کا نچلا لب جلنے لگا۔ یہ غصے سے بھی زیادہ کوئی شدید جذبہ تھا۔

بات صاف تھی۔ شاہ ور شہروز کو قتل کرنے کے درپے تھا۔ لیکن اسے یہ علم نہ تھا کہ شہروز اور دوسروں کو قتل کرنے کے بعد وہ جنگلیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تنہا رہ جائیگا۔

"ویسے تم دوسروں سے سمجھدار نکلے۔ جنگلیوں نے جب تمہارے کیمپ پر حملہ کیا تو تم کیمپ میں نہیں تھے کیا اس آدم خورنی نے تمہیں اس حملے سے خبردار کر دیا تھا۔ شاہ ور کا لہجہ زہر خند تھا۔

تب ہی شہروز کو یہ خیال آیا کہ یا تو وہ شاہ ور پر حملہ کر کے بے بس کر دے یا پھر گولی کھانے کا انتظار کرے۔

"بتاؤ نا" کیا تمہیں اس عورت نے بتایا تھا کہ حملہ ہونے والا ہے۔

"شاہ ور نے ایک اور قدم آگے بڑھ کر پوچھا" نہیں بولو گے..........

لیکن جب گولی میں تمہارے جسم میں اتاروں گا تو تم خود بولنا شروع کر دو گے۔ تم مجھ سے فریاد کرو گے کہ تمہیں اس درد سے بچانے کیلئے میں تمہیں دل میں گولی ماروں۔

اسی لمحے ساحل سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ شہروز چونک پڑا۔

"سنو" اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ گولی چلی ہے لیکن اس قسم کی چالوں سے تم میرا دھیان ہٹا نہیں سکتے۔" ان جملوں کے باوجود اس کے لہجے میں یہ تجسس تھا کہ گولی کیوں چلی ہے۔

ادھر شہروز کو احساس تھا کہ یہ اشارہ ہے مگر انہوں نے گولی چلا کر اسے کیوں بلایا

ہے۔ کیا منوچہر مل گیا؟ اسے یقین تھا کہ جب وہ ساحل پر نہیں پہنچے گا تو نوید اس کی تلاش میں ادھر ہی آئے گا۔ تب شاہ ور کی توجہ نوید کی طرف ہو جائے گی اور وہ شاہ ور کی طرف لپک سکے گا۔ یا پھر نوید ہی شاہ ور کو گولی مار دے گا۔ اس کیلئے شہروز کو مہلت درکار تھی۔ تا کہ نوید یہاں تک پہنچ سکے اس کا طریقہ صرف یہ تھا کہ شاہ ور کو باتوں میں لگایا جائے۔

''ویسے وہ چڑیل ہے بہت خوبصورت۔'' شاہ ور بولا۔ میں اسے قتل نہیں کروں گا اسے ساتھ ساتھ رکھوں گا۔ شاہ ور خود ہی شہروز کی حکمت عملی پر کام کرنے لگا۔ شاید وہ فی الوقت گولی چلا کر اسے قتل کرنے کی بجائے اس سے زیادہ لطف لینا چاہ رہا تھا۔ اس لمحے ساحل سے دوسری گولی چلنے کی آواز آئی اور اس وقت شہروز کو احساس ہوا کہ یہ سگنل نہیں ہے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا تو شاہ ور نے پستول اس کی پسلیوں پر رکھ دیا۔ ''جہاں ہو وہیں ٹھہرے رہو'' اس نے غرا کر کہا۔

''مجھے جانے دو شاہ ور'' شہروز بولا'' وہاں انوار بھی ہے۔ لڑکی بھی ہے اور نوید بھی شاید وہاں کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے''

''میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دونگا۔''

''میں واپس آجاؤں گا شاہ ور'' شہروز نے وعدہ کیا۔ یہ وقت ہم میں سے کسی کے بھی مرنے کا وقت نہیں۔ سنو۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

اس مرحلے پر شاہ ور فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کی کشمکش سے دو چار ہو گیا۔ شاید وہ خوفزدہ بھی تھا یہ خواہش بھی تھی کہ شہروز کو قتل کر کے ......ساحل پر جائے اور ماسٹر بن جائے دوسری طرف یہ خوف تھا کہ اگر وہ نوید اور انوار کے پاس پہنچ گیا اور اس نے شہروز کو قتل کر دینے کا اعلان کر دیا تو رد عمل بھی ہو سکتا ہے۔ نوید کی سرشت سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔

انہیں سوچوں میں گم شاہ ور کی توجہ ایک لمحے کیلئے شہروز سے ہٹی یہ موقع شاید پھر کبھی نہ آئے۔ شہروز نے سوچا۔ وہ اچھلا۔ گولی چلی اور اس کے بائیں بازو کے نیچے سے گزر گئی...... شاہ ور نے دوسرا پستول نکالنا چاہا لیکن اس بار شہروز نے اس کے سر پر زوردار دو ہتڑ مارا۔ شاہ ور کراہ کر دوہرا ہو گیا۔ شہروز کی دوسری کاری ضرب شاہ ور کے شانے پر لگی اور بائیں ہاتھ نے

شانے کو دبوچ لیا۔ اسی اثناء شہروز نے پستول سے شاہ ور کے چہرے پر ضرب لگائی۔ خون بہنے لگا......شاہ ور کی آنکھیں پھیل گئیں اور اندھا دھند ایک طرف بھاگنے لگا۔

وہ سایوں اور ٹیلوں کے درمیان بھاگتا رہا پھر اس گڑھے کے قریب سے گزرا جہاں اسلحہ دفن کیا گیا تھا وہ جھاڑوں سے ٹکرایا تو اس کا منہ چھیل گیا۔ پھر وہ زمین پر ابھری ہوئی ایک جڑ سے ٹکرایا وہ اٹھا اور پھر بھاگنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے وہ ساحل پر نکل آیا۔ پھر اچانک ہی اس کی نظر ریت پر پڑے ہوئے ایک جسم پر پڑی اور پہلے ہی لمحے اسے یقین ہو گیا کہ وہ لاش دیکھ رہا ہے۔



شہروز جب کشتی سے گیا تو نوید بندوقیں رکھنے کیلئے انوار کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کے بعد وہ لنگر کی رسی کا معائنہ کرنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ کشتی بہترین پوزیشن میں ہے تو اس نے دونوں پستول پیٹی میں اڑس لئے۔

اس وقت انوار ساحل پر زیادہ دور نہ تھا۔ شینا جو ان ہتھیاروں سے خوفزدہ تھی، ریت پر تھی۔ اور جب نوید اس کے قریب سے گزرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ تو وہ بھی شرمیلے انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

”کوئی مسئلہ تو درپیش نہیں انوار!“ نوید نے لڑکے سے پوچھا جو بارود کے ایک ڈبے کا ڈھکن اٹھا رہا تھا۔

”نہیں۔“ انوار نے مسکرا کر جواب دیا۔

”تب پھر میں حالات کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔“ نوید نے کہا۔ وہ دائیں طرف بڑھ گیا۔ اسے احساس تھا کہ بقاء کے امکانات اب بڑھ گئے ہیں۔ کچھ دور جا کر وہ بیٹھ گیا۔ اسے شہروز پر اعتماد تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ کشتی اور شہروز کی رہنمائی انہیں کسی دوسرے مگر محفوظ جزیرے تک لے جا سکتی ہے۔ جہاں وہ اپنے اوزاروں کی مدد سے ایک نسبتاً بڑی کشتی بنا سکتے ہیں۔ جس میں وہ سمندر کا سفر کر سکیں گے۔ اسے یقین تھا کہ کشتی بنانے کے کام میں شینا بھی ان کی مدد کر سکے گی۔

تب ہی اسے خیال آیا کہ شہروز اس لڑکی کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔ کیونکہ جب وہ کشتی حاصل کرنے کیلئے گئے تھے۔ تو کشتی اپنی جگہ موجود نہ تھی۔ اس وقت خود نوید کو بھی یہی شبہ ہوا تھا کہ شینا نے غداری کی ہے۔ لیکن پھر جب اس کی نظریں کشتی پر پڑی تھیں تو اس

کے سارے شکوک دور ہو گئے تھے۔ اور اس نے فوراً انوار کو شہروز کے پاس بھیج دیا۔

اس نے ایک طویل سانس لی۔ شہروز کو گئے ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ وہ اس سمت میں دیکھنے لگا۔ جس سمت میں شہروز گیا تھا۔ مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ اس نے کشتی کی طرف دیکھا۔ انوار کسی بندوق کی صفائی یا اسے بھرنے میں مصروف تھا اور شینا اس کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ اچانک نوید کو یہ احساس ہوا کہ کوئی چیز ان دونوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس نے پستول پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ بڑھنے والا جنگلی ہے۔ اور نہ ہی شہروز کیونکہ شہروز اس طرح چوری چھپے نہیں آتا۔ ممکن ہے شاہ ور ہو۔ وہ تیزی سے کھڑا ہو گیا۔

”ممکن ہے منوچہر! ہو۔“ اس نے زیر لب کہا۔ پھر معاً ہی وہ چلا اٹھا۔

”کیا ہو رہا ہے؟ کون ہے؟ کیا کپتان منوچہر! ہے؟ میں نوید ہوں جناب!“ ساتھ ہی اس نے پستول نکال لیا۔ جواب نہیں ملا۔ کوئی آواز نہیں آئی۔

”کپتان! اگر یہ آپ ہیں تو جواب دیں ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔“ نوید نے اس بار للکارنے والے انداز میں کہا۔ اس بار ہنکارا سا سنائی دیا اور پھر کوئی نوید کی سمت میں آنے لگا۔

چال ڈھال سے وہ منوچہر ہی لگتا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے۔ چہرہ خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ قمیص پھٹی ہوئی تھی۔ پتلون کی دھجیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہ کسی کا ڈھانچہ ہی لگ رہا تھا۔ اس کی نظریں نوید کو اس طرح دیکھ رہی تھیں جیسے ان نظروں نے پہلے کبھی کسی انسان کو نہیں دیکھا تھا۔ نوید کو اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت صدمہ ہوا۔ وہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن اچانک ہی منوچہر نے گولی چلا دی۔ نوید نے بچنے کی بہت کوشش کی لیکن گولی اس کے بائیں شانے میں پیوست ہو گئی۔ نوید اوندھے منہ جا گرا۔ ریت منہ میں بھر گئی۔ لیکن اس نے ہمت کی اور اپنے پستول کی لبلبی دبا دی۔ لیکن گولی نہ چلی۔

انوار نے نوید کی للکار نہیں سنی تھی۔ لیکن گولی چلنے کی آواز پر وہ اچھلا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تاہم اسے کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن پھر بھی اس نے بھری ہوئی بندوق اٹھا لی۔ شینا کی طرف دیکھا وہ اپنی جگہ سے غائب تھی۔ وہ کشتی کی حفاظت کیلئے کشتی کی طرف دوڑا چلا آیا۔ اب وہ رانوں تک پانی میں کھڑا تھا۔ تب ہی اچانک اس کی نظر شینا پر پڑی وہ بار بار خوفزدہ

انداز میں ساحل کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

اچانک انوار کو احساس ہوا کہ نوید کسی خطرے کے دوچار ہے۔ وہ اسے پکارتا ہوا دوڑنے لگا۔

اس کی آواز منوچہر نے بھی سن لی۔ وہ نوید کو چھوڑ کر پلٹا۔ اسے انوار نظر آیا۔

''پیچھے بھاگو۔'' نوید نے بمشکل اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ انوار کو خبردار کر رہا تھا۔ اب زخم میں تکلیف بھی ہونے لگی تھی۔ اور خون سے قمیص تر ہو رہی تھی۔

''انوار! کشتی کی طرف بھاگ جاؤ۔'' اس نے پھر چلا کر کہا۔

اس کی آواز سن کر انوار کی رفتار کم ہو گئی۔ لیکن نوید کا دوسرا جملہ پستول کی گھن گرج میں دب گیا۔ منوچہر نے اپنے دوسرے پستول سے گولی چلائی۔ وہ انوار کے سینے میں پیوست ہو گئی۔ وہ ڈگمگایا اور پھر گر گیا۔

انوار کو گرتا دیکھ کر نوید کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔ اس نے پوری قوت سے کام لیتے ہوئے پستول منوچہر کی طرف دے مارا۔ انوار کا انجام دیکھ کر وہ اپنا درد بھول چکا تھا۔ وہ تو جنونی انداز میں منوچہر کی طرف لپک رہا تھا۔ اس کا پستول منوچہر کے چہرے پر لگا۔ منوچہر گرنے ہی والا تھا کہ کسی شیر کی مانند لپکتے ہوئے نوید نے اسے دبوچ لیا۔ اس نے پوری قوت سے منوچہر کے سر پر ضرب لگائی۔ کپتان بہت زور سے چلایا۔ لیکن اسی لمحے اس پر دوسری ضرب لگی اور پھر اس کے بھاری بھرکم ہاتھ کی تمام انگلیاں منوچہر کے چہرے پر جم گئیں۔ چہرہ مسخ ہو گیا۔ جگہ جگہ سے پھٹ گیا۔ پھر جب منوچہر گرا تو اس کی آنکھیں بے جان ہو چکی تھیں۔

نوید نے منوچہر کو سیدھا کر کے اس کے سینے پر کان رکھا۔ مگر وہاں کسی قسم کی کوئی دھڑکن نہیں تھی۔

نوید گھٹنوں کے بل چلتا ہوا انوار کی طرف آیا۔ پہلی ہی نظر میں اس نے اندازہ لگا لیا کہ انوار مر چکا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

تب ہی درد کی ایک زوردار لہر اس کے زخم میں پیدا ہوئی۔ اس نے قمیص کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر زخم پر لپیٹ لیا۔ بازو اب سن ہونے لگا تھا۔ اور خون بہے جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر منوچہر اور انوار کی لاشوں کی طرف دیکھا۔ کیا میں اس لئے زندہ تھا کہ کپتان کو اپنے ہاتھوں

سے مار ڈالوں۔ اور اس پیارے سے لڑکے کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھ سکوں۔ وہ سوچنے لگا۔

اس وقت آہنی اعصاب کا یہ پیکر بہت کمزور اور دکھی نظر آ رہا تھا۔ پھر کچھ اور سوچ کر اس نے منوچہر کی لاش اٹھائی اور کشتی کی طرف جانے لگا۔ معاً ہی اسے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر ٹیلے کی طرف دیکھا۔ لیکن پھر چلتا رہا۔ وہ کشتی کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں شینا' منوچہر کی لاش کا کھلا منہ دیکھ کر دہشت زدہ رہ گئی۔ لاش کو رکھ کر وہ انوار کی طرف چل دیا۔ اس وقت یہ یہی سوچ کر اس کا دل بھاری ہو رہا تھا کہ انوار مر گیا ہے۔

تاہم ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اسے دفعتاً ہی احساس ہوا تھا کہ اس کشتی کی بڑی اہمیت ہے۔ کشتی ہی زندگی سے ان کا واحد رابطہ ہے۔ اور یہ کہ کشتی کی ہر قیمت پر حفاظت کی جانی چاہئے۔ اگلے ہی لمحے وہ کشتی کی طرف پلٹ رہا تھا۔ کشتی پر پہنچنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ بندوقیں بھی زندگی کیلئے بے حد اہمیت کی حامل ہیں۔ اس نے بندوقوں کو بازوؤں میں بھر کر اٹھایا اور انہیں منوچہر کی لاش کے قریب رکھ دیا۔ اس وقت اس کے زخم میں شدید ترین ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

پھر وہ شینا کی طرف پلٹا۔ وہ نہ جانے کیا سمجھ کر تیزی سے جانے لگی۔ مگر نوید نے اس کا بازو تھام لیا۔

''یہیں ٹھہرو۔'' اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ پھر اس نے ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے یہ سمجھانا چاہا کہ شہروز اس سمت سے واپس آئے گا۔ لیکن شینا کچھ سمجھ نہ سکی۔ اسے نوید کے چہرے پر دکھ' کرب اور ویرانی نظر آ رہی تھی۔ اس کے زخم سے اب بھی خون بہہ رہا تھا۔ پھر شاید اسے یقین ہو گیا کہ نوید' شہروز کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ اس نے گردن ہلا دی۔ نوید ایک لمحے تک اسے یونہی پکڑے کھڑا رہا۔ لیکن پھر چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے لنگر اٹھایا۔ اسے عرشے پر ڈالا اور مستول ہی کے قریب کھڑا ہو کر اس نے شینا کو آواز دی۔

قسمت نوید کے ساتھ تھی۔ وہ تنہا کشتی پانی میں نہیں لے جا سکتا تھا۔ کشتی شینا اور اس کی اجتماعی کوشش کے بعد اتھلے پانی میں گئی۔ شینا بڑی پھرتی سے کشتی پر چڑھی۔ اس نے پتوار سنبھال لیا اور محض دو مرتبہ پتواروں کی حرکت کشتی کو پانی میں لے گئی۔

نوید بھی کشتی پر چلا آیا۔ اس نے قدرے دور پانی ہی میں کشتی کو لنگر انداز کیا۔ پھر دونوں ایک ساتھ بیٹھ کر ساحل کی طرف دیکھنے لگے۔ نوید کے زخم میں اس وقت ناقابل برداشت درد ہو رہا تھا۔

شہروز نے پہلے انوار کی لاش اور پھر سر اٹھا کر کشتی کی طرف دیکھا جو ساحل سے اب قدرے دور تھی۔ آسمان پر زرد چاند کو ایک سفید بادل نے چھپا رکھا تھا۔ شہروز کو یہ فکر نہ تھی کہ نوید کہاں غائب ہے؟ وہ تو صرف انوار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

وہ لاش کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے سر گود میں رکھ لیا۔ انوار کی ایک آنکھ میں ریت بھری ہوئی تھی۔ اس نے ریت صاف کی اور پھر انوار کی آنکھیں ہمیشہ کیلئے بند کر دیں۔ اس نے انوار کے سینے کا معائنہ کیا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا اور قریب زمین بھی خون آلود تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ اور لاش کو سینے سے لگا لیا۔

چند لمحے بعد اس نے لاش پھر لٹا دی۔ اس دوران اسے انوار کے چاقو کی پیٹی کا احساس ہوا تھا۔ جو اس نے بڑی احتیاط سے اتار کر اپنی کمر پر باندھ لی اور چاقو قمیض میں ڈال لیا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اور اسی کیفیت میں چلتا قمیض ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں نوید اور منوچہر کے درمیان لڑائی ہوئی تھی۔ یہاں اسے مزید خون نظر آیا۔ قدموں کے بھی نشانات تھے۔ جن پر وہ چلنے لگا اور اس طرح ایک بار پھر انوار کی لاش تک پہنچ گیا۔

تب ہی جھیل کی طرف سے بندوق چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز کی طرف پلٹا اور ساحل پر پانی کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہاں اسے نوید نے دیکھ کر آواز دی۔ شہروز خاموش رہا اور غالباً اس وجہ سے نوید نے شینا سے کچھ اشارے کیے۔ دونوں نے چپو سنبھال لئے اور کشتی شہروز کے قریب لے آئے۔ شہروز نے ہاتھ بڑھا کر کشتی کو خشکی پر لانے میں مدد دی۔ اسی اثنا نوید نیچے کود آیا۔

''تم نے انوار کو دیکھا۔'' اس کا پہلا سوال یہی تھا۔

''ہاں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں کشتی سے نظر آنے والی لاش پر تھیں۔ یہ منوچہر کی لاش تھی۔

''لڑکے کو کپتان نے قتل کیا۔ نوید نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ پھر میں خود پر قابو نہ

رکھ سکا اور میں نے منوچہر کو قتل کر دیا۔''

شہروز نے کشتی پر جا کر منوچہر کی لاش دیکھی۔ کپتان کی لاش دیکھ کر اسے عجیب دکھ ہوا لیکن اس بنیادی دکھ میں کمی یا اضافہ نہ ہوا جو انوار کی لاش دیکھ کر ہوا تھا۔ اسے صرف یہ خواہش تھی کہ سارے واقعات اسے معلوم ہو جائیں۔ لیکن پھر اس نے سر جھٹک کر لاشیں ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ لاشیں اٹھا کر ساحل پر جھاڑیوں میں لائے۔ وہاں انہوں نے گڑھا کھودا اور پھر انہیں جو بھی دعائیں یاد تھیں وہ پڑھتے ہوئے انہیں سپرد خاک کر دیا۔ لیکن اس سے قبل کہ شہروز انوار کا چاقو اس کے خون بھرے سینے پر رکھنا نہیں بھولا۔ پیٹی جو نوید نے بنا کر انوار کو دی تھی خود نوید نے انوار کی لاش پر رکھی۔

وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو چاند بدلی کی اوٹ سے نکل آیا تھا۔ انہوں نے فوراً سفر شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔

صبح سویرے کے قریب وہ درے نما کھاڑی سے گزرے اور یہاں پانی کا جوش بھی زیادہ تھا۔ اس جوش کو دیکھ کر یقیناً کوئی بھی خوفزدہ ہو سکتا تھا۔

شہروز اس وقت بالکل خاموش اور برف کی طرح سرد تھا۔ یہ سردی اس کے دل تک میں تھی۔ پھر بھوک اور تھکن کے باعث بھی نڈھال تھا۔ وہ انوار کے بارے میں سوچ جا رہا تھا۔

شہروز اسٹرن والے حصے میں چپو چلا رہا تھا۔ اور اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ نوید کے چپو بڑی تیزی سے چل رہے تھے۔ پھر اس نے شینا کو دیکھا۔ اور شینا پر نظریں ملانے کی کوشش میں شہروز چار مرتبہ صحیح طریقے سے چپو نہیں چلا سکا۔ شینا نے بھی ہاتھ روک دیا۔ وہ بھی شہروز کو ہی دیکھ رہی تھی۔ تب ہی شہروز کو احساس ہوا کہ وہ اتنا شکست خوردہ نہیں۔ شینا اس کے ساتھ ہے۔ اسی خیال کے تحت اس میں نیا جوش عود کر آیا اور اس نے پوری قوت سے چپو چلانے شروع کر دیئے۔

اس وقت وہ جس جگہ سے گزرے تھے وہاں کا پانی تنگ نہر کے پانی سے زیادہ چوڑا نہ تھا۔ یہاں جوش بھی تھا اور پانی کی غضب ناک آوازیں بھی آؤٹ رگر پانی میں پوری طرح

ڈوبا ہوا تھا۔ اور تیز ہوا کے باعث ان کے کانوں میں درد ہو رہا تھا۔

شینا نے نوید کی طرف دیکھا۔ نوید کی حالت زخم کے باعث غیر ہو رہی تھی۔ خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ شہروز بھی نوید کی کراہیں سن رہا تھا۔ کچھ دور جا کر نوید سے ایک پتوار غلط چلا اور ایک لمحے کیلئے کشتی بے قابو ہونے لگی۔ لیکن اپنی اس غلطی کو نوید ہی نے ٹھیک کیا اور کشتی ایک مرتبہ پھر پہلے کی طرح دوڑنے لگی۔

کچھ دیر بعد انہوں نے آرام کا فیصلہ کیا۔ شینا نے بھی اپنا پتوار اٹھا کر نوید کے سر کے پیچھے کی سمت میں اشارہ کیا۔

''ہم مغرب شمال مغرب۔'' شہروز نے اشارے کی وضاحت کی تا کہ نوید سمت کا خیال رکھے۔

پہلے تو ذرا اسی بھی ہوا نہ تھی۔ اور اس مقام پر جہاں سمندر اور آسمان مل رہے تھے۔ گہرے بادلوں کا ڈھیر سا لگا ہوا تھا۔ ان بادلوں کے اوپر انتہائی صاف آسمان پر بھی کہیں کہیں بادلوں کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ مشرق میں مقام طلوع آفتاب پر ایک ستارہ چمک رہا تھا۔ جس کی رنگت سرخی مائل پیلی تھی۔ اس ستارے کی چمک کے سامنے چاند کی چمک ماند پڑ رہی تھی۔

اب جب کہ وہ جھیل اور جزیرے سے دور آ چکے تھے۔ تو انہیں کشی بھی چھوٹی لگنے لگی تھی۔ پانی بھی اتنا زیادہ تھا کہ کشتی کے کناروں تک پہنچ رہا تھا۔ بعض اوقات پتوار پر جمے ہوئے ان کے ہاتھ بھی بھیگ رہے تھے۔ آؤٹ رگر کام کر رہا تھا۔

آہستہ آہستہ جزیرے کے آثار معدوم ہونے لگے۔ دو گھنٹے بعد شہروز نے ایک بار پھر آرام کرنے کا اعلان کیا اور جزیرے کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث جزیرے کی ہریالی اب قدرے ہلکے نیلے رنگ کی نظر آ رہی تھی۔ شہروز کو علم تھا کہ کچھ اور دور جا کر جب وہ پلٹ کر دیکھے گا تو یہ نیلاہٹ بھورے پن میں بدل جائے گی اور پھر جزیرہ نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔

سفر کے اگلے مرحلے کیلئے روانہ ہونے سے قبل شہروز نے پتوار ٹانگوں کے بیچ میں رکھ کر قمیص سر تک اوڑھ لی۔ اور پھر اپنا جائزہ لیا۔ اس کے بازو کے نیچے خشک خون جما ہوا تھا۔

اس نے سمندر سے پانی لے کر زخم پر ڈالا۔ زخم پر کپڑا لپیٹا اور قمیص دوبارہ پہن کر پتوار سنبھال لیا۔

صبح کا بیشتر حصہ گزر جانے کے بعد ہوا چلنی شروع ہو گئی۔ ہوا کا احساس ہوتے ہی شینا نے پلٹ کر شہروز کو دیکھا۔ اور بادبان کی طرف اشارہ کیا۔ شہروز نے اثبات میں سر ہلایا۔ شینا نے اشارہ پاتے ہی پتوار رکھ دیئے اور بادبان کھول دیئے۔

جب انہوں نے پتوار رکھے تو سورج آگ برسا رہا تھا۔ ہوا جنوب مشرق سے چل رہی تھی۔ یہ تجارتی ہوائیں تھیں۔ شہروز جانتا تھا کہ ان ہواؤں میں کشتی کو بڑی حکمت سے چلانا ہو گا۔ پہلے ایک گھنٹے کے دوران انہوں نے کشتی میں ہر قسم کی ہلچل محسوس کی۔ آؤٹ رگر کو سمندر کے اندر تک گھستے دیکھا۔ لیکن آہستہ آہستہ ان میں اعتماد آنے لگا۔ وہ کشتی میں اتھل پتھل کے عادی ہونے لگے۔ اس دوران کچھ پانی کشتی میں بھی آ گیا۔ اور پھر کشتی پرسکون انداز میں بہنے لگی۔ اگلا حصہ دب کر چلنے لگا۔ جس کے باعث عقبی حصے میں بیٹھا ہوا شہروز بلند ہو گیا۔

بادبان کھول کر چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اپنی بلندی کے باوجود شہروز کو پتوار چلانے میں بہت مشکل ہو رہی تھی۔ اس کے بازو سارا کام کر رہے تھے۔ جلد ہی وہ تھک گئے۔ وہ من من بھر کے ہو گئے۔

اچانک ہی اسے ایک بار پھر انوار یاد آ گیا۔ یہ خواہش شدت اختیار کر گئی کہ اسے انوار کی موت کی تفصیلات معلوم ہو سکیں۔

''نوید!'' اس نے اچانک کہا۔

''لڑکا کس طرح ہلاک ہوا؟''

''وہ۔'' نوید تھوک نگل کر بولا۔

''میں نے اسے کتنی بار خبردار کیا کہ وہ وہاں سے ہٹ جائے لیکن منوچہر نے اسے دیکھ لیا۔ تم جانتے ہی ہو کہ منوچہر کا نشانہ کیسا تھا۔'' شہروز خاموش رہا۔

''تمہیں میری باتوں پر یقین ہے نا؟'' نوید نے ایک لمحہ کے بعد پوچھا۔

شہروز خاموش رہا۔

"یہ واقعہ اس کا کچھ شینا نے بھی دیکھا ہوگا۔" نوید نے گواہی پیش کی۔

"مگر میں اس کی اور وہ میری بات نہیں سمجھ سکتی۔"

"ہاں......مگر پھر بھی۔"

"نوید!"

"ہوں۔" نوید نے ہنکارا بھرا۔

"میرے دل میں بہت سے شکوک جنم لے رہے ہیں۔" شہروز نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے لڑکی پر بھی شبہ کیا تھا۔ اور مجھ پر بھی شبہ کر رہے ہو۔ میرا یہی خیال تھا۔"

"وہ کیا خیال تھا؟"

"یہی کہ تم مجھ پر شک کرو گے اور اسی باعث میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر ایسی کوئی صورتحال پیدا ہوئی تو میں تم سے الگ ہو جاؤں گا۔" نوید نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"الگ۔"

"یہ دوپہر کا وقت تھا اور شینا ان باتوں سے بے نیاز اسٹار بورڈ پر کھڑی ہوئی۔ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس نے اچانک پلٹ کر شہروز کو دیکھا۔ ساتھ ہی اشارہ بھی کیا۔ شہروز نے فوراً چپو پر زور ڈالا اور رخ بدلنے لگا۔ شینا چند لمحے تک کشتی کے رخ کی تبدیلی دیکھتی رہی اور پھر سر ہلا ہلا کر کچھ کہنے لگی۔

نوید نے بھی پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس وقت نوید کی آنکھیں بہت سرد لگ رہی تھیں۔ اور داڑھی تیز ہوا کے دباؤ کے باعث گردن سے چپکی ہوئی تھی۔ نوید سمجھ چکا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے جبکہ شہروز اب تو شینا کے چھوٹے موٹے جملے سمجھ ہی لیتا تھا۔

جزیرے پر آدم نہ آدم زاد کا نام ونشان تھا۔ لیکن یہ وہی جگہ ہوسکتی تھی جہاں یارک ان کی تلاش میں آ سکتا تھا۔ شینا اس کو بار بار اپوا کہہ رہی تھی۔

اس کی تنبیہ سمجھتے ہوئے شہروز نے کشتی کو ایک بار پھر پرانے راستے پر ڈال دیا۔

"میرا خیال ہے کہ سوچنے سمجھنے کا کام اس پر چھوڑ دو۔"

نوید نے شہروز نے کہا۔ شہروز نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ غیر یقینی مستقبل

کے بارے میں متفکر تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ کہاں کس زمین پر اتریں گے؟ اور یہ کہ ان کا حشر کیا ہوگا؟ لیکن اس کے برعکس نوید بہت پراعتماد تھا۔ ویسے اس کے زخم میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی اور بار بار منوچہر وانوار کی لاشیں نگاہوں کے سامنے آ رہی تھیں۔

اپوا قریب آیا تو وہ ایک کھاڑی میں جنم لیتا ہوا جڑواں جزیرہ نظر آیا۔ یہاں پہاڑیاں بھی تھیں اور پہاڑی ٹیلے بھی جو سب کے سب جھیل نما سمندر میں اتر رہے تھے۔

پھر ایک اور جزیرے پر ان کی نظر پڑی۔ یہ قدرے بڑا جزیرہ تھا۔ لیکن وہ جلد ہی رات کی تاریکی میں گم ہوگیا۔ شینا نے سورج ڈھلتے ہی انہیں شمال مغرب میں چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ تاریکی چھا جانے کے ساتھ ہی ہوا کی شدت بھی کم ہوگئی۔

انہوں نے بادبان اتار لیے اور جونہی رات کی خنکی نے ان کے جسموں کو چھوا انہیں اندازہ ہوگیا کہ دن بھر کے تپتے ہوئے سورج نے ان کے جسموں پر کیا اثرات چھوڑے ہیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کے بدن کی کھال پھٹ جائے گی۔ نوید کا زخم جو دھوپ کے باعث سوکھ گیا تھا۔ رات کو چپو چلاتے ہوئے پھر کھل گیا اور خون بہنے کے باعث نوید پر نقاہت طاری ہونے لگی۔ وہ بمشکل چپو چلاتا رہا۔ اس کی کراہیں نکل رہی تھیں۔ لیکن وہ انہیں ہنکاروں میں بدل رہا تھا تاکہ دوسروں کو اس کے درد کا احساس نہ ہو۔ وہ اپنی کمزوری اور نقاہت پر قابو پانے کی جدوجہد کرتا رہا۔ وہ ہر قیمت پر شہروز سے اپنا درد چھپانا چاہتا تھا۔

خنک رات نے انہیں اپنی آغوش میں لیا تو آرام کرنے کی خواہش بھی عود کر آئی۔

نوید نے چپو رکھ کر شہروز سے اس خواہش کا اظہار کرنے میں پہل کی۔ شہروز نے شینا کو دیکھا جو ان کے درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور وہ باری باری دونوں کو گردن گھما کر دیکھنے لگی۔

پھر شینا اٹھی اور مسکراتی ہوئی کشتی سے اتر گئی۔

وہ پندرہ منٹ بعد واپس آئی تو گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ اور شینا کیلئے اس اندھیرے میں کشتی میں چڑھنا ناممکن بات تھی۔ لیکن شہروز اور نوید دونوں نے اسے اوپر کھینچ لیا۔ شینا کو اوپر کھینچتے ہوئے معاً ہی شہروز کی نظر نوید کے زخم پر پڑ گئی۔ "گولی ابھی تک اندر ہی ہے نوید؟" یہ بات اس نے اس وقت پوچھی جب وہ کشتی دوبارہ کھینچنے لگے تھے۔

"آں...... ہاں......" نوید نے بظاہر بے پروائی سے جواب دیا۔

"لیکن گولی بہرحال باہر نکلنی چاہیے۔"

"ساحل پر پہنچ کر نکلوادوں گا۔" نوید نے کہا۔

اس رات وہ زیادہ تر سفر کرتے رہے۔ کبھی کبھی آرام کرنے کی خاطر چپوار رکھتے۔ پانی پیتے اور پھر چپوار سنبھال لیتے۔ اب شہروز ستاروں کی مدد سے راستہ اختیار کر رہا تھا۔

صبح کی ہلکی روشنی کے ساتھ ہی ہوائیں چلنے لگیں۔ جن کے باعث کشتی کی رفتار تیز ہوگئی۔ اور پھر ایک جزیرہ ان کے سامنے آ گیا۔ یہاں ہریالی تھی۔ سبزہ تھا۔ اور مناظر قدرت تھے۔ یہ جزیرہ ان کے مشرق میں تھا۔ اسے بیکا جزائر کہا جاتا تھا۔ البیکا جزیرہ لوانٹیا اور اپوا دونوں سے بڑا تھا۔ یہاں لوگ بھی تھے۔ یہ چھوٹے جزائر کے عظیم سردار جولیا کا وطن تھا۔ شینا دل ہی دل میں اس ہوا کا شکر ادا کر رہی تھی جو ان کی کشتی کو جزیرے سے دور لے آئی تھی۔ اس کی نظریں جن میں خوف بھرا ہوا تھا۔ کسی کشتی کو تلاش کر رہی تھیں۔ اور اسے علم تھا کہ اگر سردار جولیا کی نظریں ان پر پڑ گئیں تو ان کا کیا حشر ہوگا۔

اس روز ان دونوں کو احساس ہوا کہ سمندری سفر میں رہنمائی کی جو صلاحیت شینا کے پاس ہے وہ غیر معمولی ہے۔ شاید انہیں علم نہ تھا کہ یہ علم شینا کو ورثے میں ملا ہے۔ اس کا تعلق کشتی بنانے والے خاندان سے ہے۔ جو بچپن ہی سے سمندری سفر' ناخداؤں' ملاحوں اور کشتیوں کی کہانیاں سنتی رہی ہے۔ شینا نے اپنے والد کے ساتھ سمندروں کے بہت سفر کیے تھے۔ اس روز شینا کی ایک اور غیر معمولی صلاحیت کا انکشاف ہوا۔ اس نے دو مرتبہ انہیں خبردار کیا کہ تیز ہوائیں چلنے والی ہیں۔ حالانکہ اس وقت نام ونشان تک نہ تھا۔ لیکن انہوں نے دو مرتبہ شینا کے کہنے پر بادبان چڑھا دیئے۔ اور پھر دونوں مرتبہ انہیں احساس ہوا کہ اگر بادبان نہ چڑھائے جاتے تو ہوا کے جھکڑ کشتی کو نہ جانے کہاں سے کہاں لے جاتے۔

اس روز انہوں نے تین مرتبہ کھانا کھایا۔ یہ کھانا خشک گوشت' بسکٹ اور اس خشک خوراک پر مشتمل تھا جو شینا ٹوکری میں لے کر آئی تھی۔

دن بھر سورج انہیں جلاتا رہا۔ کشتی میں بادبان کا سایہ اس تپش سے بچنے کیلئے ناکافی تھا۔ سب سے برا حال پیروں کا تھا جو مسلسل بھیگنے کے باعث نرم ہو گئے تھے۔ اور شہروز نے اپنے پیروں کی کھال ادھڑتی ہوئی دیکھی تھی۔ پنڈلی پر جو خراشیں تھیں وہ بھی بڑھتی جا رہی

تھیں۔

رات ہونے سے کچھ ہی دیر قبل انہیں ایک ناریل بہتا ہوا نظر آیا۔ جسے کمال پھرتی سے شینا نے سمندر کی آغوش سے اچک لیا۔ اور نوید کے چاقو کی مدد سے اسے کھول لی۔ اگرچہ کشتی پر پانی کا وافر ذخیرہ تھا۔ لیکن ناریل کا یہ پانی نیم گرم اور اس کا گودہ ٹھنڈا تھا۔ اس میں مٹھاس بھی تھی۔

ناریل کا یہ پانی پیتے ہوئے معاً نوید کو احساس ہوا کہ اس نے زمین دیکھی ہے۔ اس نے پلٹ کر اشارہ کیا۔ شینا بھی سر ہلاتی کھڑی ہوگئی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نہ تھے۔ شہروز نے کشتی کا رخ مزید مغرب کی سمت کر لیا۔ پھر کشتی کی رفتار تیز ہوگئی۔

ابھی نصف شب میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ کشتی ابر آلود آسمان کے نیچے سمندر کے سینے پر بہہ رہی تھی کہ اچانک انہوں نے اپنے بالکل سامنے نارنجی چمک دیکھی۔ نوید نے خبردار کیا تو شینا خوفزدہ انداز میں کھڑی ہوگئی۔ اس نے اشارے سے ہدایت دی کہ جزیرے سے دور رہا جائے۔ لیکن وہ نہ سمجھ سکا۔

"میرا خیال ہے کہ شینا ہمیں خبردار کرنا چاہتی ہے۔" نوید نے کہا۔

"شاید خطرہ ہے اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شہروز کی طرف دیکھا۔ مگر شہروز راستہ بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ راستہ بدل دیں۔ میں مدد کیلئے آ رہا ہوں۔"

"نہیں نوید!" شہروز نے فوراً جواب دیا۔

"ہم وہیں چلیں گے۔" اس کا لہجہ ایسا تھا کہ شینا بھی اسے تکنے لگی۔

"یعنی جزیرہ پر۔" نوید بوکھلا اٹھا۔ اسے اس کا جواب نہ ملا۔ غالباً شینا بھی شہروز کا مقصد سمجھ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ خود شہروز کو بھی یہ احساس نہ تھا کہ وہ جزیرے پر جانے کا فیصلہ کیسے کر بیٹھا۔

اس کی نظریں نارنجی آگ پر تھیں۔ اس کی کھال تڑخ رہی تھی۔ اور اس میں سے خون نکل رہا تھا۔ اور ساتھ ہی وہ جدوجہد بھی کر رہا تھا کہ کشتی بہاؤ کی مخالف سمت میں اپنے راستے پر چلتی رہے۔

آگ قریب آتی گئی۔

بہاؤ کی مخالف سمت میں کشتی چلانا انتہائی خطرناک عمل بنتا جارہا تھا۔ کسی بھی وقت کشتی الٹ سکتی تھی۔ شینا اور نوید کو اس کا بخوبی احساس تھا۔ اور نوید تو یہ سمجھ کر ہی خوفزدہ ہورہا تھا کہ اب خاتمہ قریب ہے۔

نوید اور شینا دونوں کو ایسا لگ رہا تھا جیسے شہروز کو جزیرے تک پہنچنے والا آبی راستہ معلوم ہے۔

پھر پانی کم ہونے لگا۔ کرنٹ کم ہوگیا۔ کشتی اب زیادہ ہچکولے نہیں لے رہی تھی۔

پہاڑیاں اور کھائیاں سامنے آرہی تھیں۔ اور ان کھائیوں میں بہت کم پانی تھا۔

پھر اچانک ہی شہروز نے ایک نہر نما کھائی میں کشتی ڈال دی۔ اور جب پانی مزید اتھلا ہوگیا تو اس نے کشتی روک لی۔ کچھ ایسا ہی لگا تھا جیسے شہروز کو یہاں لنگر انداز ہونے کا پہلے ہی سے علم تھا۔ لیکن نوید کے برعکس شینا کو ایک بار پھر یقین ہوگیا تھا کہ شہروز دیوتا ہے۔

ہوا کم ہوتے ہی شینا نے بادبان وغیرہ اتار لئے اور پھر وہ پتوار سنبھال کر بیٹھ گئے۔

بہت دیر بعد پہلی مرتبہ شہروز نے شینا کی طرف دیکھا۔ اسے چھوا اور مسکرا کر ساحل کی طرف اشارہ کیا۔ اب شینا کشتی کو ساحل تک پہنچانے کیلئے سرگرم ہوگئی۔ نوید پانی میں کود گیا۔ اس نے رسہ پکڑ کر کشتی کنارے کی طرف کھینچنی شروع کردی۔ اگرچہ وہ اس وقت بازوؤں میں تکلیف کے باعث ادھ موا ہورہا تھا۔ لیکن اس نے کسی پر اپنی تکلیف ظاہر نہیں ہونے دی۔ پھر اس نے لنگر اٹھا کر خشکی پر ڈالا اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔

شینا اور شہروز پانی سے باہر نکل رہے تھے۔

شینا دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ یہ قیام خطرناک ہوسکتا ہے۔ انہیں اس جزیرے سے بہت دور جاکر رکنا تھا۔ تاکہ یارک کے ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ نوید یہ سوچ رہا تھا کہ شاید شہروز نے بازو سے گولی نکالنے کیلئے یہاں رکنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ساحل پر پہنچنے سے قبل شہروز ایک بار لڑکھڑایا۔ وہ پہاڑی کے سائے میں نوید کو نہ دیکھ سکا تھا۔ لہٰذا نوید نے اسے آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ذرا ادھر تو آؤ۔'' شہروز اسے شینا سے دور لے جانا چاہتا تھا۔ پھر جب وہ ایک

طرف شینا سے قدرے دور پہنچ کر رک گئے تو نوید نے شہروز کی طرف دیکھا۔ وہ شہروز کے کسی جملے کا منتظر تھا۔ لیکن شہروز خاموش رہا۔

''کیا بات ہے؟'' نوید نے پوچھا۔

''تم مت جاؤ نوید!'' شہروز نے عجیب سے لہجے میں عجیب سی بات کہی۔ جبکہ نوید اپنی جگہ پر موجود تھا۔

''میں نہیں جاؤں گا۔'' نوید نے بازو کے زخم میں اٹھنے والی ہولناک ٹیس کو بمشکل برداشت کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے انوار! کو قتل کیا تھا نوید!؟'' یہ کہہ کر شہروز خود بھی چونک پڑا تھا۔ یہ براہ راست الزام تھا جو نوک زبان سے لاشعوری طور پر پھسل گیا تھا۔

''نہیں۔'' نوید نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''میں نے منوچہر کو قتل کیا تھا انوار کو نہیں۔''

''اور میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم پر شبہ ہے۔''

''اور میں کہہ چکا ہوں کہ شبہ یقین میں بدلنے سے قبل میں چلا جاؤں گا۔''

''شہروز کو ایسا لگا جیسے اس کا پورا جسم سن ہورہا ہو۔''

''آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں۔'' نوید کہتا رہا۔ لیکن شہروز اس کا یہ جملہ نہیں سن سکا۔ کیونکہ اسے تو شاہ ور کی کوئی بات یاد آرہی تھی۔

''کیا تمہیں علم تھا کہ شاہ ور نے لانگ بوٹ حاصل کرلی تھی نوید!'' شہروز نے پوچھا۔

''لانگ بوٹ؟''

''ہاں اور یہ بتاؤ کہ اس کے پاس کتنی بندوقیں ہونی چاہئے تھیں؟'' شہروز نے ایک عجیب سا سوال کیا۔

''جب وہ گیا تو اس کے پاس اپنی ایک بندوق تھی۔ بعد میں اس نے دو بندوقیں حاصل کیں۔ تین بندوقیں اور دو پستول۔''

''مگر اس کے پاس چار بندوقیں تھیں۔'' شہروز نے سپاٹ لہجے میں اسے بتایا۔ تب

پھر اس نے کہیں سے کپتان کی بندوق بھی حاصل کر لی ہو گی۔" نوید نے فوراً جواب دیا۔

"کیونکہ جب کپتان ساحل پر آیا تھا تو اس کے پاس صرف پستول تھے۔ ویسے اس نے بوٹ کیسے حاصل کر لی؟"

"مجھے نہیں پتا۔"

"کمال ہے۔" نوید ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ اور پھر قدرے شکوہ بھرے لہجے میں بولا۔ "تم نے مجھے تو یہ کبھی نہیں بتایا کہ اس روز ٹیلے پر کیا واقعات پیش آئے تھے۔ میں نے گولی چلنے کی آواز تو سنی تھی۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا مقابلہ شاہ ور سے ہوا ہے اور تم نے اسے گولی ماردی ہے۔"

"میری اس سے مارپیٹ تو ہوئی۔ مگر میں نے اسے گولی نہیں ماری۔" شہروز نے جواب دیا۔

"اور اس نے لانگ بوٹ کے بارے میں بتایا؟"

"ہاں......" شہروز اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"کیا اس کے لہجے میں صداقت تھی؟"

"شاید لگتا تو ایسا ہی تھا۔" شہروز نے جواب دیا۔

"اوہ!...... مگر کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں نہیں مرا؟" نوید نے پوچھا۔

"گولی میں نے نہیں چلائی تھی نوید!" شہروز نے بتایا۔

"گولی تو اس نے چلائی تھی اور بس میں بچ ہی گیا۔ گولی میرے بازو کے نیچے سے گزر گئی۔"

"خدا کا شکر ہے۔" نوید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن کاش منوچہر کی گولی میرے بازو کو نہیں سینے پر لگتی۔"

اچانک ہی نوید ششدر رہ گیا۔ کیونکہ شہروز نے لپک کر اس کا زخمی بازو دبوچ لیا تھا۔ اس نے گرفت سے نکلنے کیلئے لات ماری۔ مگر شہروز بچ گیا۔ گرفت کی وجہ سے نوید کے بازو میں ہولناک درد ہونے لگا تھا۔

"نوید!" شہرورز چلا رہا تھا۔

"بولو...... بتاؤ لڑکے کو تم نے قتل کیا ہے؟"

"نہیں اف!" نوید کراہتا ہوا بولا۔

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے انوار کو قتل نہیں کیا۔"

"لیکن نوید!" شہروز کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اگر میں لڑکے کو قتل کرتا تو تم مجھے قتل کر دیتے۔ لیکن میں انوار کا قاتل نہیں ہوں۔ میں نے انوار کے قاتل منوچہر کو قتل کیا ہے۔ اس نے گولی چلائی اور گولی انوار کے سینے میں پیوست ہو گئی۔"

"تم بھی گولی چلا سکتے تھے؟" شہروز غرا کر بولا۔

"میں نے کوشش کی تھی۔ لیکن میرا پستول گیلا نکلا۔ لہٰذا میں نے اپنے ہاتھوں سے منوچہر کا خاتمہ کر دیا۔"

شہروز کی گرفت کے باعث نوید کے زخم سے خون پھر بہنے لگا تھا۔ نوید کو شہروز کے دکھی ہونے کا احساس تھا۔ لیکن بات تھی کہ دکھوں پر صرف شہروز ہی کی تو اجارہ داری نہ تھی۔ خود نوید بھی دکھی تھا۔ اس نے انوار کو دم توڑتے ہوئے دیکھا۔ اسے سب کچھ یاد تھا۔ شہروز کی طرح وہ بھی دل گرفتہ تھا۔

شہروز نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اس وقت اگرچہ خون نوید کا بہہ رہا تھا۔ لیکن نقاہت شہروز کو محسوس ہو رہی تھی۔

دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے کشتی کی طرف چل دیئے۔ اور پھر اچانک ہی انہیں شینا نظر آئی۔ جو ہاتھوں میں سبز پتوں کا بنڈل اٹھائے ہوئے تھی۔ شینا نے کھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ غالباً لوگوں کے متعلق کچھ کہہ رہی تھی۔

"شاید ہمیں دیکھ لیا گیا ہے۔" شہروز نے نوید سے کہا۔

"آؤ۔" وہ تیزی سے لنگر کے رسے کی طرف دوڑا۔

مگر نوید کھڑا رہا۔

جب شہروز لنگر اٹھا چکا تو شینا کشتی کو پانی میں دھکیلنے لگی۔ نوید نے جلد ہی ایک فیصلہ کر لیا کہ وہ اس وقت تک یہاں رہے گا جب تک کشتی سمندر میں دوڑنے نہ لگے گی۔ پھر وہ دو

بندوقیں اور پستول لے کر یہیں رہ جائے گا۔ مسئلہ اتنا کا تھا اور شہروز نے اس پر بے بنیاد الزام تراشی کی تھی۔

نوید ان کا ساتھ چھوڑنے کیلئے تیار تھا۔

''نوید! چلو...... جلدی کرو۔ وہ ہمیں دیکھ چکے ہیں۔'' شہروز نے چلا کر کہا۔

نوید نے کچھ سوچتے ہوئے قدم بڑھائے اور آؤٹ رگر کو دھکا دینے لگا۔ وہ جس زمین پر کشتی کو دھکا دے رہے تھے۔ وہاں زیر آب کافی گڑھے تھے۔ کہیں پانی پنجوں تک تھا اور کہیں ٹخنوں تک۔ ابھی کشتی چپوار کے قابل پانی سے کچھ ہی دور تھی کہ اچانک شہروز لڑکھڑا کر گر گیا۔

اس کا دایاں پیر اندر تک گھستا چلا گیا۔ وہ بہت زور سے چلایا۔ اور اس نے کشتی کا تختہ پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ وہ بری طرح گرا۔ پانی اس کے منہ، نتھنوں اور اس کے کانوں میں گھس گیا۔ پھر اچانک اس کی دائیں ٹانگ میں خطرناک ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس نے اس ٹانگ کے ساتھ کسی اور کا جسم بھی محسوس کیا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ نوید اسے اٹھا رہا ہے۔ شینا اسے تھامے ہوئے ہے۔ دونوں اسے کشتی میں لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔
اس نے نوید کی آواز سنی۔ وہ بام مچھلی کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔
بام مچھلی کسی انسان کی مانند موٹی اور چھ فٹ لمبی تھی۔ جو تیزی سے گہرے سمندر کی طرف جا رہی تھی۔

نوید نے شہروز کی ٹانگ دیکھی۔ پتلون پھٹی ہوئی تھی اور ران کا گوشت جگہ جگہ سے کٹا ہوا تھا۔ کئی جگہ سے لوتھڑے بھی کٹے ہوئے تھے۔ مچھلی کے تیز دانتوں نے خطرناک کام کر دیا تھا۔

''اوپر چلو۔''

نوید نے غرا کر شینا سے کہا۔ جو اس کا مفہوم سمجھ گئی۔ پھر دونوں نے کوشش کر کے شہروز کو کشتی پر چڑھایا اور نوید ہنکارا بھر کر اسٹرن میں شہروز کی جگہ بیٹھ گیا۔



نصف شب کے کافی بعد نوید نے شینا کو بادبان گرانے کی ہدایت کی۔ ساتھ ہی خود بھی اس کی مدد کرنے لگا۔ چاند غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا اور بدل نظر نہیں آ رہے تھے۔ کشتی اس وقت مشرقی ہواؤں کی مدد سے بہہ رہی تھی۔
نوید نے شہروز کو اس طرح لٹایا تھا کہ اس کا چہرہ کشتی کے عقبی حصے کی طرف رہے۔
شہروز اگرچہ ہوش میں تھا۔ لیکن بری طرح ہل چکا تھا۔ کافی خون بہہ چکا تھا۔ لہٰذا اس پر پوری اور فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ نوید اس وقت یہی کام کر رہا تھا۔
اس نے شہروز کی ٹانگ کا معائنہ کیا۔ مچھلی نے کئی مرتبہ ٹانگ نوچی تھی۔ جس کے باعث اس کے دانتوں کی وجہ سے جگہ جگہ گہرے زخم لگے تھے۔ کچھ ایسا لگا تھا کہ حملہ آور بام نہ تھی، شارک تھی۔ شینا ان زخموں کے باعث بہت افسردہ تھی اور وہ بار بار ''دیبا'' کہہ رہی تھی۔
شاید اس کی زبان میں دیبا اس مچھلی کا نام تھا جس نے شہروز پر حملہ کیا تھا۔
پتوں کی آواز کے باعث شہروز کی آنکھ کھل گئی۔
''کشتی کیوں رکی ہوئی ہے؟''
اس نے کشتی کے بے حرکت ہونے کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔
''تمہارے زخم دیکھنے کیلئے۔'' نوید نے جواب دیا۔
''خون ابھی تک بہہ رہا ہے۔ مزید خون ضائع ہوا تو تم کمزور ہو جاؤ گے۔''
یہ کہتے ہوئے نوید نے بڑے احتیاط سے شہروز کی پتلون کا پائنچہ پھاڑا۔ اس دوران شینا پتوں کو کچل کچل کر ان کا پھایا بناتی رہی۔ ان پتوں میں بہت رس تھا۔ نوید نے پانی سے زخم صاف کئے اور اس کے بعد شینا کے تیار کردہ پھائے کو زخموں پر رکھ کر ان کے گرد وہی پتے

لپیٹ دیئے۔ پٹی باندھنے کے لئے اس نے بادبان بنانے کے لئے رکھا ہوا کپڑا استعمال کیا۔

پھر جب شینا نے نوید کے زخم پر بھی اسی طرح پھائے رکھنے کی کوشش کی تو نوید نے انکار کر دیا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ گولی کی موجودگی میں زخم بھرنے لگے۔ اسے اندازہ تھا کہ جب تک گولی زخم میں موجود ہے اس کی صحت یابی کے امکانات بہت کم ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شینا زخم سے گولی نکال سکتی ہے۔ کیا وہ شینا کو فورسیپ کا استعمال سکھا سکتا ہے۔

اس دوران شہروز نے ایک دو مرتبہ اپنی آنکھیں کھولیں اور بند کیں۔ اسے صرف یہ احساس تھا کہ وہ کشتی کے دونوں پشتوں کے درمیان لیٹا ہوا ہے۔ پھر اس نے نوید کی آواز سنی جو خود کلامی کے انداز میں کسی ستارے کا ذکر کر رہا تھا۔

''نوید!'' ایک مرتبہ شہروز نے کشتی کے دونوں پشتے پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے آواز دی۔

''کیا ہوا......؟'' نوید اس کی طرف لپکا۔

''تم نے......تم نے......انوار کو تو......''

''نہیں میں نے انوار کو قتل نہیں کیا۔'' نوید نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''صرف کپتان! کو ہلاک کیا ہے۔''

''کیا کپتان پاگل ہو گیا تھا۔''

''ہاں ایسا ہی لگ رہا تھا۔''

''اور......اس نے لڑکے کو گولی مار دی تھی۔''

''ہاں اور سنو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی سچ بھی ہے۔''

''ٹھیک ہے مجھے تم پر یقین ہے نوید!'' شہروز کی ٹانگ میں درد اور تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر اس وقت زندہ رہنے کی بہت طاقتور خواہش بھی پیدا ہو رہی تھی۔

''اپنی ٹانگ کا خیال رکھو۔'' نوید نے اسے مشورہ دیا۔

''بام مچھلی اس کا برا حشر کر گئی ہے۔''

''کوئی فکر نہیں۔ تم ابھی خود سے باتیں کر رہے تھے۔''

''ہاں۔'' نوید مسکرانے لگا۔ ''میں اس ستارے کو تلاش کر رہا تھا جسے تم رہنمائی کے

لئے تلاش کرتے رہے ہو۔''

''میں عام طور پر ہوا سے رہنمائی حاصل کرتا ہوں۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''ویسے اس کشتی کو چلانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی چڑیل کو سدھانے کی کوشش کی جائے۔''

''عادی ہو جاؤ گے۔'' شہروز مسکرایا۔

صبح ہوئی تو شہروز نے اندازہ لگایا کہ نوید کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ وہ سو رہا تھا۔ شہروز نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کا سر جھول رہا تھا۔ بال چیکٹ ہو رہے تھے۔ داڑھی الجھی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے کالے حلقے پڑ چکے تھے۔ شہروز شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ کہ اس نے نوید کے زخم سے گولی پہلے کیوں نہیں نکال دی۔ بہر حال اب وہ گولی نکالنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ بمشکل اٹھا اور پھر تقریباً گھسٹتا ہوا اس صندوقچی تک پہنچ گیا جس میں جراحی کے چند آلات اور اوزار رکھے ہوئے تھے۔ صندوقچی میں چند دوائیں بھی موجود تھیں۔ صندوقچی سے اسے پروب، طورسب اور برانڈی مل گئی۔ پھر جب وہ پلٹا تو اسے فوراً ہی لیٹ جانا پڑا کیونکہ گھسٹنے کی وجہ سے ٹانگ میں درد شروع ہو گیا تھا۔ شینا اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ اس کے درد میں شریک تھی۔ وہ لپکی اور اس نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ کچھ دیر بعد وہ اسے سہارا دے کر نوید تک لائی۔ لیکن اس نے پہلے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ شہروز صرف ایک ٹانگ استعمال کرے گا۔

''نوید!'' شہروز نے محو خواب نوید کو آواز دی۔

''ہاں۔'' نوید یہ کہہ کر اٹھا اور سیدھا پتواروں کی طرف بڑھ گیا۔

''نہیں دوست!'' شہروز نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں نے تمہیں پتوار اٹھانے کیلئے انہیں اٹھایا ہے۔ میں تو تمہارے شانے پر مشق ستم کرنا چاہتا ہے۔''

''اوہ۔'' نوید مسکرایا۔ ''اس زخم نے واقعی پریشان کر رکھا ہے۔ پتے شینا کے پاس ہیں اور......''

''لو اس کے چند گھونٹ پی لو۔'' شہروز نے برانڈی کی بوتل نوید کی طرف بڑھا دی۔

''یہ کیا ہے؟''

"اس کی فکر مت کرو پی جاؤ۔ تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا یہ لو۔"

"برانڈی؟" نوید نے بوتل ہاتھ میں لے کر پوچھا۔

"ہاں۔" شہروز نے جواب دیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں تو نہیں پیوں گا۔"

"پیو یہ میرا حکم ہے۔"

"ہمارے پاس صرف اتنی ہی برانڈی ہے۔" نوید نے کہا۔

"اور یہ زیادہ برے وقت میں کام آ سکتی ہے۔ پھر تم کیا کرو گے؟"

"میں کہتا ہوں پیو پی جاؤ۔"

"مگر...... میں......"

"ذرا سوچو نوید! زخم سے گولی نکالتے وقت تمہیں کتنی تکلیف ہو گی۔"

"میرا خیال ہے کہ گولی لگنے کے مقابلے میں زیادہ ہی ہو گی۔"

نوید پژمردہ انداز میں مسکرایا۔

"تو پھر اس تکلیف کو کم رکھنے کے لئے اسے پی جاؤ تا کہ میں قدرے سکون سے آپریشن کر سکوں۔"

نوید نے دو گھونٹ پی لئے۔

"اور پیو۔" شہروز بولا۔

"چاہو تو سب پی جاؤ۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پروب نکال لیا۔

"دوسرے شانے کے بل لیٹ جاؤ۔" شہروز نے اسے ہدایت کی۔ اس وقت نوید کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں جھلملانے لگی تھیں۔

زخم سے گولی نکالنا آپریشن تھیٹر میں مشکل ہوتا ہے تو پھر کشتی میں تو تقریباً ناممکن سی بات تھی۔

اس نے زخم کا جائزہ لیا۔ گولی اوپر نہیں بلکہ ان کے قیاس کے برعکس کافی اندر تھی۔ نوید کو نظر بھی نہیں آ رہی تھی۔ نوید نے ایک طویل سانس لی اور جوں ہی پروب زخم میں داخل ہوا اسے مزید پسینہ آ گیا۔ اس کے ہونٹ زرد ہونے لگے۔

"شاباش نوید! ہمت سے کام لو۔" شہروز نے کہا۔

"تم ابھی تک گولی کو نہیں چھو سکے ہو۔" نوید نے تکلیف ضبط کرتے ہوئے بتایا۔

"ہاں......" شہروز نے زخم کریدا تو پیپ بہہ نکلی۔ پھر مزید کوشش کے بعد گولی مل گئی۔ شہروز نے فورسیپ کے ذریعے اسے پکڑنا اور نکالنا چاہا۔ گولی فورسیپ میں تو آ گئی لیکن جب شہروز نے ہاتھ کھینچا تو گولی پھر زخم میں رہ گئی۔ تین مرتبہ کی کوشش کے بعد اس نے فاتحانہ انداز میں گولی باہر نکال کر نوید کو دکھائی۔ اور پھر اسے ایک طرف پھینک دیا۔

"لو...... دو تین گھونٹ اور لے لو۔" شہروز نے بوتل نوید کو دیتے ہوئے کہا۔

شینا نے ایک بار پھر پتے کچل کر زخم کیلئے پھایا بنایا۔ غالباً یہ پتے کسی ایسے درخت کے تھے جو زخموں کو مندمل کرنے میں اکسیر کی حیثیت رکھتے تھے۔

پٹی کرنے کے بعد شہروز نوید کو دیکھ کر مسکرا دیا۔ "اب کیا حال ہے؟"

"بہتر، لیکن اگر آئندہ برانڈی کی پوری بھری ہوئی بوتل بھی دو گے تب بھی ایسے آپریشن پر آمادہ نہیں ہوں گا۔" نوید نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا۔

"شکریہ۔"

"نہیں یار! کاش یہ کام پہلے کر لیتا۔"

"اس روز انہیں جزیرہ چھوڑے ہوئے چار دن ہو چکے تھے۔ ہوا زیادہ بہتر نہ تھی۔ لیکن پھر بھی وہ کشتی کے سفر میں دوپہر تک ان کی مدد کرتی رہی۔ پھر ہوا بند ہو گئی۔ اور اس کے بعد اس کا رخ بدل گیا۔

انہیں ایک بار پھر شینا کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ اس نے ہوا کا رخ بدلتے ہوئے آؤٹ رگر کی سمت بھی اس کے مطابق کر دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو کشتی کسی بھی راستے پر جا سکتی تھی۔ شینا نے ابھی اپنا کام ختم نہیں کیا تھا۔ وہ پھرتی اور تیزی سے کام میں لگی ہوئی تھی۔ دونوں مردوں نے دیکھا کہ وہ بالکل ایک نئے انداز سے بادبان چڑھا رہی ہے۔ پھر شینا نے نوید کو اشارے سے سمجھایا کہ دستے کو کس پوزیشن میں رکھا جائے۔ لیکن نوید یہ سمجھا کہ

وہ دستے کو اندر ڈالنے کیلئے کہہ رہی ہے۔ نوید نے جوں ہی یہ حرکت کی وہ چلائی۔ اس نے دوبارہ اشارے کئے کہ آؤٹ رگر کو ہوا کے رخ پر رکھنے کیلئے دستے کی پوزیشن کیا ہونی چاہئے۔ اب ہوا کا رخ کشتی کے عقبی حصے کی طرف ہو گیا تھا۔ شینا کا سارا زور اس بات پر تھا کہ آؤٹ رگر پانی سے اٹھنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ پانی سے اس کے اٹھنے کی صورت میں کشتی الٹ سکتی ہے۔

ہواؤں کی یہ صورتحال رات تک اسی طرح رہی۔ اب تک شینا ماہرانہ انداز میں چپوار چلاتی رہی تھی۔ لیکن یہ سوچ لینا کہ وہ بدستور اسی طرح کام کرتی رہے گی زیادتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے آرام کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح لیٹ گئے کہ کشتی کی اچھل کود سے ان کے جسم لڑھک نہ جائیں۔

لیکن پانچویں روز کی صبح ہوئی تو شہروز کو احساس ہوا تھا کہ وہ موت کی راہ پر چل رہے ہیں۔ اسے نوید کے خون میں لتھڑی ہوئی قمیص میں موت کا سایہ نظر آیا۔ اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ خود اس کی اپنی حالت غیر تھی۔ اور وہ بھی نوید کی طرح کوئی بھی ایسا کام کرنے سے مجبور تھا۔ جس میں طاقت لگتی ہو۔ اس کی ٹانگ سوکھ کر تڑخ رہی تھی۔ اور اسے اندازہ تھا کہ یہ تڑخن زخموں کیلئے کتنی خطرناک ثابت ہو گی۔

ان کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا۔ جبکہ جنوب مشرق سے ہوائیں چل رہی تھیں۔ بعض اوقات یہ ہوائیں اتنی خوشگوار ہو جاتی تھیں کہ وہ کشتی میں لیٹ جاتے تھے اور ان کا لطف اٹھاتے تھے۔ چھٹے روز بھی ہواؤں کی یہی صورتحال رہی اور وہ ہوا سے تازگی حاصل کرتے ہوئے سفر کرتے رہے۔ انہیں صرف یہ اطمینان تھا کہ وہ زمین کی طرف جا رہے ہیں۔ اب ان کی منزل کوئی خاص بندرگاہ نہیں۔ زمین تھی صرف زمین...... سوال یہ تھا کہ کیا وہ کبھی زمین تک پہنچ سکیں گے۔

خود شہروز کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ بس ایک امید تھی کہ شینا کو یقیناً آس پاس کسی جزیرے کا علم ہے اور وہ اس سمت میں ان کی رہنمائی کر رہی ہے۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ بپھری ہوئی موجوں سے رہنمائی حاصل کر رہی ہو۔ کبھی ایسا لگتا تھا کہ وہ پرندہ دیکھ کر کسی نتیجے پر پہنچی ہو۔ ایسے کسی بھی پرندے کو وہ آنکھوں پر ہتھیلی کا چھجہ بنا کر اس

وقت تک دیکھتی رہتی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا تھا۔

اگلی شب بھی ہوا کم نہ ہوئی۔ جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو شینا حسب عادت چند منٹ کیلئے پانی میں اتر گئی۔ اور پھر وہ مسکراتی ہوئی واپس آ گئی۔ اس دوران شہروز ساکت لیٹا اور سوچتا رہا کہ شینا کشتی پکڑے ساتھ ساتھ تیر رہی ہے۔

ان کے لئے اب صبح بھی کسی خوشی کا پیغام نہیں لاتی تھی۔ بس ایک لامتناہی سفر تھا جو جاری تھا۔ بادل بھی اب انہیں دھوپ سے نہیں بچاتے۔ حالانکہ آسمان ہمیشہ ابر آلود رہتا تھا۔ بعض اوقات وہ کالے بادلوں کی سمت میں سفر کر رہے ہوتے تو انہیں یہ توقع ہوتی تھی کہ یہ کالے بادل ان پر سایہ کر دیں گے۔ لیکن وہ ان بادلوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے۔

لیکن ساتویں صبح گھٹا ٹوپ اندھیرے کے ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی۔ پہلے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اپنے جسموں سے نمک دھویا لیکن جب بارش نہ تھمی بلکہ اور تیز ہو گئی تو انہیں پریشانی ہونے لگی۔ کشتی میں پانی جمع ہو گیا۔ جس کے باعث کشتی نیچے ہونے لگی۔

اس روز مسلسل بارش ہوتی رہی۔ انہوں نے آپس میں زیادہ باتیں نہیں کیں۔ کیونکہ اب وہ جب کچھ کہنے کیلئے لب وا کرتے تھے تو وہ تڑخ جاتے تھے۔ اور بعض اوقات ان سے خون بھی رسنے لگتا۔ ان کے زخموں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ان پر بندھی ہوئی پٹیاں اور ان کے نیچے پتوں کے پھائے تک بھیگ چکے تھے۔

یہ ایک خوفناک خواب سے کم نہ تھا اور انہیں یقین تھا کہ موت بتدریج ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

تاہم ان زخمی مردوں کے احساسات اور خدشات سے قطع نظر شینا بڑی مردانگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کی جلد تیل کی وجہ سے زیادہ چکنی تھی۔ اور اب تک سورج کی تپش کے باوجود سوکھی نہ تھی۔ اگرچہ اس کی زندگی کے امکانات بھی نوید اور شہروز کے امکانات سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن وہ تا حال مستعد تھی۔ کوئی زخم نہ لگا تھا۔ اور اس میں توانائی موجود تھی۔

پھر اچانک آٹھویں دن انہیں زمین نظر آ گئی۔

اس رات ہوائیں چلتی رہی تھیں۔ اور وہ سفر کرتے رہے تھے۔ اگرچہ رات کا سفر منصوبے کا حصہ نہ تھا۔ لیکن اب رات کے وقت ہوا کی وجہ سے کشتی چلانا زیادہ آسان لگتا تھا۔ اس رات سمندر پرسکون تھا۔ ہوائیں مضطرب نہ تھیں اور کشتی بھی ہچکولے لئے بغیر رواں دواں تھی۔

اس ماحول میں بھی وہ مختلف خدشات سے دوچار تھے۔ نوید ان خدشوں کو زبان دینے سے بھی خوف زدہ تھا۔ لیکن جونہی صبح ہوئی اس میں زندگی کیلئے ایک زبردست خواہش نے انگڑائی لی۔ کیونکہ اسے کچھ ایسا لگا تھا جیسے اس نے صبح کاذب کے وقت زمین دیکھی ہے۔ اس وقت اس نے شہروز سے یہ کہا تھا کہ شاید اس نے زمین کی جھلک دیکھی ہے اور پھر جب روشنی زیادہ ہوئی تو نوید کا خیال غلط نہ نکلا۔

انہوں نے دھند میں لپٹا ہوا ایک جزیرہ دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہو گئے۔ یہ بڑا جزیرہ تھا۔ زیادہ بلندی پر اور پہاڑیوں والا جزیرہ یہاں دراز قامت درخت بھی تھے۔ چکنی ڈھلانیں بھی اور پرندے بھی۔ آبشار بھی تھے اور نالے بھی۔ سورج سے بچاؤ کیلئے سایہ بھی تھا۔ اور سائبان بھی۔

انہوں نے غار نما ایک جگہ تلاش کر لی۔ یہ مقام جزیرے سے الگ تھلگ تھا۔ اور یہاں جزیرے کے پرندوں کے سوا کسی کی رسائی نہ تھی۔ انہوں نے کشتی کو اسی غار کے قریب ساحل سے لگایا۔ اور پھر اپنی بچی کھچی توانائی کا استعمال کر کے کشتی سے اتر کر عظیم الشان سایہ دار درخت ''باکا'' کے لطیف سائے میں چلے آئے۔

اس جزیرے کا نام لیوا تھا۔ یہ ان کی محض خوش قسمتی تھی کہ وہ اس جزیرے کے سب سے الگ تھلگ علاقے میں اترے تھے۔ ویسے لیوا کے مغربی حصے میں ترندی قبیلہ آباد تھا۔ اور مشرق میں حملہ آور فیروز۔ ان دونوں قبائل میں مسلسل اور خون ریز جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ وہ جس علاقے میں اترے تھے۔ اسے جنگ کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ علاقہ جزیرے کے شمال اور جنوبی علاقے میں تھا۔

وہ نرم و خنک گھاس پر لیٹ گئے۔ شینا لاشعوری طور پر شہروز کے قریب لیٹی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔ ان کے اوپر درخت کی

معلق جڑیں تھیں۔ شہروز کو ایسے عجیب سے سکون کا احساس ہوا کہ اسے فوراً ہی نیند آ گئی۔

پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو شینا اور نوید دونوں غائب تھے۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن جونہی وہ اسے کشتی کے قریب نظر آئے سکون کی ایک لہر اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی۔ شینا اور نوید کشتی کو مزید اوپر لا رہے تھے۔ وہ لنگڑاتا ہوا ان کی طرف بڑھ گیا۔ قریب ہی اسے ایک ایسی تنگ جگہ نظر آئی جو کشتی چھپانے کیلئے مناسب تھی۔ انہوں نے کشتی وہیں پر روک کر اس کے اوپر جھاڑ جھنکار ڈال دیئے۔

انہوں نے کشتی سے کچھ سامان لے کر اسی وادی میں کیمپ لگا لیا۔ جس میں باکا درخت تھا۔ اگلی وادی میں ایک آبشار بہہ رہا تھا۔ جس کا پانی ٹھنڈا اور خنک تھا۔ شینا وہاں سے پانی بھر کر لے آئی اور شہروز نے پتھروں کو رگڑ کر آگ لگائی۔ جب شینا الاؤ کے لئے خشک ٹہنیاں چننے کیلئے چلی گئی تو نوید نے خشک و نمکین گوشت اور بسکٹ نکال لئے۔ اس نے دونوں کو ایک برتن میں رکھ کر الاؤ پر رکھ دیا۔

اس طرح اس نے ایک خاص مگر اجنبی قسم کا اسٹو تیار کر لیا۔ دوپہر سے قبل انہوں نے کھانا کھایا اور درختوں کی چھاؤں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اور پھر نیند نے انہیں آ گھیرا۔ اور وہ پورا دن سوئے۔ حتیٰ کہ رات ہو گئی۔ اور پھر ان کی آنکھ اگلی صبح ہی کھلی۔ دونوں مرد اٹھے تو شینا ان کے زخموں کیلئے پتے تلاش کرنے کیلئے جا چکی تھی۔ اس صبح انہوں نے پٹیاں کھول کر زخم دھوئے اور شہروز یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ ان پراسرار پتوں کی وجہ سے زخم کتنی جلد بھر رہا ہے۔

وہ دونوں پھر آرام کرنے لگے۔ اور شینا کئی ناریل تلاش کر کے لے آئی۔ جنہیں اس نے دھوپ میں خشک ہونے کیلئے رکھ دیا تاکہ ان سے تیل نکالا جا سکے۔ وہ اشاروں میں انہیں بتا رہی تھی کہ یہ تیل ان کی ترخی ہوئی جلد کیلئے بہت سودمند ثابت ہو گا۔

اگلی صبح جب وہ بیدار ہوئے تو اپنے اندر عود کر آنے والی توانائی کا احساس کر کے حیرت زدہ رہ گئے۔ اس روز شینا نے انہیں جھینگے پکڑنے پر لگا دیا۔ اور آبشار سے جھینگے پکڑنے کی ترکیب بھی سکھا دی۔ یہ جھینگے موٹے اور خوشنما تھے جنہیں شینا نے ناریل سے نکالی ہوئی کریم میں پکایا۔

وہاں انہیں انسانی ہاتھوں سے بنائی ہوئی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ جنگل کی زمین سخت تھی۔ اور اس میں نمو پانے والے طاقتور درخت بہت بلند تھے۔ ان درختوں کی ٹہنیوں پر ایک پرندہ جس کو شینا گیگی کہتی تھی چہچہاتا رہتا تھا۔ یہاں طوطے بھی تھے۔ جو درختوں کی ڈالیوں پر چڑھتے اترتے رہتے تھے۔ تتلیاں اپنے رنگ بکھرتی ہوئی عموماً نظر آتی تھیں۔ ان کے بیٹھنے سے پتے لرزنے رہتے تھے۔ پھر رات ہی خنک ہوا وادی کو بھر دیتی تھی۔ بادلوں سے اترنے والی یہ ہوا دو سوفٹ بلند ڈھلانوں سے پھسلتی ہوئی ان تک پہنچتی تھی۔

اس ماحول میں زیادہ تر شینا ہی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ وہ عموماً صبح سویرے ہی کیمپ سے نکل جاتی تھی۔ اور آبشار کا رخ کرتی تھی۔ یا پھر زخموں کیلئے پتے جمع کرنے کیلئے پہاڑی پر چلی جاتی تھی۔ واپسی پر عام طور سے اس کے پاس ناریل بھی ہوتے تھے۔ جن کا پانی پینے سے وہ ایک نئی توانائی محسوس کرتے تھے۔ شینا کی واپسی سے قبل اگر شہروز بیدار ہو جاتا تھا تو اسے غصہ آ جایا کرتا تھا۔ لیکن پھر جوں ہی وہ آتی ہوئی نظر آتی اس کی طرف مسکرا کر دیکھتی تو وہ محبت پاش نظروں سے اس کو تکتا رہ جاتا تھا۔

جزیرہ لیوا پر پانچویں صبح ہوئی تو انہوں نے کشتی کی مرمت اور اسے مزید بہتر بنانے کے کام کا آغاز کیا۔ انہوں نے اس کے متعدد کمزور جوڑوں کی مرمت کی۔ انہیں مضبوط بنایا۔ بعض بدشگون تھا۔ لہٰذا اس روز شینا نے جھینگے اور مچھلی پکڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس شام جب نوید نے پوچھا کہ کھانے میں جھینگے کیوں نہیں تو شینا کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے۔

اس نے شہروز کی طرف اشارہ کیا۔ اور اشاروں سے چند لفظوں میں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر وہ جھینگے کھانا چاہتے ہیں تو شہروز کو اپنی زبان پر قابو رکھنا ہوگا۔ شکار پر جاتے ہوئے ٹوکنا نہیں چاہئے۔ شہروز نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ کچھ نہیں سمجھا۔ شینا مسکرا کر خاموش ہو گئی۔

اگلی صبح وہ اس کے بیدار ہونے سے قبل ہی جال لے کر چلی گئی تھی۔ وہ مسکرانے لگا۔ شاید شینا کو یہ احساس تھا کہ اگر وہ بیدار ہو گیا تو اس کو شکار پر جاتے ہوئے دیکھ کر کچھ کہے گا۔ اور وہ مجبوراً جال ایک طرف رکھ دے گی۔

شہروز اٹھا اور آبشاروں کو نظروں سے اوجھل کرنے والے ٹیلے کی طرف بڑھ گیا۔

آبشار کا سفر ایک تالاب سے دوسرے تالاب تک ہوتا تھا۔ اس کے راستے کے دونوں طرف چالیس سے پچاس فٹ بلند درخت تھے۔ ان پر اور ان سے اوپر پرندے چہچہا رہے تھے۔ اور دور پہاڑ کی چوٹی بادلوں میں چھپی ہوئی تھی۔

اور...... شینا پانی میں تھی۔ سورج اس پر چمک رہا تھا۔ اس نے جو جھینگے پکڑے تھے وہ کیلوں کے بڑے بڑے پتوں میں ایک طرف رکھے ہوئے تھے۔ وہ خود ساکت تھی۔ اور اس کا اسکرٹ نما لباس خشکی پر رکھا ہوا تھا۔

شاید شینا نے اس کی آہٹ سن لی تھی۔ لہٰذا وہ تیزی سے پلٹی اور پھر اپنی حالت کا احساس کر کے شرما گئی۔ وہ حیاء آلود انداز میں مسکراتی ہوئی پانی میں بیٹھ گئی۔ اور پھر شہروز بھی پانی میں داخل ہو گیا۔

شینا اسے دیکھتی رہی۔ شہروز کو قریب تر دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

شہروز آگے بڑھتا رہا۔

طاقت اور توانائی پوری طرح بحال ہو گئی تو مستقبل کا خیال بھی آنے لگا۔ شہروز کو یقین ہو گیا تھا کہ شینا کسی دوسرے جزیرے پر جانے کو ترجیح دیتی ہے۔ کیونکہ اس نے نوٹ کیا تھا کہ وہ کشتی پر ضرورت کا سامان ذخیرہ کرتی رہتی ہے۔ ناریل کا ایک ڈھیر کشتی پر لگ چکا تھا۔ اس نے بہت سے پھل زمین میں بھی دبا دیئے تھے اور اس کا خیال تھا کہ سفر شروع کرتے وقت یہ پھل اتنے پک جائیں گے کہ کھائے جا سکیں گے۔ اور ان سے مشروب بنایا جا سکے۔

شہروز اب زیادہ بہتر طور پر شینا کی زبان سمجھنے لگا تھا۔ نوید نے بھی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ چند الفاظ یاد کر لینے سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ اس کی وجہ سے شینا کو اردو کے بعض الفاظ سیکھنے پڑے تھے۔ جب بھی وہ نوید سے ان چند الفاظ کی مدد سے بات کرتی تو اس کا سانولا سلونا چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا تھا کہ مستقبل کے تقاضوں کی روشنی میں شہروز کو جنگلی زبان نہیں شینا کو اردو زبان سکھانی چاہئے تھی۔

اس جزیرے پر انہیں آٹھ روز ہو چکے تھے۔ اور اب شہروز کو احساس تھا کہ انہیں

مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے۔ اگلی صبح اس نے یہی بات نوید سے کہی۔

''مطلب یہ ہوا کہ شینا روانگی کی تیاریاں کر چکی ہے۔'' نوید نے اس کا تجزیہ سن کر پوچھا۔

''ہاں......تقریباً'' شہروز نے جواب دیا۔

''مگر کیوں......؟'' اسے معلوم ہے کہ ہمیں اس سے بڑی کشتی چاہئے۔ اس کشتی میں ہم اپنی بندرگاہ تک نہیں پہنچ سکتے اور یہ جزیرہ کشتی بنانے کے کام کیلئے بہت مناسب ہے۔ یہاں لکڑی بھی زیادہ ہے۔ ساحل کیمپ کے قریب ہے اور کشتی بنانے کے بعد اسے سمندر میں اتارنا بھی مشکل ثابت نہیں ہوگا۔

یہ باتیں میرے ذہن میں بھی ہیں نوید۔ لیکن کوئی تو وجہ ہوگی کہ وہ واپسی کیلئے سرگرم ہے۔

''وہ کسی بڑے جزیرے کے بارے میں بات کرتی ہے۔ جس کا نام وہ شاید ہسپانیا لیتی ہے۔''

''اوہ......تب پھر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کیونکہ وہ جزیرہ میں نے دیکھا ہے۔'' شہروز نے کہا۔

''دیکھا ہے۔''

''ہاں شاید میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ تمہیں یاد ہے کہ جس روز پہلی مرتبہ ہم نے کشتی کی مرمت شروع کی تھی تو میں ٹہلتا ہوا مغربی حصے کی طرف نکل گیا تھا۔ اوپر سے مجھے دور دھند میں چھپا ہوا ایک جزیرہ نظر آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ شمال مغرب میں ہے۔''

''کتنی دور ہوگا؟''

اس کا اندازہ نہیں لیکن وہ اتنا دور تھا کہ اسے بادلوں سے جدا کرنا ناممکن تھا۔ اس نے کیا نام لیا تھا؟

''ہسپانیا۔''

''زمین میں کیلیں ٹھونکیں اور تختوں میں ہو جانے والے سوراخوں کو بھرا گیا۔ یہ کام

ایک ایسے گوند نما مادے سے کیا گیا جو شینا درختوں سے نکال کر لائی تھی۔

یہ کام کرتے ہوئے وہ بہت خوش تھا۔ لیکن جب سورج نصف النہار پر پہنچا اور دھوپ شدید ہوگئی تو شہروز نے کام روکنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کیمپ واپس آ کر کھانا کھایا۔ جو شینا نے پکایا تھا۔ اس کھانے میں ابلی ہوئی سبزیاں بھی شامل تھیں۔ جن میں عجیب سی خوشگوار مہک تھی۔ یہ سبزیاں شینا نے اسی جزیرے میں گھوم پھر کر توڑی تھیں۔ نوید کو یہ ڈش خاص طور پر بہت اچھی لگی اور وہ اس کا بڑا حصہ ہضم کر گیا۔

اس وقت شہروز بھی بہت خوش تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ کہ انہوں نے ایک نئی ڈش کھائی تھی۔ یا یہ سبب تھا کہ شینا مسکرا مسکرا کر اسے مزید کھانے کیلئے کہہ رہی تھی۔ یا پھر یہ کہ ان کے زخم تیزی سے بھر رہے تھے۔ بہرحال وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ وہ ایسی مسرت سے دوچار تھا جو اسے برسوں محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ زندہ ہیں۔ اور زندہ......رہیں گے۔

شہروز واقعی بہت خوش تھا۔ لیکن کبھی کبھی انوار کا خیال آتے ہی اس کا دل بیٹھنے لگا تھا۔ اور وہ کوشش کرتا کہ یہ سوچے کہ اگر انوار ساتھ ہوتا تو اس وقت کیا ہو رہا ہوتا۔ جس وقت نوید وحشیانہ انداز میں سبزی کھا رہا تھا۔ شہروز نے انوار کا قہقہہ سنا تھا۔ اور ایسا لگا تھا جیسے انوار نوید پر کوئی جملہ چست کر رہا ہو۔

کھانے کے بعد وہ لیٹ کر سو گئے۔ سب سے پہلے نوید کی آنکھ کھلی۔ وہ کشتی تک گیا۔ اس نے وہاں تھوڑا بہت کام کیا اور اس کے بعد ساحل کی سیر کرنے لگا۔ شہروز کی طرح وہ بھی طمانیت اور خوشیوں کے جذبوں سے سرشار تھا۔

شہروز کی آنکھ کھلی تو شینا آبشار پر گئی ہوئی تھی۔ اس نے جھینگے پکڑنے کیلئے جو جال بنایا تھا۔ وہ بھی ساتھ لے گئی تھی۔ یہ جال اس نے لوکا نامی درخت کی چھال کو بٹ کر بنایا تھا۔ جال آسانی سے نہیں بن گیا تھا۔ پہلے چھال ابالنی پڑی تھی۔ پھر اسے دھوپ میں پھیلا کر چادر کی شکل دی گئی تھی۔ دونوں مردوں نے شینا کے اس کارنامے کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔

پہلے روز جب وہ اس جال کو استعمال کرنے کیلئے لے گئی تھی تو شہروز نے اسے مسکرا کر خدا حافظ کہا تھا۔ لیکن اس محبت بھرے جذبے پر شینا کا منہ لٹک گیا تھا۔ بات یہ تھی کہ شکار

کے لئے جانے والے سے کوئی اچھی بات بھی کہنا اس کے نزدیک برا ہی تھا۔

شہروز کو قبائلی زبان کے بہت سے لفظ آ گئے تھے۔ نوید بھی ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر یہ الفاظ سیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

شینا کو اپنی ہی کوئی زبان آتی تھی۔ کیونکہ اسی زبان پر اس کے والدین کو بھی عبور حاصل تھا۔ اس نے یہاں لڑائی کی کہانیاں سنی تھیں۔ اس نے سنا تھا کہ کسی دوسرے جزیرے کے آدمیوں کی ایک کشتی یہاں پہنچی تھی۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ منزل تک پہنچتی چناویہ قبائل نے ان پر حملہ کر دیا اور اس حملے میں ہر شخص کو ذبح کر دیا گیا۔ صرف ایک لڑکا زندہ بچ سکا۔ جس نے گھر پہنچ کر سب کو یہ کہانی سنائی تھی۔

اور اس وقت یہ کہانی شہروز کو نوید سنا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' نوید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''لیکن شینا سے یہ تو پوچھو کہ اس جزیرے پر ہمیں دوستانہ جذبات رکھنے والے لوگ مل سکتے ہیں۔''

لیکن شینا کے پاس اس اہم سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

''اس کا جواب ہمیں بھی نہیں معلوم۔'' نوید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ممکن ہے کہ کوئی مدد کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔'' شہروز نے دھیرے سے کہا۔

''ممکن ہے مگر ایسے امکانات کتنے ہیں؟''

''دیکھو جب ہم شینا کے جزیرے پر اترے تھے تو وہاں کے لوگوں کا رویہ دوستانہ تھا۔''

''ہاں لیکن صرف اس وقت مخالفانہ انداز اختیار کیا تھا جب کپتان نے بندوق چلائی تھی۔'' نوید نے کہا۔ ''لیکن اگر اس وقت کپتان کی بندوق کا بارود گیلا ہوتا تو پھر کہانی بہت مختلف ہوتی۔ نہیں جناب! ہمیں یہیں قیام کرنا چاہئے۔ جہاں ہمیں کوئی نہ دیکھ سکے۔ صرف یہی ایک جگہ ایسی ہے جہاں ہم اپنے مطلب کی کشتی تیار کر سکتے ہیں۔''

شینا اس کا مفہوم سمجھ کر زور زور سے سر ہلانے لگی۔ پھر وہ اتنی روانی سے بولی کہ

شہروز بھی اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہا تاہم اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ چند لمحوں بعد اس خاموشی کو شہروز ہی نے توڑا۔

''نوید!'' وہ بہت مدھم آواز میں بولا تھا۔ ''دیکھو ہمیں جو فیصلہ کرنا ہے اس کا نتیجہ کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں نکل سکتا ہے۔ بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ لیکن ہم جو فیصلہ کرنے والے ہیں وہ بہت اہم ہوگا۔ زندگی کا انحصار بھی اس کے نتیجے پر ہوگا۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ شینا جو کچھ کہہ رہی ہے وہی میری رائے بھی ہے تو تمہارا کیا ردعمل ہوگا۔''

''میں اسے حکم سمجھ کر تسلیم کر لوں گا۔'' نوید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''میں اپنی مرضی سے نہیں تمہارے حکم کے تحت ہر راہ پر چلنے کو تیار ہوں۔ تم کپتان ہو۔''

''شکریہ نوید!'' شہروز کی آواز رندھ گئی۔

''میرا خیال ہے کہ تم حتمی فیصلہ کر چکے ہو۔'' نوید نے کہا۔

''ہاں ہم دوسرے جزیرے پر جائیں گے۔''

اگلے روز صبح سویرے انہوں نے کشتی کو تیار کر لیا۔ اس میں سامان بھرا اور پھر شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ سامان کے بوجھ کی وجہ سے اب کشتی ہواؤں کا بہتر طور پر مقابلہ کر رہی تھی۔

ایک دن کسی غیر معمولی واقعہ کے بغیر گزر گیا۔ اس روز مطلع ابر آلود رہا۔ لیکن کبھی کبھی سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا رہا۔ شام ہونے تک ہوائیں تیز ہو گئیں۔

اس رات شہروز سٹیئرنگ پیڈل پر بیٹھا ستاروں کو تلاش کرتا رہا۔ ساتھ ہی اسے کشتی کی بھی فکر تھی۔ وہ کشتی بنانے کے بارے میں زیادہ متفکر نہ تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کشتی کی رہنمائی کس طرح کرے گا۔ وہ جہاز رانی کیلئے ضروری آلات پہلے ہی کھو چکے تھے اور محض ستاروں کی مدد سے راستے اختیار کرنے سے ہراساں تھا۔ ایسی صورت میں یہ ممکن تھا کہ کشتی پر

موجود پانی ختم ہو جانے کے باوجود زمین تک نہ پہنچ سکیں۔

اصل بات یہ تھی کہ انہیں پورٹ نیکسن کی سمت معلوم نہ تھی۔ اور اگر وہ کسی سوئی کو پیٹ پیٹ کر اس میں مقناطیسی کشش پیدا کر کے کمپاس بنانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تب بھی یہ مسئلہ درپیش رہتا کہ وہ کس سمت میں سفر کریں کہ وہ پورٹ نیکس پہنچ سکیں۔

اب امکان صرف یہ تھا کہ وہ جنوب مغرب میں سفر کرتے رہیں اور اس امید پر جیتے رہیں کہ کوئی جہاز انہیں دیکھ لے گا۔

لیکن یہ خیال محض خام خیالی سے زیادہ نہ تھا۔

اگلا دن شروع ہوا تو بادل زیادہ تھے۔ سورج چھپا ہوا تھا۔ ہوائیں کم تھیں۔ یہاں انہیں وہیل بھی نظر آ رہی تھی۔

اس روز بارش بھی ہوئی اور پانی نے انہیں ایک بار پھر ادھ موا کر دیا۔ کشتی زبردست ہچکولے لینے لگی۔ وہ اتنی بار لڑھکے کہ ان میں کھڑا ہونے کی ہمت نہ رہی۔ وہ سمت بھول گئے اور کشتی نجانے کس کس سمت میں چلتی رہی۔ دن ختم ہوا۔ رات نے جنم لیا۔ تب بھی بارش ہوتی رہی۔ اگلے روز بھی دن بھر بارش جاری رہی۔ ان کے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ وہ زخم جو بھرنے لگے تھے ایک بار پھر تازہ ہو گئے۔ انہوں نے کشتی کے فاضل بادبان کو چھت کی شکل دینا چاہی لیکن یہ چھت پانی میں بھیگ کر اتنی بھاری ہو گئی کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

وہ کہاں جا رہے تھے اس کا علم انہیں پانچویں روز کی صبح تک نہ ہو سکا۔ بارش نصف شب کے بعد کسی وقت بند ہوئی لیکن اس کے بعد بھی نہ تو ہوا چلی اور نہ ہی مطلع صاف ہوا۔ آسمان تاریک تھا۔ اور اس پر ایک بھی ستارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بارش ختم ہوتے ہی وہ پانی نکالنے اور بہتے ہوئے سامان کو مناسب جگہ رکھنے میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد لیٹ کر صبح کا انتظار کرنے لگے۔

صبح آئی تو ہوا کے ساتھ کچھ اور بھی لائی۔ صبح کی دھندلی روشنی میں انہوں نے ایک جزیرہ دیکھا۔

''ہسپانیا'' شہروز خوشی سے چلا اٹھا۔ شینا بھی مارے جوش کے چلا چلا کے کچھ کہنے

لگی۔ انہیں یقین تھا کہ وہ اس جزیرے کی پہاڑیوں سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کر سکیں گے کہ ان جزائر کی دنیا سے نکل سکیں یا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

دوپہر ہوئی تو ہوا کم ہو گئی۔ اور ہلکی بارش پھر شروع ہو گئی لیکن اس بار بارش قیامت خیز نہ تھی۔ اس کے بعد ہوائیں چلنے لگیں اور جھٹ پٹا ہونے کے ساتھ ہی انہیں لکڑی کے جلنے کی بو بھی محسوس ہونے لگی۔

اس رات وہ پتوار چلاتے رہے۔ لیکن اس طرح کہ سمت گم نہ کر بیٹھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ پہاڑوں کے اس سلسلے کے قریب ہونے لگے۔ یہاں انہیں کئی راستے نظر آئے۔ ایک طرف پانی گھن گرج کر رہا تھا۔ اور دوسری طرف پرسکون تھا۔ پھر انہیں احساس ہوا کہ ان کا رخ ایک خاص راستے کی طرف ہے جو درے کی شکل میں بنا ہوا تھا۔

دوپہر ہونے تک وہ گہرے پانیوں میں رہے اور اس راستے سے گزر کر ایک پرسکون جھیل نما حصے میں آ گئے۔ ان کا رخ اب شمال مغرب کی طرف تھا۔ انہیں اس عظیم جزیرے کے عقب کے مغربی حصے میں ایک اور مگر چھوٹا سا جزیرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ پتوار چلاتے رہے۔ حتیٰ کہ زمین کے انتہائی جنوبی حصے تک پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے راستہ تبدیل کیا اور ساحل کے متوازی چلنے لگے۔ اب وہ گہرے پانیوں میں تھے۔

مزید مغرب کی سمت میں سفر کے بعد انہیں کئی سمندری نہریں نظر آئیں۔ نوید نے کئی بار کسی ایک نہر کو راستے کے طور پر استعمال کرنے کی تجویز دی۔ لیکن شہروز نفی میں سر ہلاتا رہا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آگے کیا ہے۔

پھر اچانک انہیں بالکل سامنے ناریل کے درخت نظر آنے لگے۔ ایک لہر انہیں مزید قریب لے گئی۔

''پتوار'' شہروز چلایا۔ انہوں نے بڑی تیزی سے کشتی کو خشکی سے دور کیا پھر انہیں ایک بڑی خلیج نظر آئی۔ جس میں لاکھوں پتے تیر رہے تھے۔

کئی منٹ بعد شہروز نے طویل سانس لی۔ ''یہ غالباً آٹھ دس میل پر پھیلی ہوئی ہے۔'' اس نے خلیج کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاں...... اور آس پاس کہیں انسانوں کا نام و نشان تک نہیں ہے۔" نوید نے جواب دیا۔

"جنوبی علاقہ یہاں سے پتہ نہیں کتنی دور ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ اس سپاٹ علاقے میں درختوں کے پیچھے کیا ہے۔" شہروز شمال مشرق کی سمت میں اشارہ کر رہا تھا۔ "ویسے وہاں ویرانی نظر آ رہی ہے۔"

وہ اسی سمت گئے۔ درختوں سے بھرے ہوئے میدان کے پیچھے چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ وسیع وادیاں تھیں اور پستہ قامت درخت تھے۔ پہلے حصے کے خاتمے پر مزید پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

"بولو...... یہاں چلیں۔" نوید نے شہروز سے پوچھا۔

"ہاں۔" شہروز مسکرایا۔

"یہاں کچھ عرصہ قیام کیا جا سکتا ہے۔"

شینا عرشے کے پلیٹ فارم سے بادبان چڑھانے کیلئے تیار ہو گئی۔ نوید نے اس کی مدد کی۔ جبکہ شہروز عقبی حصے میں رہا۔ تاہم ابھی بادبان آدھا ہی چڑھا تھا کہ اچانک زور کی ہوا چلی اور آؤٹ رگر کشتی سے الگ ہو گیا۔ آؤٹ رگر جو بہہ کر دور جانے کے قریب تھا بری طرح ہل رہا تھا۔ شہروز زور سے چلایا۔ طوفانی لہریں اچانک ہی اٹھنے لگیں اور پانی کشتی میں بھرنے لگا۔ شینا نے بادبان گرا دیا اور زقند بھر کر عرشے پر آ گئی اور بہنے والے سامان کو پکڑنے لگی۔ پانی اسے بھی اچھال رہا تھا۔ سب سے پہلے نوید سنبھلا اور اس نے بہتے ہوئے بادبان کو دبوچ لیا۔

کشتی اس طرح اچھل رہی تھی جیسے ابھی ٹوٹ جائے گی۔

اسی لمحے ایک بندوق بہتی ہوئی سمندر میں چلی گئی۔ پھر دوسرے سامان کا ڈھیر بھی بہنے لگا۔ مگر شینا نے چیخ مار کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"سامان جانے دو۔" شہروز دہاڑا۔ "خود کو سنبھالو۔ تختہ مضبوطی سے تھام لو۔" مگر شینا سمندر میں گر چکی تھی۔

اس نے یہ ہدایت ان دونوں کو دی تھی۔ جو دیوانوں کی طرح سامان بچانے کی

کوشش کر رہے تھے۔ شینا اسے نہ سن سکی۔

چند قیامت خیز لمحوں کے بعد بادبان کی لکڑی کو گرنے سے بچا لیا گیا۔ اس دوران شہروز پتوار سنبھالے رہا تاکہ کشتی الٹ نہ جائے۔ تاہم اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ کشتی ڈوبنے ہی والی ہے۔

"نوید! رسی لاؤ۔" وہ چلایا۔ "شینا! عرشے پر آؤ۔" وہ اردو میں بولا تھا مگر شینا اس کا مفہوم سمجھ گئی۔ تاہم وہ ڈبکیاں کھا رہی تھی۔

"یہ رسی لو......" نوید نے لڑکی کی طرف رسی اچھال دی۔ شینا اس وقت آؤٹ رگر کے قریب تھی۔ اس نے رسی تھام لیا۔

"اس طرف آؤ شینا! اس طرف۔" شہروز نے ایک بار چلا کر سمت کا اشارہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر شینا مزید آگے نکل گئی تو پھر کبھی نہ مل سکے گی۔

"وہ تمہاری بات سمجھ نہیں پا رہی ہے۔" نوید ہراساں انداز میں بولا۔ شہروز پھر چلایا لیکن اس بار ایسا لگا جیسے شینا نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ شینا نے رسی کمر سے باندھی اور غوطہ لگایا۔ رسی کا دوسرا سرا نوید کے ہاتھ میں تھا۔ اس بار وہ ابھری تو آؤٹ رگر کے عین اوپر تھی۔ ایک ہاتھ میں اس نے آؤٹ رگر کو پکڑا۔ اور دوسرے سے اسے کشتی سے لگا دیا۔ آؤٹ رگر کے کشتی سے منسلک ہوتے ہی کشتی سنبھل گئی۔

شینا کے چہرے پر اب خوشی کے آثار تھے۔ وہ کشتی کے عرشے والے تختے کی سمت آئی اور وہاں موجود نوید اور شہروز نے اسے اوپر کھینچ لیا۔

وہ ایک لمحے تک ہنستی رہی۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ ہنسی اور پھر رو دی۔ وہ موت کے چنگل سے نکلی تھی۔ فاتح ہو کر اس نے آؤٹ رگر حاصل کر کے کشتی کو بھی بچا لیا تھا۔

"شینا!......" شہروز نے نرم لہجے میں کہا۔

"شہ...... روز!" وہ مسکرا دی۔ پھر اس نے سر پیچھے کر کے زوردار قہقہہ لگایا۔ اس کے گیلے بال شانوں پر بکھر گئے۔ شہروز کو بے اختیار رونا آ گیا۔ یہ لڑکی ہمارے لئے کتنی

قربانیاں دیتی رہے گی۔

انہوں نے کشتی سے پانی نکالا۔ ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کی اور پھر روانہ ہو گئے۔

جھٹ پٹے کے وقت اچانک تینوں اچھل پڑے۔ انہوں نے آنکھیں مل مل کر دیکھا۔

ان کے سامنے ایک دریا تھا جس کے چار منہ تھے۔ انہوں نے کشتی ان میں سے ایک پر ڈال دی۔ وہ ہنس رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے' رو رہے تھے۔ مسکرا رہے تھے۔ ان کے قریب ساحل پر پھولوں کی بہار تھی۔ اور وہ جانتے تھے کہ اب وہ محفوظ ہیں۔ دریا کا مل جانا ان کی زندگی کی علامت تھی۔

انہیں علم تھا کہ اب وہ جنگلیوں کی دنیا سے نکل چکے ہیں۔ مہذب علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور یہ کہ اب ماہی گیروں کی کسی بھی بستی میں انہیں مدد مل سکتی ہے۔

وہ دور لگے ہوئے اس بورڈ کو ایک روز بعد ہی دیکھ سکے۔ جس پر لکھا تھا۔

''کشتیوں کی مرمت یہاں کی جاتی ہے۔''

یہ تحریر ہی اس امر کی ضمانت تھی کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے ہیں۔''

﴿ختم شد﴾